ادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے

حقانی تقریریں

شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

(اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے

حقانی تقریریں

از

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۔ لاہور

نام کتاب	حقانی تقریریں
مصنف	علامہ عبدالمصطفیٰ الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ
اشاعت	اگست 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z288ء
قیمت	■ روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

فہرست مضامین

ایصال ثواب

میں اپنی اس تالیف کے ذریعے اپنے استاد محترم حضرت صدر الشریعہ مولانا الحاج امجد علی صاحب قبلہ مصنف بہار شریعت متوفی 1367ھ اور اپنے مرشد طریقت حضرت حافظ الحاج شاہ محمد ابرار حسن خان صاحب قبلہ نقشبندی مجددی متوفی 1370ھ علیہ الرحمتہ والرضوان اور دوسرے اساتذۂ کرام کی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کرتا ہوں۔ قارئین کرام بھی ان بزرگوں کو ایصال ثواب فرما کر ممنون کرم فرمائیں۔

....

نگاہ اوّلین

دل کے نقوش ہیں انہیں رکھنا سنبھال کر
کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کر

میں اپنے رب کریم کی بارگاہ عظمت میں انتہائی جذبہ تشکر کے ساتھ اپنی جبین عبودیت کو ہزاروں بار سجدۂ شکر سے سرفراز کرتے ہوئے یہ عرض کرنے میں روحانی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ الحمد للہ "ایمانی تقریریں" کا تیسرا حصہ بخیر و خوبی حسب وعدہ پورا ہو گیا اور توفیق ربانی کی بدولت اپنی علمی تہی دستی اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود میں اپنے احباب و تلامذہ کی ایک دیرینہ تمنا کو پوری کرتے میں ایک حد تک کامیاب ہو گیا۔

برسوں سے مخلصین کا اصرار تھا کہ میں عام فہم اور سلیس زبان میں چند اسلامی تقریروں کا ایک ایسا مجموعہ قلمبند کردوں جس سے علماء و طلبہ اور عوام سبھی، علیٰ حسب مراتب مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ رمضان 1387ھ کی تعطیل میں قلم برداشتہ سات تقریروں کا ایک مجموعہ مرتب کر دیا جو "ایمانی تقریروں" کے نام سے طبع ہو کر نذر قارئین ہوا اور الحمد للہ! کہ مولیٰ عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے میری اس حقیر تالیف کو اس قدر قبول فی الارض کی کرامتوں سے نوازا کہ بغیر کسی خاص اعلان کے واعظین طلبہ اور عوام نے اس کو ایک نادر الوجود علمی تحفہ سمجھ کر اس جوش و خروش کے ساتھ خرید لیا کہ چند ہی ماہ میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا اور اس کے دوسرے حصہ کے لئے احباب کا اس قدر شدید اصرار ہوا کہ تقاضا ناموں کا انبار لگ گیا۔ اور کتاب تحریر کرنے سے پہلے ہی تقریباً دو سو جلدوں کا آرڈر موصول ہو گیا۔ چنانچہ رمضان 1388ھ کی تعطیل میں مجھے انتہائی عجلت کے ساتھ اس کا دوسرا حصہ سات تقریروں کا مجموعہ تحریر کرنا پڑا۔ جو بحمدہ تعالیٰ "نورانی تقریریں" کے نام سے مطبوع ہو کر شائع ہوا۔ تو قارئین

کرام نے اس کو بھی میری امیدوں سے کہیں زیادہ تحسین و آفرین کے ساتھ نوازا اور پھر اس کے تیسرے حصہ کے لئے تقاضا شروع کر دیا اور اس قدر ان کا اشتیاق بڑھ گیا کہ بعض احباب نے جذبہ شوق میں اس کی طباعت سے پہلے ہی سینکڑوں جلدوں کے آرڈر روانہ کر دیئے۔ چنانچہ الحمد للہ! کہ آج اس کا تیسرا حصہ نذر احباب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور شہر ٹانڈہ کے مشہور باکرامت ولی حضرت مولانا حقانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام نامی سے شرف انتساب حاصل کرتے ہوئے چھ تقریروں کا یہ مجموعہ "حقانی تقریریں" کے نام سے قدر دانوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جو مندرجہ ذیل عنوانوں پر مشتمل ہے:

1۔ خُلقِ عظیم　　2۔ اسوۂ حسنہ　　3۔ خلفاء راشدین

4۔ شہداء کربلا　　5۔ قربانی　　6۔ غوثِ اعظم

مجھے اعتراف ہے کہ میں اپنی علمی کم مائیگی اور عدیم الفرصتی کے باعث کماحقہ احباب کی تمناؤں کی تکمیل نہ کر سکا اور جیسا کہ چاہئے میں ان تقریروں میں شوکت الفاظ، جدت تراکیب، ندرت معانی اور ولولہ انگیز طرز بیان کا نمونہ نہیں پیش کر سکا۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے بغیر کسی بخل کے نہایت فراخدلی اور جذبہ اخلاص کے ساتھ اپنی تقریروں کا خاص خاص عنوان اور مضمون نہایت ہی سادا الفاظ اور سلیس زبان میں پیش کر دیا ہے لہٰذا قدر دان احباب سے ملتجی ہوں کہ وہ میری غلطیوں اور لغزشوں کی نشاندہی فرما کر مجھے ممنون فرمائیں گے اور میری اس حقیر خدمت کو اپنے دامن قبولیت میں پناہ دے کر میری حوصلہ افزائی فرمائیں گے کیونکہ ؎

سجائی تو ہے بزم، واعظ نے لیکن
دلوں کی کمی ہے نگاہیں بہت ہیں

آخر میں اپنے ان تمام محسنین اور احباب و تلامذہ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی تحسین و آفرین سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور میری تصنیفات کی اشاعت میں خاص طور پر حصہ لیا۔ بالخصوص اپنے تلمیذ ارشد خیر الاذکیا، مولانا الحاج سید احمد شاہ ایم بخاری کچھی صاحب کے لئے جذبہ اخلاص کے ساتھ دعاگو ہوں کہ موصوف نے مجھ فقیر کو اور میری حقیر تالیفات کو افریقہ جیسے دور دراز ممالک میں بھی روشناس کرایا۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت کے ساتھ

قبولیت دارین کی کرامتوں سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

اور تمام قارئین کرام سے نگاہ کرم کا امیدوار، اور دعاؤں کا خواستگار ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ مجھے بیش از بیش ان دینی خدمات کی توفیق بخشے اور میری تصنیفات کو قبول فرما کر عامۃ المسلمین کے لئے ذریعہ نجات اور باعث ہدایت اور مجھ گناہگار کے لئے زاد آخرت و سامان مغفرت بنائے آمین

غرض نقشے است کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمی بینم بقائے

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

پندرھواں وعظ

خلق عظیم

محمد ﷺ یعنی وہ نقش نخستین کلک فطرت
کیا جس نے مکمل نسخہ اخلاقِ انسانی

مناجات

یا رب! ز کرم بر من درویش نگر　　بر حالِ من خستہ و دل ریش نگر
ہر چند نیم بخشائش تو　　بر من منگر، بر کرمِ خویش نگر

نعت

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیِ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰس وہی طٰہٰ!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ نَبِیَّهٗ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ بِخُلُقٍ عَظِیْمٍ ، وَهَدَی النَّاسَ بِهَدْیِهٖ اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ ، عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِیْمِ ،

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ،

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ، مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ، وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ج وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ،

برادرانِ ملت! صاحب خلقِ عظیم حضور نبی کریم ﷺ کے دربارِ رسالت میں درود و سلام کا نذرانہ عقیدت بآواز بلند پیش کیجئے اور پڑھئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

بزم ہستی کے تاجدار آئے گلشن دہر کی بہار آئے

جس کے دام میں چھپ بکے دنیا وہ رسولِ کرم شعار آئے

حضرات گرامی! میں نے اس وقت "سورۃ القلم" کی چند ابتدائی آیات کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے اور آج اپنی تقریر میں حضور اکرم سید عالم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے ایک خاص عنوان یعنی اخلاقِ نبوت پر چند کلمات عرض کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

محترم حاضرین! حقیقت تو یہ ہے کہ سیرت مبارکہ کے تمام مضامین کی طرح حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کے "خُلق عظیم" کا عنوان بھی وہ بحر ناپیدا کنار ہے کہ مجھ جیسے کم علم کے لئے اس اہم موضوع پر تقریر تو کجا؟ لب کشائی کی جرأت کرنا بھی دشوار ہے۔ بڑے بڑے اقلیم سخن کے تاجدار اور میدان فصاحت کے شہسوار جب "نعت رسول" کی منزل میں پہنچے تو یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

یعنی اگرچہ ہزاروں مرتبہ میں مشک وگلاب سے اپنا منہ دھولوں۔ پھر بھی اے محبوب! آپ کی مدح وثناء تو کیا؟ میں اپنے منہ سے آپ کا نام لینا بھی اعلیٰ درجے کی بے ادبی سمجھتا ہوں۔

تو پھر برادرانِ ملت! میں کیا؟ اور میری بساط ہی کیا؟ جو میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے "خلق عظیم" کے عنوان پر کوئی مبسوط تقریر کر سکوں۔ لیکن بہرحال مجھ بے علم و بے عمل کے لئے یہی شرف کیا کم ہے؟ کہ ؎

مَا اِنْ مَّدَحْتُ مُحَمَّداً بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَّدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٖ

(حضرت حسان رضی اللہ عنہ)

یعنی میں تو اپنی تقریر سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کما حقہ، مدح و ثناء نہیں کر سکتا لیکن اتنا اعزاز و شرف تو مجھے یقیناً ضرور ہی حاصل ہو جائے گا کہ حضور اکرم ﷺ کی مقدس نسبت کی بدولت میری تقریر ضرور مدح و ثناء کے قابل ہو جائے گی۔

برادران اسلام! آپ یقین فرمائیں کہ میں تو اتنے ہی شرف پر فخر کے ساتھ اپنے رب کریم کا شکر گزار ہوں۔ اور محض اس تصور ہی پر مست الست ہوں کہ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس ایں کہ بخدمت بداشتت

حضرات! مجھے اس وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمتہ کا ایک شعر یاد آ گیا جو بالکل میرے حال کے مطابق ہے وہ فرماتے ہیں کہ ؎

نمی دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار می رقصم
مگر نازم بر آں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم

یعنی میں یہ تو نہیں جانتا کہ آخر محبوب کے دیدار کے وقت میں رقص کیوں کرنے لگتا ہوں؟ لیکن میں تو اس ذوق پر ناز کرتا ہوں کہ میں اپنے یار کے سامنے اچھلتا کودتا اور ناچتا ہوں بس یہی حال ہمارا حال ہے کہ ہم حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کی نعت خوانی اور مدح و ثناء تو بھلا کہاں سے کر سکتے ہیں؟ کیونکہ ہم کیا؟ اور ہماری حقیقت ہی کیا؟ لیکن ہم تو صرف اس ذوق تصور پر نازاں ہو کر جوش مسرت سے اچھل کود رہے ہیں کہ ہماری زبان ہے اور نعت رسول کا بیان

ہے اور ہماری زندگی کی یہ ایک ایسی رات ہے جس میں پیارے مصطفیٰ ﷺ کی بات ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ماوشما تو کس گنتی میں ہیں؟ بڑے بڑے صاحبان نظر اور مملکت علوم و معارف کے سلاطین بھی حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کے فضائل و کمالات کی شرح و بیان سے عاجز ہی رہے۔ حضرت حافظ شیرازی نے کیا ہی خوب فرمایا ۔

ایں شرح بے نہایت کز حسن یار گفتند
حرفیست از ہزاراں کاندر عبادت آمد

یعنی محبوب کے حسن و جمال اور ان کی خوبی و لطافت کے بارے میں آج تک جو بے انتہا شرحیں اور تقریریں بیان کی گئیں وہ اس کے ہزارویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہیں جو باقی رہ گئیں ہیں۔

عربی کے دو شعر :۔ برادران ملت! نبی بے مثال، یعنی پیارے مصطفیٰ ﷺ کے حسن و جمال کا ذکر آ گیا ہے تو عربی کے دو شعر اور سن لیجئے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! شاعر نے کتنے نفیس پیرائے میں جمال نبوت کی تصویر کشی کی ہے؟

نَبِیُّ جَمَالٍ کُلُّ مَا فِیْهِ مُعْجِزٌ مِّنَ الْحُسْنِ لٰکِنْ وَّجْهُهٗ الْاٰیَةُ الْکُبْرٰی
یُنَادِیْ بِلَالُ الْخَالِ فِیْ صَحْنِ خَدِّهٖ یُطَالِعُ مِنْ لَّا لَاءِ غُرَّتِهِ الْفَجْرَا

یعنی میرے آقا تو جمال کے نبی ہیں۔ یوں تو ان کے حسن و جمال اور خوبی کی ہر ہر ادا اور ہر ہر چیز ایک معجزہ ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کا چہرہ تو "آیت کبریٰ" یعنی سب سے بڑا معجزہ ہے۔ ان کے گورے گورے مقدس خدوخال کے صحن میں کالے تل کا بلال اذان دینے کے لئے ان کی روشن پیشانی سے صبح صادق کا مطالعہ کرتا رہتا ہے۔

سبحان اللہ۔ ماشاءاللہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس رخسار میں تل کی کتنی بہترین تشبیہ پیش کی ہے۔ واللہ! جی چاہتا ہے کہ اس شعر کو بار بار پڑھتے رہئے اور وجد کرتے رہئے۔ پڑھئے درود شریف جھوم جھوم کر۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

خیر برادران ملت! بہرکیف میری آج کی تقریر کا موضوع "اخلاق نبوت" ہے۔ چنانچہ میں نے خطبہ کے بعد جن آیات کریمہ کو تلاوت کیا ہے۔ اب میں ان کا ترجمہ اور تفسیر عرض

کرتا ہوں۔ لیکن مناسب سمجھتا ہوں کہ ترجمہ و تفسیر سے پہلے ان آیات بینات کی شان نزول بھی آپ کو سنادوں اور بتادوں کہ کہاں؟ اور کب اور کیوں؟ یہ مقدس آیتیں نازل ہوئیں۔ تو میرے بزرگو اور بھائیو! واقعہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ وغیرہ دشمنان رسول اور کفار مکہ نے ایک دن انتہائی گستاخی اور بے ادبی کے ساتھ رحمت عالم ﷺ کو مخاطب کر کے یوں کہا کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ۔

یعنی اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا تم یقیناً مجنون ہو۔

کفار نے گلشن نبوت کے سب سے حسین پھول یعنی رسول مقبول ﷺ کی مقدس شان میں کتنی بڑی بے ادبی اور گستاخی کی۔ مگر قربان جائیے رحمۃ للعالمین کے خلق عظیم پر کہ آپ نے ظالموں کی اس گستاخی اور بے ادبی کو اپنے دامن عفو و کرم میں چھپالیا۔ اور کفار کو کوئی جواب نہیں دیا بلکہ معاف فرمادیا۔ لیکن خداوند قدوس کی قہاری اور جباری نے ان دشمنان رسول کو معاف نہیں فرمایا۔ بلکہ سدرۃ المنتہٰی کے مکین جناب جبرائیل امین کو فوراً زمین پر بھیجا اور اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کے قلب نازک کی تسلی اور کفار لعین کو اپنے قہر و غضب میں گرفتار کرنے کے لئے "سورۃ القلم" کی ان مقدس آیتوں کو نازل فرمادیا اور ارشاد فرمایا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۙ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔

یعنی اے نبی مکرم! مجھے قسم ہے قلم کی اور قسم ہے ان تحریروں کی جو فرشتے لکھ رہے ہیں کہ آپ اپنے رب کی نعمت کے سبب سے مجنون نہیں ہیں اور بلاشبہ آپ ہی کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یقیناً آپ خلق عظیم پر ہیں۔

حضرات پروردگار عالم ان آیات بینات میں پہلے تو دو عظمت والی چیزوں کی قسم یاد فرماتا ہے پھر اپنے محبوب کی تسلی کے لئے اپنی ان تین عظیم الشان نعمتوں کا تذکرہ فرماتا ہے جن سے اس نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو دونوں جہان میں نوازا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے پیارے نبی مکرم! آپ ان کفار کی گستاخانہ بکواسوں سے ہرگز ہرگز رنجیدہ و ملول نہ ہوں۔ مجھے اس قلم کی قسم ہے جس نے لوح محفوظ پر علم "ما کان و ما یکون" اور آپ کی مدح و ثناء کا

سارا مضمون لکھا ہے اور مجھے فرشتوں کی ان تحریروں کی قسم ہے جو وہ دن رات لکھ رہے ہیں کہ آپ بھلا کس طرح مجنون ہو سکتے ہیں؟ آپ تو وہ صاحب فضل و کمال ہیں جو میری ربوبیت کے دامن کرم میں میری ان گنت نعمتوں سے مالا مال ہیں اور آپ کو تو میں نے وہ بلند و بالا اور عظمت والا رتبہ بلند بخشا ہے کہ دنیا سے چلے جانے کے بعد ہر شخص کے اجر و ثواب کا سلسلہ ختم اور منقطع ہو جاتا ہے مگر اے محبوب! آپ کا اجر و ثواب عظیم قیامت تک کبھی بھی ختم اور منقطع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ آپ کے اجر و ثواب کا خزانہ بڑھتا ہی رہے گا۔ آپ کے لئے تو میرا وعدہ ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۔

یعنی آپ کی ہر پچھلی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر اور بڑھ کر ہے۔

دنیا میں، قبر میں، حشر میں، جنت میں، ہر جگہ، ہر دم، ہر قدم پر آپ کا درجہ اس قدر بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا کہ عرش مجید کی رفعتیں اس کو جھک جھک کر سلام کرتی رہیں گی اور دارین کی عظمتیں اس کے نقش قدم پر تصدق و قربان ہوتی رہیں گی اور اے میرے پیارے محبوب! آپ پر تو میرا وہ فضل عظیم و لطف عمیم ہے کہ میں نے آپ کو نبی کریم، رؤف و رحیم کے ساتھ ساتھ مالک خلق عظیم بنا کر بھیجا ہے۔

دعویٰ مع دلیل:۔ حضرات گرامی! غور فرمایئے تو ان آیتوں میں قسم کے بعد والے تینوں جملوں میں گویا دعویٰ اور دلیل کا ربط ہے۔ دیکھئے پہلا جملہ یہ ہے:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۔

یعنی اے محبوب! یہ کفار جھوٹے ہیں آپ ہرگز مجنون نہیں ہیں کیوں؟

اس کی دلیل یہ ہے:

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۔

یعنی مجنون اور دیوانے کا نہ تو کوئی عمل ہی مقبول ہوتا ہے اور نہ اس کو کوئی اجر ہی ملتا ہے۔

اور آپ کے لئے تو اے محبوب! وہ اجر عظیم ہے جو دونوں جہان میں کبھی نہ کم ہونے والا ہے۔ نہ ختم ہونے والا ہے۔ اس لئے آپ بھلا کیوں کر اور کس طرح مجنون ہو سکتے ہیں؟ پھر یہ

دعویٰ کہ آپ کا اجر وثواب کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل تیسرا جملہ ہے۔ یعنی کیوں آپ کا اجر وثواب کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔

یعنی خداوند قدوس نے آپ کو خلق عظیم کا مالک بنایا ہے۔

ظاہر ہے کہ انسان کے اخلاق واعمال ہی پر اجر وثواب ملتا ہے اور تمام انسانوں کا خلق آپ کے خلق عظیمہ سے بہت ہی کم درجے کا ہے۔ اس لئے سب کا اجر تو ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اے محبوب! آپ چونکہ صاحب خلق عظیم ہیں اس لئے آپ کا اجر عظیم بھی تمام انسانوں کے اجر سے افضل واعلیٰ اور بہتر وبالا ہے۔ اس لئے آپ کا اجر دونوں جہان میں کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

حضرات محترم! یہ تینوں جملے اگرچہ بہت ہی مختصر ہیں۔ لیکن اپنی جامعیت کے اعتبار سے معانی ومطالب کا ایک ناپیدا کنار سمندر ہیں۔ اگر ایک ایک جملے پر شرح وبسط کے ساتھ تقریر کی جائے تو فضائل وکمالات مصطفیٰ ﷺ کا ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ میری آج کی تقریر کا عنوان "خلق عظیم" ہے اس لئے میں اس مجلس میں ان آیات میں سے صرف ایک آیت اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔ پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ذرا غور سے سماعت فرمایئے اور پہلے ایک مرتبہ باآواز بلند درود شریف کا ورد فرمالیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

میرے بزرگو اور بھائیو!

اس آیت میں خداوند عالم جل جلالہٗ اپنے پیارے حبیب اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔

یعنی اے محبوب! بیشک یقیناً آپ خلق عظیم پر ہیں۔

سبحان اللہ! حضرات!

ذرا قرآن مجید کا انداز بیان تو ملاحظہ فرمایئے۔ یوں نہیں فرمایا کہ آپ کا خلق عظیم ہے۔ یوں بھی نہیں فرمایا کہ آپ کے پاس خلق عظیم ہے۔ بلکہ یوں فرمایا کہ:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔

یعنی اے محبوب! آپ خلق عظیم پر ہیں۔

یاد رکھئے کہ "علیٰ" عربی زبان میں استعلاء کے لئے یعنی ایک چیز کو ایک چیز کے اوپر بتانے کے لئے آتا ہے۔ جیسے بولتے ہیں کہ:

زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ۔

یعنی زید چھت کے اوپر ہے۔

تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ چھت زید کے نیچے ہے اور زید چھت کے اوپر ہے تو یہاں بھی اسی طرح ارشاد ہوا کہ:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔

تو اس کا بھی یہی مطلب ہوا کہ آپ خلق عظیم کے اوپر ہیں اور خلق عظیم آپ کے نیچے ہے۔

تو حضرات گرامی! اس انداز بیان میں خداوند عالم نے ایک بہت ہی لطیف اور معنی خیز نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کو جو عزت کونین و عظمت دارین کی سربلندی حاصل ہے وہ آپ کو خلق عظیم کی وجہ سے نہیں حاصل ہوئی ہے۔ بلکہ درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ چونکہ "خلق عظیم" کو آپ کی نسبت قدم بوسی کا شرف حاصل ہو گیا ہے اس لئے خلق عظیم کو آپ کی نسبت کی بدولت عزت و عظمت مل گئی ہے! جی ہاں!

برادران ملت! یہی تو ایک بہت بڑا نکتہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات والا صفات سے جس چیز کو بھی نسبت حاصل ہو گئی عزت و عظمت اس کے قدموں پر قربان ہو جاتی ہے۔ سچ کہا کسی شاعر نے ؎

گدائے در تری نسبت سے شاہ عالم میں
تری نگاہ نے ذروں کو آفتاب کیا

بہر حال! برادران ملت! مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح سرور انبیاء محبوب کبریا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے تمام گوشے دوسرے انبیاء و مرسلین کی سیرتوں پر بدرجہا فوقیت و عظمت رکھتے ہیں اسی طرح آپ کی سیرت پاک کا ایک نہایت ہی اہم عنصر یعنی

اخلاق بھی اس قدر انوکھا اور نرالا اور بلند و بالا ہے کہ خداوند قدوس نے اس کو خلق عظیم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔ سبحان اللہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے اس مضمون کو کیا خوب فرمایا ہے ؂

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا ۔۔۔ تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ۔۔۔ ترے خالق حسن و ادا کی قسم

خلق کیا ہے؟:۔ برادرانِ ملت! خلق کیا ہے؟ یہ بھی سن لیجئے! خلق کی جمع اخلاق ہے۔ انسان کی طبعی خصلتوں اور پیدائشی عادتوں کو اخلاق کہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ اخلاق ہی انسانیت کا وہ جوہر بے بہا ہے۔ جو در حقیقت انسان کی پستی و بلندی کا بڑی حد تک معیار ہے حسن سیرت اور بہترین اخلاق ہی سے انسان جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہوتا ہے۔ اور سیرت بد اور برے اخلاق ہی سے بڑے سے بڑا انسان اسفل السافلین اور پستی میں گر پڑتا ہے۔

قرآن حضور کا خلق ہے:۔ برادرانِ اسلام! حضور نبی اکرم ﷺ کے خلق عظیم اور آپ کے اخلاق حسنہ کا کیا کہنا؟ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لوگوں نے سوال کیا کہ اے ام المومنین! آپ حضور اقدس ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایئے! یہ سن کر حضرت ام المومنین نے برجستہ جواب دیا کہ:

کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن

یعنی آپ کا خلق قرآن تھا۔

مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و شمائل اور آپ کے طبعی خصائل بالکل قرآن کریم کے بتائے ہوئے مکارم اخلاق کے مطابق تھے۔ ہر وہ قول و عمل اور ہر وہ سیرت و خصلت جس کو قرآن کریم نے قابل مدح و ثناء اور لائق تحسین بتایا۔ رحمت عالم ﷺ کے اخلاق و عادات اس کا بہترین نمونہ تھے اور ہر وہ بری خصلتیں جن کو کلام مجید نے مذموم ٹھہرایا ان سے رحمتہ للعالمین ﷺ کا دامن عصمت ہر طرح پاک تھا۔ الغرض تمام اخلاق شنیعہ و خصائل رزیلہ سے آپ منزہ اور پاک تھے اور تمام خصائل حمیدہ و فضائل جمیلہ کے آپ جامع

84955

بلکہ ان کو منزل کمال پر پہنچانے والے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف گواہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَ مَحَاسِنَ الْاَفْعَالِ۔

یعنی میں تو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہی گیا ہوں تاکہ اخلاق کی بزرگیوں اور اعمال کی خوبیوں کو مرتبہ کمال پر پہنچا کر انہیں مکمل کر دوں۔

اخلاق نبوت کے چند گواہ:۔ حضرات گرامی! رحمت عالم کے اخلاق کو قرآن مجید نے خلق عظیم بتایا۔ یہ قرآن کا ایک دعویٰ ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ ہر دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل اور شہادت کا ہونا ضروری ہے کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے ہرگز قابل قبول نہیں ہوتا اور دنیا کی کسی عدالت میں کوئی مدعی بغیر شہادت پیش کئے ہوئے اپنے دعویٰ میں ہرگز کبھی ڈگری نہیں حاصل کر سکتا۔ اس لئے میں تمام دنیا کو دعوت اور چیلنج دیتا ہوں کہ آیئے اور قرآن کے اس دعویٰ پر شہادت اور گواہی طلب کیجئے! کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق کو قرآن نے جو "خلق عظیم" کہا تو اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے کتنی شہادتیں اور کون کون سے گواہ موجود ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی انسان کے اچھے یا برے اخلاق کو سب سے زیادہ اس کی بیوی جان پہچان سکتی ہے۔ کیونکہ بیوی خلوت اور جلوت میں انسان کی رفیق زندگی اور ساتھی ہوتی ہے اور ہر انسان عموماً اپنی گھریلو زندگی میں تکلفات سے پاک ہوتا ہے اس لئے ہر انسان کے اخلاق کے صحیح خدوخال مکان کے اندر کی گھریلو زندگی ہی میں دیکھے جا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر انسان کی گھریلو زندگی کو سب سے زیادہ اس کی بیوی ہی جان سکتی ہے۔ انسان بازاروں میں، مجلسوں میں، حلقہ احباب میں تو تکلف کے ساتھ اپنے کو لئے دیئے اور سنبھالے ہوئے رہ سکتا ہے مگر گھر کے اندر تو ضرور ہی تکلفات برطرف ہوں گے اور انسان کے طبعی خصائل اور فطری عادتیں ظاہر ہو کر ہی رہیں گی۔ بڑے بڑے پیر جی، میر جی اور جگادری مولوی صاحبان جو مریدوں اور معتقدوں کے درمیان ایسے بگلا بھگت نظر آتے ہیں کہ گویا ابھی ابھی پہلے آسمان سے ٹپک پڑے ہیں مگر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ قبلہ و کعبہ قسم کے لوگ اپنے گھر چہار دیواری کے اندر بھی ایسے ہی تقدس مآب اور تقویٰ شعار بن کر رہتے ہوں گے۔ حافظ شیرازی صاف صاف کہہ گئے ہیں کہ

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

یعنی یہ واعظ لوگ جو مسجدوں کی محرابوں اور منبروں پر جلوہ گر ہو کر تقویٰ اور تقدس کا وعظ بیان فرمایا کرتے ہیں۔ جب یہی لوگ اپنے مکان کے اندر انتہائی میں ہوتے ہیں تو کچھ دوسرے ہی دھندے کیا کرتے ہیں۔

بہر حال! میرا مدعا یہ ہے کہ انسان کے افعال و اطوار اور اخلاق و عادات کو سب سے زیادہ اس کے گھر کے اندر رہنے والی بیوی ہی جانتی اور پہچانتی ہے اس لئے کسی انسان کے طبعی خصائل اور اس کے اخلاق و شمائل کے بارے میں اگر صحیح صحیح معلومات حاصل کرنی ہو تو اس کی بیوی کی شہادت اس معاملہ میں نہایت ہی اہم اور قابل وقعت ہوا کرتی ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ صاحب خلق عظیم یعنی نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں سب سے پہلے امہات المومنین یعنی آپ کی مقدس بیویوں کی شہادت لینی چاہیئے۔ تاکہ اخلاق نبوت کے صحیح صحیح احوال و کیفیات سے دنیا روشناس ہو جائے لہٰذا آیئے سب سے پہلے حضور اقدس ﷺ کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت سنئے! جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کو بعثت نبوی سے پہلے بھی دیکھا اور نزول قرآن کے بعد بھی برسوں تک آپ کی رفیق زندگی رہیں۔ اور حضور اقدس ﷺ سے پہلے بھی وہ ایک شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کر چکی تھیں اور بیوہ ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی شریف النسب مالدار، تجربہ کار، اور طویل مدت تک صحبت یافتہ بیوی کی گواہی کیسی شاندار اور کس قدر اہم اور کتنی بلند پایہ شہادت ہوگی؟

خدیجۃ الکبریٰ کی گواہی:۔ سنئے! بخاری شریف کی روایت ہے کہ نزول قرآن سے پہلے حضور اکرم ﷺ گھر سے خورد و نوش کا سامان لے کر مکہ سے باہر غار حرا میں تشریف لے جا کر کئی کئی راتیں عالم تنہائی میں خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ غار حرا میں اسی طرح عبادت میں مشغول تھے کہ بالکل ناگہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام غار میں نمودار ہوئے اور تین بار حضور احمد مختار ﷺ کو زور زور سے اپنے سینے سے چمٹا چمٹا کر

نہایت گرمجوشی کے ساتھ معانقہ کیااور "سورۃ اقراء" کی چند ابتدائی آیتیں پڑھا کر تشریف لے گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جناب جبرئیل علیہ السلام کی ملکوتی طاقت کا اثر اور وحی الٰہی کا وہ بار گراں آپ پر پڑا کہ جس کی ہیبت و جلالت سے پہاڑ بھی شق ہو کر چور چور ہو جائیں اس لئے شدت خوف سے آپ پر دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی اور لرزہ براندام ہو کر کاشانہ نبوت کی طرف روانہ ہو گئے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ

یعنی رسول اللہ ﷺ جب ان آیتوں کو لے کر غار حرا سے واپس ہوئے تو آپ کے سینے میں دل لرز رہا تھا۔

جب آپ مکان میں داخل ہوئے تو آپ کو سردی لگنے لگی اور آپ نے کملی اڑھانے کی فرمائش کی۔ چنانچہ ام المومنین حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کملی اڑھادی جب قدرے سکون ہوا تو آپ نے غار حرا میں پیش آنے والا سارا واقعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے بیان فرمایا اور حضرت بی بی خدیجہ انتہائی توجہ اور کمال حیرت کے ساتھ تمام واقعات کو سنتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا کہ:

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ. یعنی اے خدیجہ! اس غار کے واقعہ سے میرے قلب پر ایسی ہیبت و دہشت طاری ہے اور میرے دل و دماغ پر ان کلمات طیبات کی عظمت و جلالت کا ایسا ہوش ربا اثر پڑا ہے کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا ہے۔

حضرات! زبان رسالت سے یہ جملہ سن کر جناب ام المومنین بی بی خدیجہ تڑپ گئیں اور فوراً انتہائی والہانہ جوش محبت میں یہ کہا کہ:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا۔

یعنی اے میرے پیارے! ہرگز نہیں! میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پریشان کرے۔

بھلا اللہ تعالیٰ آپ کو کیوں اور کس طرح پریشان فرمائے گا؟ جب کہ آج تک آپ کے اخلاق حسنہ اور عادات کریمہ کا یہ شاندار ریکارڈ رہا ہے کہ:

اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی

الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ (بخاری ج1 ص3)

یعنی آپ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ انتہائی بہترین سلوک فرماتے ہیں

اور تمام کمزوروں اور ضعیفوں کا بار گراں اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہیں۔

اور کما کما کر غریبوں اور مفلسوں کی مالی امداد فرماتے رہتے ہیں۔ حرم الٰہی کے مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا آپ کا شیوہ اور خدا کی رضا مندی کے کاموں میں اعانت کے لئے کمر بستہ رہنا آپ کی زندگی کا نصب العین ہے۔ پھر بھلا آپ جیسے انسان کامل بلکہ بنی نوع انسان کے نجات دہندہ ملکوتی صفات والے، خلق عظیم کے مالک اور صراط مستقیم کے سالک کو رب العزت کب؟ اور کس طرح؟ اور کیوں؟ ذلیل ورسواء فرمائے گا۔

برادران ملت! سن لیا آپ نے؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے اخلاق و فضائل کے بارے میں کیا شہادت دے رہی ہیں اور آپ کے ان اخلاق حسنہ و اعمال صالحہ پر انہیں کتنا یقین کامل ہے کہ قسم کھا کر کہہ رہی ہیں کہ خداوند قدوس کہیں بھی اور کبھی بھی حضور سرور عالم ﷺ کو ذلیل و خوار نہیں فرمائے گا۔

عزیزان گرامی! غور کیجئے! کہ یہ ایک بیوی کی اپنے شوہر کے روبرو مکان کے اندر کی گفتگو ہے جو ہر قسم کے تصنع اور تکلف سے پاک ہے اب آپ ہی فیصلہ کیجئے اور بتایئے! کہ اس سے بڑھ کر اخلاق محمدی کی عظمت پر بھلا اور کون سی شہادت اور دلیل کی ضرورت ہے۔

حضرت صدیقہ کی شہادت:۔ حضرات گرامی! اخلاق نبوت کے بارے میں صرف حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالٰی عنہا ہی کی ایک شہادت نہیں۔ دوسری ازواج مطہرات بھی اسی طرح عمر بھر آپ کے محاسن اخلاق کی گردیدہ رہیں اور آپ کے نیک خصائل و شمائل کے گن گاتی رہیں اور ہر دم اور ہر قدم پر اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا ورد فرماتی رہیں۔

حضرات! دوسری ازواج مطہرات کا تذکرہ آ گیا ہے تو آیئے! حرم نبوت کی سب سے محبوب ترین خاتون حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی بھی ایک نہایت ہی اہم گواہی سن لیجئے! اس سے پہلے آپ سن چکے کہ جب صحابہ کرام نے ام المومنین سے اخلاق نبوت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن ہ

یعنی آپ کے اخلاق کریمانہ کا کیا کہنا؟

آپ کے اخلاق تو قرآنی اخلاق کا بالکل ہی نمونہ تھے اسی طرح ایک دوسرے موقع پر وہ اخلاق نبوت کا والہانہ انداز میں تذکرہ کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ:

لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشاً وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّلَا سَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةِ وَلٰکِنْ یَّعْفُوْ وَیَصْفَحُ (مشکوٰۃ 519)

یعنی رسول اللہ ﷺ نہ بیہودہ گو تھے نہ فحش کلام نہ کبھی آپ بازاروں میں چلا کر بولے اور آپ کی بلندی اخلاق کا تو یہ عالم تھا کہ آپ کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ برائی کرنے والوں کو معاف فرمادیتے اوران کی برائیوں سے درگزر فرماتے تھے۔

اور برا سے برا سلوک کرنے والوں کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک فرمایا کرتے تھے مسلمانوں! یہی وہ اخلاق نبوت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَا

یعنی برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دینا یہ تو بہت ہی آسان ہے لیکن اگر تم اخلاق نبوت کے پیرو اور متبع ہو تو تمہارے اخلاق حسنہ کی یہ شان ہونی چاہیے کہ جو تمہارے ساتھ برا برتاؤ کرے اس کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرو، اسی طرح ایک دوسرے موقع پر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اخلاق نبوت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ فرمایا:

مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَطُّ بِیَدِهٖ وَلَا اِمْرَاَةً وَّلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ یُّجَاهِدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا نِیْلَ مِنْهُ شَیْءٌ فَیَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ یُّنْتَهَكَ شَیْءٌ مِّنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ فَیَنْتَقِمُ لِلّٰهِ. (مشکوٰۃ ص519)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے سوا اپنے دست مبارک سے کبھی کسی

کو نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو اور کسی کو تکلیف پہنچانے والے سے بھی کبھی کوئی انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے ہاں البتہ اگر کوئی شخص خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کا مرتکب ہوتا تو آپ اس سے ضرور انتقام لیتے تھے، مگر آپ نفس کے لئے نہیں بلکہ خدا کی رضامندی کے لئے ایسا کرتے تھے۔

برادران ملت! غور کیجئے کہ ام المومنین کس درجہ اخلاق نبوت سے متاثر ہیں اور کتنے والہانہ انداز محبت و جوش عقیدت کے ساتھ سرکار دوجہاں کے خلق عظیم کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں۔

برادران ملت! حضرت ام المومنین کا بیان آپ نے سن لیا کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے کبھی کسی عورت یا غلام کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ حالانکہ عرب کا یہ ماحول تھا کہ عورتوں کا انسانی سماج میں کوئی مقام ہی نہیں تھا۔ عرب کے لوگ اپنی جہالت سے عورتوں کو جانوروں سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل سمجھتے تھے اور اپنی عورتوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ زدوکوب کیا کرتے تھے۔ مگر اخلاق نبوت نے عرب کے مردوں کا مزاج بدل دیا اور وہی مرد جو عورتوں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر مارا پیٹا کرتے تھے عورتوں کی عزت افزائی ان کی قدردانی اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کو انسانی اخلاق کی بلندی کا معیار سمجھنے لگے کاش! ہم مسلمان بھی اخلاق نبوت کی اس شمع سے روشنی حاصل کرتے اور اپنی عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور بہترین سلوک کا نمونہ پیش کرتے۔

مگر افسوس کہ آج کل مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرد سے مقابلہ ہو تو مارے ڈر کے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن جب مکان میں داخل ہوتے ہیں تو غریب عورتوں کے ساتھ ایسی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رستم اور سہراب کے اکھاڑے کے سب سے سینئر پہلوان یہی ہیں۔ بے زبان عورتوں کو بات بات پر مارنا پیٹنا۔ گالیاں بکنا ہر گھر کا روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ کچھ لوگ تو موقع پا کر عورتوں کو مارا کرتے ہیں اور کچھ تو ایسے بدنصیب ہیں کہ عورتوں کو مارنے کے لئے باقاعدہ پروگرام بنایا کرتے ہیں۔

لطیفہ:۔ حضرات! مجھے اس وقت ایک بیوی مار قسم کے بہادر کا واقعہ یاد آ گیا یہ صاحب پچھلی

کے شکار کے بہت شوقین تھے۔ ایک دن مچھلی کا شکار کر کے لوٹے تو بیوی کو مارنے کا اس طرح پروگرام بنایا کہ میں مچھلی گھر میں رکھ کر باہر چلا جاؤں گا اگر بیوی نے تمام مچھلی پکا ڈالی تو یہ کہہ کر ماروں گا کہ سب کیوں پکا ڈالی؟ کچھ تل کر کل کے لئے رکھنا تھا اور اگر کچھ مچھلی پکائی اور کچھ تل کر رکھا ہوگا تو یہ کہہ کر ماروں گا کہ کچھ کچی کیوں نہیں رکھی کل میں اس سے شکار کرتا۔ بہر حال آج بیوی کو ماروں گا ضرور! اتفاق سے بیوی بڑی ہوشیار تھی اس نے کچھ مچھلی پکائی اور کچھ تل کر رکھ دی اور کچھ کچی چھوڑ دی۔ اب صاحب بہادر گھر میں داخل ہوئے اور تڑپ کر پوچھا کہ سب مچھلی پک گئی یا کچھ تل کر کل کے لئے بھی رکھی ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ کچھ پکالی ہے اور کچھ تل کر رکھ دی ہے۔ صاحب بہادر نے پروگرام کے مطابق ڈنڈا اٹھایا کہ کم بخت کچھ کچی بھی تو رکھ دینا تھی! بیوی نے کہا جناب! کچھ کچی بھی رکھ دی ہے۔ اب صاحب بہادر کیا کرتے؟ مارنے کا سارا پروگرام ہی تہس نہس ہو چکا تھا۔ مگر ہاتھ میں خارش ہو رہی تھی۔ لگے مارنے کا بہانہ ڈھونڈنے گرمیوں کا زمانہ تھا بیوی نے صحن میں پلنگ بچھا دیا تھا۔ صاحب بہادر نے پلنگ پر بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھا تو کہکشاں کی لائن نظر آئی۔ صاحب بہادر نے پوچھا کہ بیوی! یہ آسمان پر سفید لائن کیسی نظر آرہی ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ یہ آسمان کی سڑک ہے۔ بس پھر کیا تھا صاحب بہادر ڈنڈا لے کر بیوی پر پل پڑے کہ ارے نامراد خبیث! تو نے سڑک کے نیچے میری چارپائی بچھا دی اگر فرشتوں کا ہاتھی گھوڑا سڑک سے پھسلا تو میری جان ہی چلی جائے گی۔ کم بخت تو نے میری جان ہی مارنے کا ارادہ کیا تھا یہ کہا اور خوب خوب بیوی کو پیٹا توبہ نعوذ باللہ! ایسے شوہروں سے خدا کی پناہ!

خیر! تو برادران ملت!

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ و بی بی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساری عمر اخلاق نبوت کی عظمت و بلندی کی شہادت دیتی رہیں اور مدح و ثناء کرتی رہیں۔ حضرات! اخلاق نبوت کے بارے میں ان دو ہی ازواج مطہرات کی گواہیاں نہیں ہیں بلکہ ہر وہ شخص جو سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کر چکا ہے وہ اس بات کی شہادت دے گا کہ حضور اقدس ﷺ کی تمام مقدس بیویاں اخلاق نبوت اور سیرت مقدسہ کی اس قدر گرویدہ نظر آتی ہیں کہ دنیا میں شاید ہی کسی بڑے سے بڑے انسان کی بیویاں اس طرح اپنے شوہر کے اخلاق و عادات

کی مداح ہوں گی۔ حالانکہ کاشانہ نبوت میں بیک وقت نو نو بیویاں تھیں اور چند بیویوں والے شوہر بڑا ہی مشکل ہے کہ وہ سب بیویوں کی نگاہوں میں یکساں محبوب ہوں۔ کیونکہ چند سوکنیں آپس کے تحاسد و تباغض کی وجہ سے اپنے شوہروں پر بھی نکتہ چینیاں کرتی رہتی ہیں۔ مگر خدا کی قسم یہ اخلاق نبوت کا بہت ہی عظیم معجزہ ہے کہ باوجود یہ کہ نو نو بیویاں بیک وقت حرم نبوت میں تھیں۔ اور کاشانہ نبوی کا ترک دُنیا کے معاملہ میں یہ عالم تھا کہ دو دو ماہ تک مکان میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ صرف کھجور اور پانی پر ازواج مطہرات کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ کچے جھونپڑوں کے حجرے تھے جن میں دروازوں کے بجائے پردے کے لئے کمبلوں کے ٹکڑے لٹکے ہوئے تھے۔ سونے کے لئے چمڑے کے گدے تھے جن میں کھجور کی چھالیں بھری ہوئیں تھیں یا موٹے موٹے ٹاٹ کے بستر تھے نہ قیمتی لباس تھا نہ عیش و آرام کا دوسرا کوئی سامان تھا۔ مگر اس کے باوجود یہ نو نوامت کی مقدس مائیں ازواج مطہرات اس قدر حضور رحمت عالم ﷺ سے والہانہ عشق و محبت رکھتی تھیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی جمال نبوت کی جدائی انہیں گوارا نہ تھی۔ اور ہر دم حضور اقدس ﷺ کی خدمت گزاری ورضاجوئی میں یہ امہات المومنین اپنا تن من دھن قربان و نثار کرنے کے لئے بے قرار رہتی تھیں۔

آیت تخییر :۔ خدہو گئی کہ آیت تخییر نازل ہوئی اور خداوند عالم جل جلالہٗ کا یہ ارشاد ہوا کہ:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۔ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۔ (احزاب : 29-28)

یعنی اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیجئے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال اور سامان دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

حضرات! جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے سب سے پہلے ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا کہ اے عائشہ! میں تمہارے سا

ایک بہت ہی اہم تجویز رکھتا ہوں مگر تم جواب دینے میں جلدی مت کرنا۔ بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے جواب دینا۔ پھر سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت بی بی عائشہ کو یہ آیت سنائی تو ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت کو سن کر تڑپ گئیں اور برجستہ عرض کیا کہ:

اَفِیْكَ اَسْتَشِیْرُ اَبَوَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

یعنی کیا آپ کے بارے میں یارسول اللہ (ﷺ) میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی؟

ہرگز نہیں! بلکہ میرا تو یہی قطعی فیصلہ ہے کہ:

بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یعنی میں حیات دنیا اور اس کی لذت پر لات مارتی ہوں اور میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں۔

پھر اسی طرح حضور رحمت عالم ﷺ نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو الگ الگ بلا کر یہ آیت سنائی اور سب کو یہ اختیار دیا کہ تم چاہو تو طلاق لے لو اور چاہو تو میری زوجیت میں برقرار رہو۔ مگر خدا کی قسم! کسی ایک بیوی نے بھی رحمت عالم ﷺ کی چوکھٹ کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا اور سب نے یہی جواب دیا کہ:

بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یعنی میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔

برادران اسلام! یہ آفتاب عالم تاب سے زیادہ روشن اور تابناک ثبوت ہے کہ ازواج مطہرات باوجود یہ کہ تنگدستی اور مفلسی کی زندگی کے حضور سرور عالم ﷺ کے اخلاق و شمائل اور عادات و خصائل کی خوبیوں پر اس قدر فریفتہ تھیں کہ اپنے عیش و آرام بلکہ اپنی جان کو حضور اکرم ﷺ کی نعلین پر قربان کرنے کو اپنا ایمان سمجھتی تھیں۔ اس سے بڑھ کر اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔ کے دعویٰ کے ثبوت کے لئے بھلا اور کون سی شہادت کی ضرورت ہوگی؟ کیونکہ میں عرض کر چکا کہ کسی انسان کے عادات و خصائل اور اخلاق و شمائل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ اس کی بیویوں کا بیان اور ان کی شہادت ہے

اور یہاں ایک بیوی نہیں بلکہ نو نو بیویاں ہر ایک رحمت عالم ﷺ کے اخلاق حسنہ کی انتہائی گرویدہ اور فریفتہ ہو کر اخلاق نبوت کی مداح ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اخلاق نبوت کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے ان امہات المومنین کی شہادت سے بڑھ کر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

حضرات! حقیقت تو یہی ہے کہ امہات المومنین کی شہادت و بیان کے بعد کسی دوسری گواہی کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اخلاق نبوت کی عظمت کے بارے میں مزید چند گواہیاں بھی آپ کو سنادوں۔

خدام کی گواہیاں:۔ حضرات یاد رکھئے! کہ بیویوں کے بعد کسی انسان کے اخلاق و عادات کے بارے میں اس کے نوکروں اور خادموں کی شہادت بھی بہت زیادہ قابل وقعت سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ خادم ہر وقت خلوت و جلوت میں انسان کے ساتھ رہتا ہے اور وہ اپنے آقا کے محاسن اخلاق یا اخلاقی کمزوریوں سے بہت زیادہ واقف ہوتا ہے۔ لہٰذا آئیے! اب میں آپ کو سرکار دو جہاں ﷺ کے چند خادموں اور غلاموں کی رائے بھی سنادوں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق عظیم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حضرت انس کا بیان:۔ حضرات گرامی! حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی تو آپ نے سنا ہی ہوگا۔ یہ دربار نبوی کے بہت ہی محبوب اور مقرب اور خاص الخاص خادموں میں سے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے مسلسل دس برس تک سفر و حضر اور گھر کے باہر اور اندر حضور انور ﷺ کی خدمت کی۔ مگر:

فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ قَطُّ وَ مَا قَالَ لِشَیْءٍ صَنَعْتُهٗ لِمَ صَنَعْتَهٗ وَلَا لِشَیْءٍ تَرَكْتُهٗ لِمَ تَرَكْتَهٗ وَكَانَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا.

(ترمذی ج2 ص22)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ کو کبھی اف بھی نہیں کہا اور اگر میں نے کوئی کام مزاج مبارک کے خلاف کر دیا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اور اگر میں نے کبھی کام چھوڑ دیا تو اس پر مجھے کبھی نہیں ڈانٹا کہ تو نے یہ کام نہیں کیا؟ اور آپ کا اخلاق تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ اچھا اور بہترین تھا۔

حضرات! اسی طرح ایک مرتبہ یہی جناب انس بن مالک اخلاق نبوت کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمانے لگے کہ:

كَانَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَتَّبِعُ الْجَنَازَةَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ

(مشکوٰۃ ص519)

یعنی رحمت عالم ﷺ سلطان کونین ہوتے ہوئے اس قدر صاحب تواضع اور پیکر اخلاق تھے کہ ہر چھوٹے بڑے کی بیمار پرسی فرماتے اور ہر مومن میت کے جنازے کے پیچھے چلتے اور کمال تواضع سے غلاموں کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت انس اخلاق نبوت کے بارے میں کبھی یوں بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تھے تو جب تک وہ شخص خود اپنا ہاتھ الگ نہ کر دے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا دست مبارک اس کے ہاتھ سے جدا نہیں فرماتے تھے اور نہ اپنا چہرہ اس کے چہرے سے پھیرتے تھے اور کسی مجلس میں بھی اپنے ہم نشینوں کے سامنے کبھی اپنا پاؤں دراز نہیں فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص520)

یہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلق نبوی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ "نماز فجر کے بعد اہل مدینہ منورہ کے خدام برتنوں میں پانی لاتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کرتے تھے کہ برکت کے لئے ان کے پانی میں اپنا دست مبارک ڈبو دیں تو اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شدید جاڑوں کی صبح کو بھی جب لوگ اپنا برتن لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کی دل شکنی نہیں فرماتے تھے اور سردی کی تکلیف کے باوجود سب کے برتنوں میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص519)

حضرت انس یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور دوش نبوت پر ایک موٹے کنارے کی چادر تھی۔ اچانک ایک اعرابی آیا اور اس زور سے چادر مبارک کو کھینچا کہ آپ اس کے جھٹکے سے اعرابی کے سینے کے پاس آ گئے اور آپ کی گردن مبارک پر کھردری چادر کی خراش کا نشان پڑ گیا۔ پھر اعرابی کہنے لگا کہ آپ مجھے اللہ کے مال میں سے کچھ عطا فرمانے کا حکم دیجئے اعرابی کی اس حرکت پر رحمت عالم کو نہ غصہ آیا

نہ آپ نے اس سے اعراض فرمایا بلکہ ہنس کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کو عطیہ مرحمت فرمانے کا حکم دیا۔ (مشکوٰۃ ص518)

حضرت ابوالطفیل نے کیا دیکھا؟:۔ حضرات! اب دربار نبوت کے ایک دوسرے خادم کی گواہی بھی سن لیجئے:

حضرت ابوالطفیل صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مقام جعرانہ میں اس موقع پر جب کہ حضور اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان گوشت تقسیم فرما رہے تھے میں خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ تو میں نے یہ دیکھا کہ ناگہاں ایک عورت آئی اور حضور اقدس ﷺ کے بالکل قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ تو سرکار دو جہاں ﷺ نے اس وقت اس طرح اپنے خلق عظیم کا مظاہرہ فرمایا کہ آپ نے اپنی چادر مبارک اس عورت کے لئے بچھا دی اور وہ عورت اس چادر پر بیٹھ گئی میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کون عورت ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضائی ماں حلیمہ سعدیہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ (مشکوٰۃ ص430)

حضرت زید بن حارثہ نے کیا کہا؟:۔ حضرات گرامی! اخلاق نبوت پر آپ بیویوں اور خادموں کی گواہی تو سن چکے۔ اچھا آیئے! اب ذرا حضور نبی رحمت ﷺ کے غلام جناب زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی دیکھ لیجئے۔ اور ان کا بھی بیان سن لیجئے کہ وہ آپ کے خلق عظیم سے کس قدر متاثر ہیں؟ اور اخلاق و شمائل نبوی پر کس طرح دل جان سے قربان ہیں۔

حضرات!

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آٹھ برس کی عمر میں ڈاکوؤں نے گرفتار کر کے مکہ مکرمہ میں لا کر بیچ ڈالا تھا۔ اور ایک رئیس حضرت حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں انہیں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا تھا۔ پھر جب حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سرکار دو عالم ﷺ کے نکاح میں آئیں تو انہوں نے زید بن حارثہ کو دربار نبوت کی خدمت میں بطور رہبہ نذر کر دیا اور زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام بن کر خدمت کرنے لگے۔ زید کا باپ حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے کی جدائی پر دن رات تڑپتا رہتا تھا اور رقت آمیز اشعار پڑھ پڑھ کر بیٹے کی تلاش میں برسوں تک ہر طرف سرگرداں رہا ناگہاں حاجیوں کے ایک قافلہ والوں نے حارثہ کو بتایا کہ

تیرا نور نظر زید مکہ میں حضرت محمد عربی ﷺ کا غلام ہے۔ یہ سنتے ہی حارثہ اپنے بھائی کعب کو ساتھ لے کر مکہ آیا اور رحمتہ للعالمین کے دربار میں اپنے لخت جگر کو دیکھ کر تڑپ گیا۔ پہلے تو ایک مدت کے بچھڑے ہوئے باپ بیٹے ایک دوسرے سے لپٹ کر خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ پھر حارثہ کہنے لگا اے رحمت عالم! زید میرا بچہ ہے جو مجھ سے بچھڑ گیا ہے اور میں اس کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتا اس لئے جس قدر قیمت آپ طلب فرمائیں میں دینے کو تیار ہوں۔ مگر للہ! آپ میرے نور نظر کو میرے حوالہ کر دیں۔ حارثہ کی درد بھری داستان سن کر رحمت عالم ﷺ کا دل جو رحم و کرم کا سمندر تھا ایک دم جوش میں آ گیا اور آپ نے فرمایا کہ اے حارثہ! مجھے قیمت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ اگر زید تمہارے ساتھ جانے پر رضامند ہو تو تم اس کو ضرور اپنے ساتھ لے جاؤ۔ پھر آپ نے زید کو بلا کر فرمایا کہ زید! دیکھ لو! یہ حارثہ تمہارے باپ ہیں اور یہ کعب تمہارے چچا ہیں یہ دونوں تمہیں لینے آئے ہیں اور میں خوشی خوشی تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم ان کے ساتھ اپنے گھر چلے جاؤ اور آزاد ہو کر زندگی بسر کرو۔ پھر حارثہ اور کعب نے بھی انتہائی گرمجوشی کے ساتھ کہا کہ بیٹا! ہم تمہاری جدائی میں انتہائی بے چین اور بے قرار ہیں اور تمہاری ماں اور تمہارے بھائی بہن اور عزیز و اقارب سب تمہارے فراق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ جناب زید۔ حضور رحمت عالم ﷺ کا فرمان اور باپ اور چچا کا رقت انگیز بیان سن کر آبدیدہ ہو گئے اور ایک مرتبہ باپ اور چچا کے چہرہ کو دیکھا۔ پھر ایک نظر بھر کر رحمتہ للعالمین کے جمال نبوت کو دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں اپنے رحمت والے آقا کو مخاطب کر کے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) میرے دل کی آواز تو یہ ہے کہ۔

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے ٹکڑا تیرا
تیرے قدموں میں رہے، غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

زید بن حارثہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اے رحمت عالم! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حارثہ میرے باپ اور کعب میرے چچا ہیں۔ مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر میں ان کے ساتھ چلا جاتا

ہوں تو پھر مجھے آپ کے دربار رحمت کی خدمت و غلامی کا شرف کس طرح حاصل رہے گا؟ یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ کے جمال رخ کا نظارہ ہی تو میرے لئے زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں آپ کے جمال نبوت کے دیدار سے محروم ہو گیا تو ہرگز ہرگز میرا قلب نازک اس صدمہ جانکاہ کو برداشت نہ کر سکے گا اس لئے میرا یہ قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ میں اپنے چچا اور باپ کا فرماں بردار اور خدمت گزار رہنے کے لئے تو بہر حال تیار ہوں مگر اے رحمت عالم ﷺ! میں آپ کی مقدس چوکھٹ چھوڑنے کے لئے ہرگز ہرگز کسی حال میں بھی تیار نہیں ہو سکتا۔ زید کا چچا کعب حیرت سے ڈانٹ کر بولا کہ بیٹا زید! ارے تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ تم آزادی کی زندگی چھوڑ کر غلامی کی زندگی پسند کرتے ہو؟ یہ سن کر جناب زید نے جواب دیا کہ چچا جان! میری اس غلامی کی زندگی پر ہزاروں آزادیاں قربان! اس در کی غلامی تو میرے لئے وہ نعمت عظمیٰ ہے کہ اس کے بدلے ہفت کشور کی بادشاہی و شہنشاہی بھی میرے لئے ایک مچھر کے پر سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہے۔ چچا جان! آپ کو کیا خبر؟ کہ محمد ﷺ عربی فداہ امی وابی کا دربار کیسا شاندار دربار ہے؟ ارے یہ وہ دربار ہے کہ سینکڑوں سلاطین عالم اس چوکھٹ کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے قیامت تک یہ صدا لگاتے رہیں گے کہ:

ہے شاہوں کو بھی وجہ نیک نامی
شہ خوباں! ترے در کی غلامی
ہر اک شیدا ہے سلطان عرب کا
عراقی ہو کہ رومی ہو کہ شامی

زید کی یہ والہانہ تقریر سن کر جناب زید کا باپ خاموش ہو گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا کہ پیارے بیٹے! اگر تو بارگاہ رسالت کی غلامی پر خوش ہے تو تیری خوشی میں میری بھی خوشی ہے یہ کہتے ہوئے اور روتے ہوئے حارثہ اور کعب اپنے وطن کو روانہ ہو گئے۔ مگر رحمت عالم کے قلب مقدس پر جناب زید بن حارثہ کی اس والہانہ محبت کا ایسا گہرا اثر پڑا کہ فوراً ہی آپ زید بن حارثہ کا ہاتھ اپنے دست رحمت میں تھامے ہوئے حرم کعبہ میں حطیم کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں بھرے مجمع میں یہ اعلان فرما دیا کہ:

يَامَنْ حَضَرَ اِشْهَدُوْا اَنَّ زَيْدًا اِبْنِىْ. (اکمال)

یعنی اے حاضرین حرم! تم لوگ گواہ ہو جاؤ! کہ آج کی تاریخ سے زید
میرا غلام نہیں رہا بلکہ میں نے اس کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنالیا ہے۔
چنانچہ برسوں تک یہ زید بن محمد کہلاتے رہے اور جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

یعنی لے پالک بچوں کو ان کے اصلی باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو۔

اس کے بعد لوگوں نے ان کو زید بن حارثہ کہنا شروع کیا۔ اسی پر بس نہیں کہ زید کو آپ نے اپنا بیٹا بنالیا۔ بلکہ اتنا نوازا کہ اپنی مملوکہ باندی "ام ایمن" سے ان کا نکاح فرمادیا اور جب ان کے فرزند "اسامہ" پیدا ہوئے تو ان سے اتنی محبت فرماتے رہے کہ انہیں اپنے دوش نبوت پر سوار کر کے مجمع عام میں تشریف لاتے تھے۔ حضرات! یہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ حضور رحمت عالم اپنے پیارے نواسوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو بھی اپنے مقدس دوش نبوت پر بٹھا کر پیار کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح آپ نے اپنے قول و عمل سے اس حقیقت کا اعلان فرمادیا کہ دنیا والو! دیکھ لو! خلق محمدی کی یہ شان ہے کہ بیٹی کا بیٹا اور غلام کا بیٹا دونوں نگاہ نبوت میں برابر ہیں۔ سبحان اللہ کیا خوب فرمایا شفیق جونپوری مرحوم نے ۔

جس جگہ تذکرۂ فخر امام آتا ہے — جلی حرفوں میں اسامہ کا بھی نام آتا ہے
ایک کاندھے پہ ہے لخت جگر شیر خدا — دوسرے کاندھے پہ فرزند غلام آتا ہے

برادران ملت!

حضرت زید بن حارثہ کا رحمت عالم کی محبت میں اپنے ماں باپ اور عزیز و اقارب کو چھوڑ دینا اور آزادی کی زندگی کو غلامی رسول پر قربان کر دینا۔ کیا یہ اس بات کی ایک عظیم شہادت نہیں ہے؟ کہ حضرت زید بن حارثہ نبی کریم ﷺ کے "خلق عظیم" پر کس قدر فریفتہ اور گرویدہ تھے۔

شاگردوں کی گواہیاں:۔ محترم حاضرین! آپ جناب رسالت مآب ﷺ کے "خلق عظیم" پر ازواج مطہرات، خدام اور غلام زید بن حارثہ کی شہادتیں تو سن چکے۔ آیئے! اب ذرا معلم حکمت و اخلاق کے چند شاگردوں کی بھی گواہیاں سن لیجئے۔ کیونکہ استاد کے اخلاق و عادات کے بارے میں شاگردوں کی شہادت بھی بہت زیادہ اہم اور قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! یوں تو میرے پیارے رسول اللہ ﷺ کی درسگاہ ایمان و عمل کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے مگر میں ان میں سے اس وقت صرف دو شاگردوں کی شہادت آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ سنئے اور سر دھنئے۔

معاویہ بن الحکم کا قول:۔ حضرات! جناب معاویہ بن الحکم صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدار میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ جماعت کی صفوں میں کسی شخص کو چھینک آگئی چونکہ میں ابھی بالکل ہی نو مسلم تھا اور نماز کے مسائل سے بہت ہی کم واقف تھا اس لئے میں نے اس کی چھینک کا نماز ہی میں بلند آواز سے جواب دیا اور زور سے یرحمك الله کہہ دیا۔ حاضرین جماعت میری طرف تعجب سے گھور گھور کر دیکھنے لگے تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے نماز ہی میں چلا کر یہ کہہ دیا کہ:

وَاثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَا شَانُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ

یعنی تمہاری موت پر تمہاری ماں روئے کیا بات ہے کہ تم لوگ میری طرف دیکھ رہے ہو؟

پھر کچھ لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مار مار کر مجھے چپ کرانے لگے تو مجھے اور بھی زیادہ غصہ آیا۔ مگر میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہو چکے تو باوجودیکہ مجھ سے نماز میں اتنی بڑی بڑی غلطیاں ہو چکی تھیں لیکن۔

فَبِاَبِيْ هُوَ وَاُمِّيْ مَا رَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِّنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَا شَتَمَنِيْ

یعنی میرے ماں باپ حضور پر قربان ہو جائیں کہ میں نے آپ سے زیادہ اچھا معلم نہ کسی کو آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔ خدا کی قسم! نہ حضور نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا۔

بلکہ انتہائی کریمانہ انداز اور مشفقانہ لہجے میں فرمایا کہ:

اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ (مشکوٰۃ ص 90)

یعنی اس نماز میں کسی قسم کی انسانی بات چیت جائز نہیں ہے۔ نماز

میں تو صرف تسبیح و تکبیر اور قرآن مجید کی قرأت ہی ہونی چاہئے!

برادران ملت!

غور فرمایئے کہ درسگاہ نبوت کے یہ شاگرد خلق نبوی سے کس قدر متاثر ہیں کہ زندگی بھر قسم قسم کھا کر رحمت عالم کے خلق عظیم کا گن گاتے رہے اور یہ فرماتے رہے کہ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہو جائیں کہ میں نے آپ سے زیادہ اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ سے پہلے کسی کو دیکھا نہ آپ کے بعد!

ذوالخویصرہ کی تعلیم:۔ حضرات گرامی! اچھا آیئے! اب میں آپ کو حضور انور ﷺ کے ایک اور شاگرد کا واقعہ سنا دوں! جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ نبی رحمت ﷺ کے حسن اخلاق کا کیا عالم تھا؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور رحمتہ للعالمین ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ناگہاں ایک اعرابی وصحابی مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ محدث دار قطنی نے ان کا نام ذوالخویصرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتایا ہے۔ یہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو بلند آواز سے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّدًا وَّلَا تَرْحَمْ مَّعَنَا اَحَدًا

یعنی اے اللہ! مجھ پر اور محمد پر رحمت نازل فرما اور ہم دونوں کے ساتھ کسی دوسرے پر مت رحمت فرما۔

ان کی یہ بے تکی اور بے ڈھنگی دعا سن کر حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ "لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا" تم نے تو ایک چوڑی چیز کو بالکل ہی تنگ کر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ رحمت خداوندی جو تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے تو اس وسیع رحمت کو صرف اپنے اور میرے لئے مخصوص و محدود کر رہا ہے۔ ایسا مت کر بلکہ ساری مخلوقات کے لئے دعاء رحمت کر۔ پھر اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ بزرگ اٹھے اور ایک دم ناگہاں مسجد میں ہی پیشاب کرنے لگے۔ صحابی کرام جوش غضب میں ہش ہش کرتے ہوئے ان پر جھپٹے۔ مگر سرکار رحمت مدار کار حم و کرم اور "خلق عظیم" دیکھو کہ آپ نے سب کو روک دیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ اس کا پیشاب مت کاٹو۔ چنانچہ سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور جب انہوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ

پیشاب کر لیا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے ان کو قریب بلا کر انتہائی مشفقانہ کریمانہ اخلاق کے ساتھ ان کو یہ تعلیم دی کہ دیکھو! ان مساجد میں پیشاب یا کسی قسم کی گالی گندگی کرنا جائز نہیں ہے۔

اِنَّمَا هِیَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَ ةِ الْقُرْاٰنِ

یعنی یہ مسجدیں تو صرف ذکر الٰہی اور نماز اور تلاوت قرآن کے لئے بنائی گئی ہیں۔

اس کے بعد ایک دوسرے صحابی کو آپ نے حکم فرمایا کہ ایک بڑے ڈول میں پانی لا کر اس کے پیشاب پر بہا کر مسجد کو دھو ڈالو۔ (ترمذی ج1 ص21 و مشکوٰۃ ص52)

حضرات! غور فرمایئے کہ بڑے بڑے باوقار صاحب اخلاق معلمین اس دنیا میں ہوئے اور ہیں۔ مگر مسجد تو بڑی چیز ہے اگر ان کی درس گاہ میں کوئی شاگرد پیشاب کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔ اگر تھوک بھی دے تو ہر معلم جوش غضب میں آپے سے باہر ہو جائے گا۔ مگر حضور رحمت عالم ﷺ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ یہ بلند اور کریمانہ اخلاق تھا کہ بڑے بڑے جاہل قسم کے اعرابی بارگاہ نبوت میں تعلیم کے لئے حاضر ہوتے تھے اور لاعلمی میں ان سے بہت سی ایسی حرکتیں صادر ہو جاتی تھیں جو ہرگز قابل معافی نہیں ہوتی تھیں مگر قربان جایئے رحمت عالم کے اخلاق حسنہ پر کہ ان کا یہ "خلق عظیم" ان لوگوں کی تمام غلطیوں کو اپنے دامن عفو و کرم میں چھپا کر انہیں اپنے مقدس تعلیم سے ایسا سنوارنا تھا کہ وہ ساری دنیا کے معلم اخلاق بن جاتے تھے اور وہ اخلاق نبوت کی کریمانہ شان سے اس قدر متاثر ہوئے ہوتے تھے کہ تمام عمر وہ یہ کہتے پھرتے تھے کہ حضور پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں کہ میں نے ان سے زیادہ اچھا معلم نہ ان سے قبل کسی کو دیکھا۔ نہ ان کے بعد۔ برادران ملت! دیکھئے یہ ہے میرے آقا حضور رحمت عالم ﷺ کے خلق عظیم کا جلوہ۔ جس کو قرآن کریم نے فرمایا کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ پڑھئے درود شریف :۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

دشمنوں کی گواہیاں :۔ برادران اسلام! رحمت عالم کے خلق عظیم پر ازواج مطہرات خدام، غلام، اور تلامذہ سب کی گواہیاں سن چکے۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں محبوب خدا ﷺ کے چند دشمنوں کی گواہیاں بھی آپ کو سنا دوں کیونکہ عربی کی ایک مشہور مثل ہے کہ :

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ.

یعنی سب سے بڑی فضیلت تو جب ہے کہ دشمن بھی فضیلت کی گواہی دینے لگے۔

ابوسفیان دربار ہرقل میں:۔ حضرات گرامی! جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے نام نامی سے کون ناواقف ہوگا۔ یہ اسلام لانے سے قبل اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے انتہائی خطرناک دشمن تھے یہ وہی ابوسفیان ہیں جو جنگ احد اور جنگ خندق میں لشکر کفار کے سپہ سالار تھے۔ جس وقت حضور نبی رحمت ﷺ نے ہرقل بادشاہ روم کے نام دعوت اسلام کا فرمان بھیجا۔ تو ہرقل نے ابوسفیان اور قریش کے دوسرے تاجروں کو دربار طلب کر کے حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے بارے میں بہت سے سوالات کیئے اور ابوسفیان نے ان کے سب سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب بھی دیا۔ آخر میں جب بادشاہ روم ہرقل نے تعلیم نبوت کے بارے میں سوال کیا تو ابوسفیان کو صداقت نبوت کی ہیبت سے مجبور ہو کر یہ شہادت دینا پڑی کہ:

يَقُوْلُ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَآؤُكُمْ وَيَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعِفَافِ وَالصِّلَةِ وَالْوَفَآءِ بِالْعَهْدِ وَاَدَآءِ الْاَمَانَةِ (بخاری ج1ص412)

یعنی حضور رحمت عالم ﷺ ہم کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ تم لوگ ایک خدائے واحد کی عبادت کرو اور شرک سے بچو اور اپنے باپ داداؤں کی بکواسوں کو چھوڑ دو اور وہ ہم کو نماز اور سچائی اور پاک دامنی اور بہترین سلوک اور ایفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیتے ہیں۔

برادران ملت! غور فرمایئے کہ ابوسفیان باوجودیکہ اس وقت رحمت عالم کے دشمن جان تھے۔ مگر پھر بھی آپ کے فضائل خلق عظیم پر کتنا غیر مبہم بیان اور کس قدر واضح شہادت دے رہے ہیں؟ اور گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن کا یہ دعویٰ کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔ آفتاب سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر روشن اور تابناک حقیقت ہے! سچ ہے کیا خوب فرمایا کسی نے ؎

کمالات نبی پردوں میں بھی یوں جگمگاتے ہیں
کہ جیسے نور ظلمت میں کبھی پنہاں نہیں ہوتا!

کفار قریش کا اقرار:۔ برادران اسلام! کون نہیں جانتا کہ فتح مکہ کے دن تمام وہ مجرمین جنہوں نے محبوب خدا ﷺ پر طرح طرح سے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ سب کے سب گرفتار کر کے رحمت عالم کے دربار میں حاضر کیے گئے مکہ کے یہ خونخوار ستمگار سر جھکائے سرکار نامدار احمد مختار ﷺ کے فیصلہ کا انتظار کر رہے تھے اور ہر ایک مجرم اپنے اپنے مظالم کو یاد کر کے اپنے اپنے انجام کے تصور سے لرزہ براندام ہو رہا تھا کہ اتنے میں نگاہ نبوت ان کی طرف اٹھی اور ارشاد فرمایا:

"مَا ظَنُّكُمْ بِيْ؟"

یعنی بولو میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

تمام مجرمین اپنی سہمی ہوئی آوازوں میں کہنے لگے۔

"اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ"

یعنی آپ خود بھی کریم ہیں اور کرم والے بھائی کے بیٹے ہیں۔

اس لئے کریم بن کریم ہمیں تو کرم ہی کی امید ہے۔ یہ سن کر رحمت عالم کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ.

یعنی اے اہل مکہ! سزا تو کجا؟ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ آج تمہارے لئے ملامت کا بھی کوئی لفظ بولوں۔

جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اللہ اکبر! وہ لوگ جو اپنے دلوں میں یہ تصور جمائے ہوئے تھے کہ شاید آج ہماری ایک ایک بوٹی کاٹ کاٹ کر چیلوں اور کووں کو کھلائی جائے گی اور ہماری لاشیں آگ میں جلائی جائیں گی۔ ہمارے بچے اور بیویاں لونڈی غلام بنا لئے جائیں گے اور ہمارے گھروں کو جلا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا جائے گا۔ وہ ایک دم بالکل ناگہاں رحمت عالم کا یہ فرمان بشارت سن کر دنگ رہ گئے اور ان کے سینوں کی ظلمتوں میں رحمت عالم کے خلق عظیم سے ایسا چراغاں ہو گیا کہ جذبہ تشکر سے مغلوب ہو کر ہر ایک کی آنکھوں سے اشک ندامت کا سیلاب امڈ پڑا اور ہر ایک مجرم لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھ کر رحمت عالم کی کالی کالی رحمت والی کملی میں پناہ گزیں ہو کر دونوں جہان کی دولتوں سے مالا مال ہو گیا۔ دم زدن میں ان کے دلوں کی دنیا ہی بدل

گئی اور ایک دم پورے ماحول کا نقشہ ہی بدل گیا

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

عکرمہ اور صفوان کا اسلام:۔ حضرات! فتح مکہ کے دن تمام قریش تو مسلمان ہو گئے مگر آپ کو تعجب ہو گا کہ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اور امیہ کا بیٹا صفوان یہ دونوں اس وقت بھی مسلمان نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ دونوں مکہ سے بھاگ نکلے۔ حضرات! اس موقع پر بھی ذرا رحمت عالم کے خلق عظیم کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے کہ آپ نے عمیر بن وہب اور وہب بن عمیر کو اپنی چادر مبارک عطا فرما کر یہ ارشاد فرمایا تم لوگ یہ میری چادر لے جاؤ یہ صفوان کے لئے امان کا نشان ہے۔ چنانچہ یہ دونوں چادر مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے۔ صفوان رحمت عالم کے امان کا نشان دیکھ کر حیران رہ گیا.................... فوراً حاضر خدمت ہو گیا اور صرف چند دنوں میں رحمت عالم کے خلق عظیم سے اس قدر متاثر ہوا کہ کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اسی طرح عکرمہ جان کے خوف سے بھاگ کر یمن چلا گیا تھا عکرمہ کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا نے عکرمہ کے لئے رحمت عالم سے امان طلب کی۔ سرکار دو جہاں نے اپنے سب سے بڑے دشمن ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کو امان دے دی۔ چنانچہ جب ام حکیم انہیں یمن سے بلا کر لائیں اور عکرمہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو سرکار رحمت مدار نے مسکراتے ہوئے یہ کہہ کر عکرمہ کو اعزاز بخشا۔

مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ
یعنی "خوش آمدید" اے ہجرت کرنے والے سوار

جناب عکرمہ نبی رحمت کے اس خلق عظیم کو دیکھ کر ندامت سے پانی پانی ہو گئے اور فوراً ہی بلند آواز سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے نیز یہ اعلان کر دیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) میری یہ تلوار جو اب تک اسلام کے خلاف چلتی رہی آج سے یہ میری زندگی کی آخری سانس تک اسلام کی نصرت و حمایت میں بے نیام رہے گی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ فتح مکہ کے سال 8ھ میں اسلام لائے اور اس کے بعد کے تمام اسلامی جہادوں میں انتہائی جانبازی کے ساتھ جہاد فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ 13ھ میں جنگ یرموک کے جہاد میں میدان جنگ کے اندر لڑتے ہوئے شہادت

سے سرفراز ہوئے۔(اکمال فی اسماء الرجال)

برادران ملت!

غور کیجئے کہ عکرمہ بن ابوجہل ہوں یا صفوان بن امیہ صناوید قریش ہوں یا دوسرے دشمنان اسلام سب کے سب اخلاق نبوت ہی سے متاثر ہو کر اسلام کی آغوش میں آئے ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو اکثر کہا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے وہ آئیں اور بتائیں کہ ان دشمنان اسلام کو کون سی تلوار نے اسلام لانے پر مجبور کیا تھا؟

برادرن اسلام! ہاں ہاں ہم بھی کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے مگر اسلام کی یہ تلوار کون سی تلوار تھی؟ حضرات! یہ لوہے کی تلوار نہیں تھی۔ بلکہ یہ محبت و پیار کی تلوار تھی۔ یہ اسلام کی صداقت اور احمد مختار کے خلق عظیم کی تلوار تھی جو انسانوں کی گردنوں کو نہیں کاٹتی تھی بلکہ دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہو کر کفر و شرک کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹ کر ان کے دلوں کو چمن ایمان کا گلزار بنادیتی تھی۔ جیسا کہ کسی شاعر حق نوا نے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

راستی کی تیغ تھی جو تھی مسلمانوں کے پاس
خنجر آہن نہیں، یہ خنجر اخلاق تھا

میرے بزرگو اور بھائیو! الغرض حضور نبی عربی فداہ امی وابی ﷺ کے خلق عظیم پر آپ نے ازواج مطہرات، خدام، غلام، تلامذہ یہاں تک کہ دشمنوں کی بھی شہادت سن لی اب آپ ہی بتایئے؟ کہ اتنی بڑی بڑی اور ایسی ایسی اہم اور عظیم شہادتوں کے بعد دنیا میں کونسا ایسا جج ہو گا۔ جو یہ فیصلہ نہیں کرے گا کہ جس طرح سورج کی روشنی، چاند کی چمک، آسمان کی بلندی میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح نبی کریم کے خلق عظیم میں بھی کسی ریب و شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی اور یقیناً تمام دنیا کو یہ ماننا اور اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ

وہ مقصود دو عالم مستغاثِ بزمِ امکانی
کیا جس نے مکمل نسخہِ اخلاق انسانی

یہی وجہ ہے کہ قرآن بھی یہ اعلان کر رہا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا

نَفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)

یعنی اے محبوب! آپ خدا کی رحمت کے سبب سے تمام مخلوق کے لئے
نرم خو اور خوش اخلاق ہو گئے اور اگر آپ بد اخلاق اور سخت دل ہوتے تو
لوگ آپ کے پاس سے بکھر جاتے!

چنانچہ! برادران اسلام! سچ پوچھئے تو حضور نبی رحمت کے خلق عظیم ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ بڑے بڑے دشمنان اسلام آپ کے اخلاق حسنہ سے اس قدر متاثر ہوتے۔ کہ ان کے سینوں میں پتھر سے زیادہ سخت دل پگھل کر موم سے زیادہ نرم ہو جاتے۔ اور ایک دم ان کے دلوں کی دنیا میں اسلام اور بانی اسلام کی حقانیت و صداقت کا وہ آفتاب طلوع ہو جاتا۔ جس سے کفر و شرک کی ظلمتیں کافور اور ان کے سینے نور ایمان کی روشنی سے پر نور ہو جاتے۔

درخت اخلاق کی شاخیں:۔ برادران ملت! ''اخلاق'' ایک بہت جامع صفت ہے۔ خلق عظیم کو یوں سمجھئے کہ یہ ایک درخت ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں۔ چنانچہ عفو و کرم، حلم و حیا، جود و سخا، صبر و رضا، مروت و محبت، تواضع و انکساری، خوش دلی و ملنساری تمام نیک خصلتیں یہ سب اخلاق ہی کے اثرات و ثمرات ہیں۔

حضرات! سرکار دو جہاں، نبی آخر الزماں ﷺ کے خلق عظیم کی یہ بڑی ہی نرالی شان ہے کہ تم اخلاق کے جن شعبوں کو بھی آپ کی ذات گرامی مقدسہ میں تلاش کرو گے وہ آپ کی ذات بابرکات میں بدرجہ اتم موجود ملیں گے۔

چنانچہ عفو و کرم کا حال تو آپ سن چکے کہ کیسے کیسے مجرموں کو آپ نے اپنے دامن عفو و کرم میں پناہ عطا فرمائی۔

حلم و کرم:۔ حلم و کرم کا یہ عالم ہے کہ ایک اعرابی اس زور سے آپ کی چادر مبارک کو کھینچ لیتا ہے کہ آپ کی نرم و نازک گردن پر خراش پڑ جاتی ہے اور پھر نہایت ہی درشت لہجے میں کہتا ہے۔

مُرْلِیْ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْ عِنْدَكَ

یعنی آپ اللہ کے اس مال میں سے جو آپ کے پاس ہے۔ میرے لئے
دینے کا حکم فرمایئے!

رحمت عالم اس اعرابی کی اس حرکت پر مسکرا دیتے ہیں اور اس کو دولت سے مالا مال فرما

دیتے ہیں اسی طرح جنگ حنین کے موقع پر ایک جگہ بہت سے اعرابیوں نے آپ کو گھیر لیا اور مال طلب کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک اعرابی جھپٹ کر آپ کی چادر مبارک کو جسم اقدس سے کھینچ کر لے بھاگا۔ مگر سلطان کونین ہوتے ہوئے آپ اعرابی کی اس جاہلانہ حرکت پر ناراض ہوئے نہ آپ کی پیشانی اقدس پر کوئی بل آیا۔ بلکہ نہایت ہی کریمانہ انداز میں اور مشفقانہ لہجے میں فرمایا۔

اَعْطُوْنِیْ رِدَآئِی فَلَوْ کَانَ عَدَدَ هٰذِهِ الْعِضَاةِ نَعَمًا لَقَسَمْتُهٗ بَیْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِیْ بَخِیْلًا وَّلَا كَذُوْبًا وَّلَا جَبَانًا۔"

(بخاری ج 1 ص 446)

یعنی تم لوگ میری چادر تو مجھ کو دے دو اور تم لوگ اس بات کا یقین رکھو کہ اگر ان جھاڑیوں کی تعداد میں بھی مویشی ہوتے تو وہ سب میں تم لوگوں میں تقسیم کر دیتا اور اس کے بعد تم لوگ نہ مجھ کو بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ بزدل۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ پڑھیے درود شریف۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

شرم و حیاء:۔ برادران ملت! اسی طرح "حیا" جو اخلاق کی ایک بہت ہی اہم خصلت ہے اگر تم دیکھو گے تو پیارے مصطفی علیہ کا دامن عصمت اس دولت سے بھی مالا مال ہی نظر آئے گا۔ ام المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ:

کَانَ اَشَدَّ حَیَآءً مِّنَ الْعَذْرَا فِیْ خِدْرِهَا۔

یعنی پردہ نشین کنواری عورت سے بھی بڑھ کر آپ کی ذات میں حیا کا جوہر نمودار تھا۔

خلوت و جلوت میں کبھی کسی نے آپ کو برہنہ نہیں دیکھا۔ نہ کسی کے سامنے کبھی آپ پاؤں پھیلا کر بیٹھے۔ نہ کبھی کوئی فحش کلمہ زبان مبارک سے نکالا اور بار بار اپنے قول و عمل سے اپنی امت کو یہی تعلیم فرماتے رہے۔

اَلْحَیَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

یعنی حیا درخت ایمان کی ایک بہت بڑی شاخ ہے۔

جود و سخا:۔ جود و سخا کا یہ حال تھا کہ بارہا اتنا اتنا مال غنیمت آیا کہ مسجد نبوی بھر گئی۔ مگر آپ تقسیم فرمانے کے لئے بیٹھے تو اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک کہ سارا مال تقسیم نہ فرما لیا اور خود اپنے گھر کا یہ حال کہ عین اس وقت جب کہ مصلیٰ پر نماز کے لئے کھڑے ہو چکے ہیں۔ ایک دم جلدی جلدی اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے اور پھر جلد ہی واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ گھر میں تھوڑا سا سونا رہ گیا تھا تو مجھے یہ پسند نہیں آیا کہ ایک ذرا سا سونا بھی نبی کے گھر میں رات بھر رہ جائے۔ اس لئے میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔ عمر بھر کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرمایا۔ جس نے جو مانگا وہ عطا فرما دیا اور کسی سائل کے جواب میں "نہیں" کبھی نہیں فرمایا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

نہ رفت لا بزبان مبارکش ہرگز
مگر در اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کبھی "لا" یعنی "نہیں" کا لفظ آپ کی زبان پر نہیں آیا مگر ہاں جب کلمہ شہادت پڑھتے تھے تو اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں لفظ لا آپ کی زبان مبارک پر آتا تھا اور آپ فرماتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے بھی اسی مضمون کو اس طرح ادا فرمایا ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

محبت و مروت:۔ خدا کے بندوں اور اس کی تمام مخلوق سے محبت و مروت کا یہ عالم تھا کہ خود قرآن گواہ ہے۔

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

یعنی خدا کے بندوں کا کسی مشقت میں پڑ جانا آپ پر انتہائی شاق گزرتا تھا۔ ہر وقت امت کی خیر خواہی اور مومنین پر انتہائی مشقت و مہربانی آپ کی بہت ہی خاص الخاص صفت تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں عرض کر چکا کہ اہل مدینہ کے غلام اور عورتیں

بچے برتنوں میں پانی لے کر سردیوں میں صبح کے وقت حاضر دربار ہو کر یہ درخواست کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے برتنوں میں اپنا دست مبارک ڈبو دیں۔ تاکہ پانی متبرک ہو جائے تو بسا اوقات کڑکڑاتے ہوئے جاڑوں میں جب کہ کمبل سے ہاتھ نکالنا بھی دشوار ہوتا تھا رحمت عالم سب کے برتنوں میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیتے۔ اور کبھی کسی کا دل نہ توڑتے۔

ایثار و قربانی:۔ اسی طرح آپ نے ایثار و قربانی کی کیفیت کا تو کیا پوچھنا؟ دو دو مہینے کاشانہ نبوت میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ صرف کھجور اور پانی یا دودھ پر خود گزر اوقات فرماتے بلکہ تعلیم امت کے لئے کبھی کبھی کئی کئی فاقے بھی فرمالیا کرتے۔ مگر اپنی امت کی بھوک پیاس برداشت نہ فرماتے۔

بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے تھے
کیسے صابر تھے محمد کے گھرانے والے!

گوشت پتھر ہو گیا:۔ حضرات! اس سلسلے میں ایک عبرت آموز اور رقت انگیز روایت بھی سن لیجئے۔ ایک دن حضرت ام المومنین بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کسی صحابی نے ایک بوٹی گوشت کا ہدیہ بھیجا۔ ام المومنین نے اس گوشت کو اس خیال سے طاق پر رکھ دیا کہ رحمت عالم ﷺ کو گوشت بہت محبوب و مرغوب ہے۔ جب حضور کاشانہ نبوت میں تشریف لائیں گے تو میں یہ گوشت خدمت اقدس میں پیش کروں گی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سائل دروازہ پر آگیا۔ حضرت ام المومنین کو یہ یاد نہیں رہا کہ کوئی چیز گھر میں سائل کو دینے کے لائق موجود ہے۔ اس لئے آپ نے سائل کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکان میں تشریف فرما ہوئے اور بی بی صاحبہ کو گوشت کا خیال آگیا۔ چنانچہ لونڈی کو حکم دیا کہ جاؤ طاق پر سے گوشت لا کر خدمت اقدس میں پیش کرو۔ لونڈی نے جا کر طاق پر دیکھا تو طاق پر ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ ام المومنین کو سخت حیرانی اور تعجب ہوا کہ اس طاق پر پتھر کا ٹکڑا کہاں سے آگیا؟ اس وقت حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

فَاِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ

(مشکوٰۃ ص 161)

یعنی چونکہ تم لوگوں نے سائل کو نہیں دیا اس لئے وہ گوشت پتھر ہو گیا۔

تواضع وانکساری:۔ حضرات! اس طرح سرکار رسالت ﷺ کے خلق عظیم میں تواضع اور انکساری کا جلوہ دیکھنا ہو تو یہ دیکھ لیجئے کہ باوجودیکہ آپ سید المرسلین بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی طٰہٰ و یٰسین بھی ہیں اور رحمۃ للعالمین بھی۔ سلطان کونین بھی ہیں اور شہنشاہ دارین بھی غرض وہ کونسا ایسا فضل و کمال ہے جس سے ذات اقدس مالا مال نہیں وہ کونسی ایسی عظمت و فضیلت ہے جو آپ کے پائے اقدس سے وابستہ نہیں۔ مگر آپ کے تواضع وانکساری کا یہ عالم ہے کہ بار بار اپنے غلاموں سے یہی فرماتے ہیں:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

یعنی میں تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔

فرش زمین پر بیٹھ کر اور چمڑے کا دستر خوان بچھا کر اپنے خادموں اور غلاموں کے ساتھ جو کی روٹی تناول فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس طرح کھانا پسند کرتا ہوں جس طرح ایک غلام کھاتا ہے۔ میں اس طرح بیٹھنا پسند کرتا ہوں۔ جس طرح ایک غلام بیٹھتا ہے کبھی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بادشاہ نہیں ہوں تو ایک بندہ ہوں۔

صحابہ کرام کا بیان ہے:۔

كَانَ يُسَوِّیْ بِنَا نَفْسَهٗ.

یعنی ہر معاملہ میں حضور اقدس ﷺ اپنی ذات مبارکہ کو ہمارے برابر کیا کرتے۔

دور دور سے امراء و رؤسائے قبائل کے وفود یہ تصور کر کے آتے تھے کہ شہنشاہ مدینہ کسی مرصع تخت پر اپنے محل میں شاہانہ تمکنت و وقار کے ساتھ بیٹھے ہوئے ملیں گے مگر مدینہ آکر وہ یوں دیکھتے ؎

اک بوریا پہ شاہِ رسالت ہے جلوہ گر
اللہ رے! تخت سب سے بڑے تاجدار کا

ساقی کوثر چاہِ زمزم پر:۔ حضرات! حد ہو گئی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمزم شریف پینے کے لئے تشریف لائے تو حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساقی زمزم تھے اور ایک چھوٹے سے حوض میں آب زمزم بھرا ہوا تھا۔ اس میں

سے وہ حجاج کو پلا رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ تم اپنی والدہ کے پاس سے صراحی میں رکھا ہوا صاف ستھرا آب زمزم لا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پلاؤ کیونکہ اس حوض میں تمام اعرابی ہاتھ ڈال ڈال کر پانی پیتے ہیں۔ مگر رحمت عالم ﷺ نے اپنے لئے اتنی خصوصیت بھی گوارا نہیں فرمائی۔ بلکہ یہی فرمایا کہ چچا جان! مجھے بھی اس حوض میں سے پلایئے جس میں سے تمام حجاج پی رہے ہیں۔ چنانچہ ساقی کوثر نے اسی عام حوض میں سے آب زمزم نوش فرمایا۔

صبر و رضاء:۔ حضرات! اسی طرح صبر و رضا کی یہ کیفیت ہے کہ خود حضور اقدس سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اُوْذِیَ نَبِیٌّ قَطُّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ

یعنی کسی نبی کو دنیا والوں نے اتنا نہیں ستایا جتنا مجھے ستایا گیا۔

اللہ اکبر! اہل مکہ نے ظلم و ستم کا وہ کون سا ایسا پہاڑ تھا جو آپ پر نہیں توڑا۔ آپ پر بارہا پتھروں کی بارش کی۔ پورے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کیا اور تین برسوں تک شعب ابی طالب کی ایک تنگ گھاٹی میں آپ کو بحیثیت قیدی کے نظر بند رکھا جہاں اہل مکہ اپنی دانست میں دانہ پانی بھی نہیں لے جانے دیتے تھے۔ حرم الٰہی میں بحالت سجدہ آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دیا کرتے تھے۔ بار بار قاتلانہ حملے کئے۔ دندان مبارک کو شہید کر ڈالا۔ پیشانی و رخسار پر گہرے زخم لگائے۔ طرح طرح کی سازشوں اور دسیسہ کاریوں کا جال بچھاتے رہے مگر رحمۃ للعالمین ﷺ صبر و رضا کا پہاڑ بن کر تمام مصیبتوں پر ایسا صبر فرماتے رہے اور راضی برضا رہے کہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی آپ کے صبر و رضا کو دیکھ کر سبق حاصل کرتی رہے گی۔

سچ ہے ؎

بلائے آسماں بھی جس زمین پر ڈگمگاتی تھی!
محمد (ﷺ) تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی
فلک نے بارہا انسان کو جنگ آزما دیکھا
نہ قائم اس طرح کوئی محمد کے سوا دیکھا
خوشی تھی فتح کی ان کو نہ کوئی غم ہزیمت کا

مثالِ عرش قائم تھا قدم ان کی عزیمت کا

خوش روئی و ملنساری:۔ اسی طرح آپ کی خوش روئی و ملنساری بھی سارے عالم میں عدیم المثال ہے۔ بڑے بڑے خونخوار دشمنوں سے بھی آپ ایسی خوشخوئی و شیریں کلامی کے ساتھ پیش آتے تھے کہ ان ظالموں کے سینوں میں پتھر سے زیادہ سخت دل آپ کے خلق عظیم سے متاثر ہو کر موم سے زیادہ نرم ہو جاتے تھے۔ الغرض! اخلاق حسنہ کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالئے رحمت عالم کی مقدس زندگی محاسن اخلاق کی ایسی عظیم اور بلند منزل پر نظر آئے گی کہ آسمانوں کی رفعتیں بھی اسے جھک جھک کر سلام کرتی نظر آئیں گی۔ کیوں نہ ہو کہ رب العزت جل وعلاء کا ارشاد ہے کہ:۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

یعنی بے شک اے محبوب! آپ بہت ہی بڑے اور بلند اخلاق پر ہیں۔

برادران ملت!

دعا فرمایئے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اخلاق نبوت کی سچی پیروی کی توفیق بخشے۔ (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

سولہواں باب

اسوۂ حسنہ

ہمیں کرنی ہے شاہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہوگئے تو رحمتِ پروردگار اپنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ، اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ،

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ

حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

حضرات!

بآواز بلند درود شریف کاورد فرمایئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ،

حضرات!

تقریر سے پہلے ایک نعت شریف عرض کرتا ہوں۔ جذبہ محبت اور جوش عقیدت کے ساتھ سماعت فرمایئے!

نعت شریف

احمد مرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم — مظہر اول مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

جسم مزکی روح مصور قلب مجلی نور معطر — حسن سراپا خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

جسکی ہراول فوج سلیمان جسکے منادی موسیٰ عمران — جس کے مبشر عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

جس پہ تصدق وحی الٰہی، کنکریاں دیں جسکی گواہی — جس کا تفوق سب پہ مسلم صلی اللہ علیہ وسلم

نظم میں جس کی نعت مطہر انا اعطینك الكوثر — اللہ اللہ شان معظم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مصداق دَنیٰ فَتَدَلّٰی جس کی منزل عرش معلّٰی نکتہ مَا اَوْحٰی کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم
المُدثِرُ المزّمِلُ ذات اس کی کونین کا حاصل خاک پہ سجدہ عرش پہ پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
جتنے فضائل جتنے محاسن ممکن میں ہو سکتے تھے ممکن حق نے کیے سب ان میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم
اوج شرف کا بدر وہی ہے بزم رسل کا صدر وہی ہے بدر منور صدر مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
صدرا م سلطان مدینہ وہ جس کے کف پا کا پسینہ گلکدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم
جن کا پیارا نام محمد فیض مؤید فور مخلد
حسن مجرد نور مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

محترم سامعین!

اس دنیا میں انسان بھی رہتے بستے ہیں اور قسم قسم کے جانور بھی۔ مگر انسانوں اور جانوروں میں جہاں بہت سی باتوں میں فرق ہے۔ وہاں ایک بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ جانور اس دنیا میں کسی کی تقلید اور پیروی نہیں کرتے اور انسان ضرور بہ ضرور کسی نہ کسی کی تقلید اور پیروی کرتا ہے جس طرح ہندوستان کی بکری گھاس اور پتے کھاتی ہے اسی طرح یورپ اور امریکہ کی بکریاں بھی گھاس اور پتے ہی کھاتی ہیں وہ بسکٹ اور کیک نہیں کھاتی ہیں۔ جس طرح ہندوستان کا کوا کائیں کائیں بولتا ہے۔ اسی طرح لندن اور عرب کے کوے بھی کائیں کائیں بولتے ہیں۔ لندن کے کوے انگریزی اور عرب کے کوے عربی نہیں بولا کرتے۔ غرض دنیا بھر کی بکریاں ایک ہی غذا کھاتی ہیں اور دنیا بھر کے کوے ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ مگر حضرت انسان کو مت پوچھیے! ہر جگہ کے انسانوں کی غذائیں الگ الگ اور زبانیں جدا جدا ہیں۔ دیکھ لیجئے کابل کا انسان بغیر تنوری روٹی اور گوشت کے آسودہ ہی نہیں ہوتا۔ گجراتی بغیر کھچڑی، کڑی کھائے خوش ہی نہیں ہوتا۔ یوپی والوں کو قورمہ، چپاتی اور پلاؤ چاہیے۔ بنگالی مانس بلا مچھلی، بھات کے زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح ہر ایک کی زبانیں، ہر ایک کا لباس ہر ایک کی تہذیب و تمدن بالکل مختلف اور الگ الگ ہیں۔ ایک کابلی کو سولہ گز کی شلوار لمبی قمیض، صدری اور کلاہ والا صافہ چاہیے۔ لکھنؤ والوں کو چست پاجامہ، شیروانی اور اتنی مختصر ٹوپی کہ جیسے خربوزہ کی ایک کاش چاند پر رکھی ہوئی ہے۔ بنگال چلے جائیے تو دھوتی، کرتے یا تہبند کرتے کے سوا کوئی لباس ہی نہیں۔ بنگال میں اگر پاجامہ، شیروانی اور صافہ پہن کر نکلے تو آدمی اسی طرح گھور گھور کر دیکھتے ہیں کہ گویا عجائب خانہ کا کوئی

جانور آگیا ہے اور کتے بھونک بھونک کر زمین سر پر اٹھالیتے ہیں۔ اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ دنیا بھر کے انسانوں کے لباس، غذا، زبان اور تہذیب و تمدن میں اختلاف ہے اور دنیا بھر کے جانوروں کی غذا اور زبان میں یکسانیت ہے تو برادران ملت! اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان اس دنیا میں کسی نہ کسی کی تقلید اور پیروی ضرور کرتا ہے اور جانور ہرگز کبھی کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ ایک بنگالی اگر کابل میں رہنے لگے تو وہ بھی پشتو زبان بولنے لگے گا اور شلوار و لمبی قمیض کے ساتھ کلاہ والا صافہ باندھنے لگے گا اور مچھلی بھات چھوڑ کر تنوری روٹی اور گوشت کھانے لگے۔ کیونکہ ایک بنگالی کابل میں رہ کر ضرور کابلی انسانوں کی تقلید اور پیروی کرنے لگے گا۔ مگر ایک کوے کو ساری دنیا میں پھراؤ لیکن وہ کائیں کائیں کے سوا کبھی کوئی دوسری بولی نہیں بولے گا۔ اور اپنی غذا ہرگز کبھی نہیں بدلے گا۔ کیوں! اس لئے کہ جانور کسی کی تقلید اور پیروی نہیں کرتے بلکہ اپنی فطری زبان، طبعی غذا اور پیدائشی رہن سہن پر پابندی کے ساتھ قائم رہتے ہیں!

حضرات! ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں تقلید کا خوگر اور پیروی کا عادی ہے۔ اس کی طبیعت کا یہی تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے متاثر ہو کر دوسروں کی تقلید اور پیروی کیا کرتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی کی اقتداء پیروی اور تقلید ضرور کرے گا۔

انسان کس کی پیروی کرے:۔ اب انسان کے لئے یہی سوال بہت ہی اہم اور ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں اپنی جسمانی و روحانی ترقی کے لئے کس کی اقتداء اور پیروی کرے اور کس کی تقلید و اقتداء انسان کو اس کی اس بلند منزل پر پہنچا سکتی ہے۔ جو اشرف المخلوقات کے شایان شان ہے تو اس سلسلے میں قرآن مجید نے ہماری یہ راہنمائی فرمائی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

یعنی یقیناً تم لوگوں کے لئے رسول اللہ کی پیروی سب سے اچھی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں کی فلاح دارین کے لئے اگر کسی کی پیروی سب سے اچھی سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ ہے تو وہ حضور نبی آخر الزمان، خاتم پیغمبراں ﷺ کے نقش قدم پر چلنا ہے مگر کن انسانوں کے لئے؟ تو فرمایا:۔

لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔
یعنی جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کا امیدوار ہو اور جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔

برادران ملت! یاد رکھئے کہ در حقیقت انسان کہلانے کا تو صحیح معنوں میں وہی حقدار ہے جو اپنے خالق و مالک کو جانتا اور پہچانتا ہو اور اس کے انعاموں کا شکر گزار اور اس کے فضل و کرم کا امیدوار ہو اور اپنے اعمال و افعال کے محاسبہ کی بھی فکر رکھتا ہو ورنہ وہ انسان جو اپنے مبداء و معاد سے بے خبر، اور اپنے خالق و مالک سے نا آشنا، اور اپنے اعمال و افعال کے محاسبہ سے غافل ہو وہ در حقیقت انسان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے ایسے آدمیوں کے بارے میں فرمایا۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ بہرکیف قرآن مجید نے یہ اعلان فرمادیا کہ ان انسانوں کے لئے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے دنیا میں سب سے بہترین راہ عمل اور صراط مستقیم یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر رفتار و گفتار اور اپنے عمل و کردار میں حضرت احمد مختار ﷺ کی اقتداء اور پیروی کریں۔

اور در حقیقت عقل سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تقلید اور پیروی اس کی کرنی چاہئے۔ جس کے بتائے ہوئے طریقے بالکل سچے اور سو فیصدی صحیح ہوں۔ اور جس کا علم قطعی و یقینی اور ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہو اور اس کی ہدایات کے پورے دفتر میں ایک بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی خطا اور غلطی کا احتمال نہ ہو۔

نبی اور غیر نبی:۔ حضرات! یہی وہ منزل ہے کہ جہاں "در مقام نبوت" ایک بہت ہی خصوصی امتیاز کے ساتھ روشن اور آشکار ہو جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے کہ جہاں ایک نبی اور غیر نبی کا فرق بہت ہی نمایاں ہو کر نمودار ہو جاتا ہے۔ ایک ڈاکٹر، ایک پروفیسر، ایک فلاسفر، ایک لیڈر بھی ہدایات دیا کرتا ہے اور ایک نبی بھی رشد و ہدایت کا نورانی دفتر پیش فرماتا ہے مگر ایک نبی اور ایک غیر نبی کے احکام و ہدایات میں زمین و آسمان سے بھی بڑا فرق ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ایک غیر نبی جو کچھ کہتا ہے اپنی اٹکل اور تخمینہ سے سوچ بچار کر، اپنے قیاس سے ٹٹول کر اور قرائن و علامات سے اندازہ لگا کر کہتا ہے مگر اپنے نبی کا فرمان وحی الٰہی اور اس کی حقیقت میں چشم

بصیرت کا مشاہدہ اور نگاہ نبوت کا معائنہ ہوا کرتا ہے۔ اسی لئے غیر نبی کی باتیں اکثر و بیشتر غلط ہو جایا کرتی ہیں مگر ایک نبی کا ارشاد صادق حق و صداقت کا ایک ایسا آفتاب ہوتا ہے کہ نہ وہ کبھی غروب ہوتا ہے نہ اس میں کبھی گہن لگتا ہے کہ کیوں؟ اس لئے ؎

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں بدلی
خدا کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

ایک ڈاکٹر اور نبی:۔ برادران ملت! دیکھئے! ایک بہت ہی ماہر ڈاکٹر ایک مریض کے لئے دوا تجویز کرنے سے پہلے بہت غور سے مریض کا معائنہ کرتا ہے اور نہایت دماغ سوزی اور عرق ریزی کے ساتھ جانچ پڑتال کر کے ایک نسخہ لکھتا ہے۔ مگر دوسرے یا تیسرے ہی دن اس کی تشخیص جب غلط ثابت ہوتی ہے تو مرض کے بارے میں ڈاکٹر کی رائے بدل جاتی ہے اور پھر وہ اسی مریض کے لئے دوسرا اور تیسرا نسخہ لکھتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ڈاکٹر نے پہلے دن جو رائے قائم کی تھی وہ احوال و کیفیات سے اندازہ کر کے اور اپنی سمجھ بوجھ سے ٹٹول کر ایک خیال قائم کر لیا تھا۔ اس کو مریض کے بارے میں کوئی قطعی اور یقینی علم نہیں تھا مگر آیئے! اور ایک نبی کو بحیثیت ایک معالج کے دیکھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ایک نبی اور ایک غیر نبی کے علم میں کتنا عظیم فرق ہوتا ہے۔

حضرات!

روایت ہے کہ ایک صحابی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ (ﷺ) میرے بھائی کو دست آرہے ہیں۔ کوئی علاج بتایئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اِسقِہٖ عَسَلاً اس کو شہد پلاؤ۔ چنانچہ مریض کو شہد پلایا گیا مگر شہد پیتے ہی اور زیادہ دست آنے لگے۔ مریض کا بھائی گھبرایا ہوا آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اب تو پہلے سے بھی زیادہ دست آ رہے ہیں۔ سرور عالم نے اپنے پیغمبرانہ لہجے میں پھر فرمایا کہ اِسقِہٖ عَسَلاً اس کو شہد پلاؤ۔ چنانچہ پھر جو شہد پلایا گیا تو دستوں کی شکایت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ مریض کا بھائی پھر حاضر دربار ہو کر عرض کرتا ہے کہ یارسول اللہ ﷺ! اب تو مریض کو بہت زیادہ دست آنے لگے ہیں۔ اب کی مرتبہ "حکیم عالم نے اپنے پیغمبرانہ عزم کے ساتھ ایک ذرا پر جلال لہجے میں فرمایا۔":۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَ كَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ

یعنی اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

اِسْقِهٖ عَسَلاً اس کو شہد پلاؤ۔ چنانچہ اب کی مرتبہ شہد پلاتے ہی دست بند ہو گئے اور مریض مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا۔ (بخاری ج2 ص848)

حضرات! آپ نے دیکھا کہ ایک ڈاکٹر بار بار مریض کے حالات و کیفیات کو دیکھ کر نسخہ بدلتا رہتا ہے۔ مگر ایک نبی بر حق بغیر مریض کا معائنہ کئے ہوئے ایک مرتبہ جو نسخہ تجویز فرما دیتا ہے پھر اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیوں؟ اس لئے کہ ڈاکٹر جو کچھ کہتا ہے۔ وہ محض اپنی عقل سے سوچ بچار کر اور آلات سے ٹٹول کر اندازہ لگا کر کہتا ہے۔ اس لئے اس کا علم کوئی یقینی اور قطعی علم نہیں ہوتا۔ مگر ایک نبی جو کچھ کہتا ہے۔ وہ وحی الٰہی سے معلوم کر کے اور اپنی نگاہ بصیرت اور چشم بصارت سے مشاہدہ و معائنہ کر کے کہتا ہے اس لئے اس کا علم قطعی، حتمی اور یقینی ہوتا ہے۔

ایک جنرل اور نبی:۔ حضرات! اسی طرح ایک فوج کا جنرل اگرچہ تمام سامان جنگ اس کے پاس موجود ہوں اور اس کو اپنی فوجی قوت اور عسکری طاقت پر پورا پورا اعتماد بھی ہو۔ پھر بھی وہ جنگ کے انجام کے بارے میں قطعی طور پر کوئی پیشین گوئی کر کے نہ خود مطمئن ہو سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو اطمینان دلا سکتا ہے دنیا کا کوئی بھی جنرل ہرگز ہرگز جنگ سے قبل یہ نہیں بتا سکتا کہ اس لڑائی کا انجام کیا ہوگا؟ مگر آیئے اور دیکھئے کہ ایک نبی کی بحیثیت ایک جنرل کے کیا شان ہوا کرتی ہے؟ کون نہیں جانتا کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فوجی طاقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ کل تین سو تیرہ مجاہدین اسلام تھے۔ جن کے پاس صرف دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اور سامنے ایک ہزار کفار کا لشکر جرار، ہر قسم کے سامان جنگ اور خوفناک ہتھیاروں سے لیس ہو کر لڑائی کے لئے تیار تھا۔ بظاہر مجاہدین اسلام کی فتح و کامرانی کا کوئی سامان نظر نہیں آتا تھا۔ مگر اس کے باوجود جنگ سے پہلے ہی اس رات میں جس کی صبح کو یہ حق و باطل کا معرکہ گرم ہونے والا تھا حضور اکرم ﷺ چند جاں نثاروں کے ہمراہ میدان جنگ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ دست مبارک میں ایک کھجور کی چھڑی ہے اسی چھڑی سے زمین پر چند لکیریں کھینچ کر فرماتے ہیں:۔

هٰذَا مَصْرَعُ اَبِیْ جَهْلٍ وَّهٰذَا مَصْرَعُ اُمَیَّةَ.

یعنی یہ "ابو جہل" کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور یہ "امیہ" کے پچھڑنے کی جگہ ہے۔

اسی طرح تمام مقتولین کفار کے لاشوں کے گرنے کی جگہیں نبی بر حق ﷺ نے رات ہی میں معین فرمادی۔ صبح کو ہو بہو جنگ کا یہی انجام ہوا کہ جس جگہ لکیر بنا کر جس کافر کا مقتل بتایا تھا۔ اس لکیر سے بال برابر بھی دور اس کافر کی لاش نہیں ملی۔ اس جنگ میں ستر کفار مقتول ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے اور باقی کفار سر پر پیر رکھ کر فرار ہو گئے اور اسلام کی وہ فتح مبین ہوئی جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں۔ جس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا کہ :۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ.

یعنی بے شک اللہ نے تمہاری اس وقت مدد فرمائی جب کہ تم مسلمان بالکل ہی بے سر و سامان تھے۔

برادران ملت!

غور فرمائیے کہ دنیا کا کوئی بھی جنرل خواہ کتنا ہی ماہر جنگ کیوں نہ ہو مگر لڑائی سے پہلے ہی وہ جنگ کا انجام ہرگز ہرگز نہیں بتا سکتا کیونکہ کسی جنرل کے پاس یقینی اور قطعی علم کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے وہ جو کچھ کہتا ہے اپنی اٹکل اور اندازے سے کہتا ہے اور جو کچھ بتاتا ہے وہ اسباب و ماحول دیکھ کر محض اپنے ظن اور قیاس سے بتاتا ہے۔ مگر نبی جس چیز کی خبر دیتا ہے اور جو کچھ بھی کہتا ہے وہ عالم الغیب والشہادۃ کی وحی اور نبی کی نگاہ نبوت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی جنگ کے بارے میں ایک جنرل کی رائے اور اس کی پیشین گوئیاں اکثر و پیشتر غلط ہو جایا کرتی ہیں۔ مگر ایک نبی کی دی ہوئیں خبریں ہرگز ہرگز ایک بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی خلاف واقع نہیں ہو سکتیں۔ کیوں نہ ہو؟ کہ نبی کے بارے میں علیم و خبیر، سمیع و بصیر کا ارشاد ہے کہ :۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ

یعنی اے محبوب! یہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی ہم آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔

ایک لیڈر اور نبی:۔ حضرات! اسی طرح دنیا کے بڑے بڑے لیڈر اور سیاسی مدبرین بہت سوچ بچار کر کسی حکومت سے سیاسی معاہدات کرتے ہیں اور یہ سوچ سمجھ کر معاہدہ کرتے ہیں کہ یہ معاہدہ سو فیصدی ہمارے حق میں مفید ہوگا۔ مگر معاہدوں کی بعض دفعات حالات و ماحول کے بدل جانے سے سو فیصدی مضر ہو جاتی ہیں اور بالآخران معاہدوں کو ختم کرنا یا دفعات کو بدلنا پڑتا ہے۔ یوں ہی بڑی سے بڑی پارلیمنٹ انتہائی غور و خوض اور دماغ سوزی کے بعد ملک کے لئے کوئی قانون بناتی ہے مگر چند ہی دنوں میں اس قانون پر نظر ثانی اور اس کی ردوبدل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہی پارلیمنٹ جس نے اس قانون کو حرف آخر کی حیثیت سے پیش کیا تھا اس قانون کو ردوبدل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک نبی کی یہ شان ہے کہ وہ جب کسی قوم یا حکومت سے کوئی معاہدہ کرتا ہے یا ساری دنیا کے لئے کوئی قانون پیش فرماتا ہے تو ہرگز ہرگز قیامت تک اس معاہدہ کی کوئی دفعہ مضر نہیں ہو سکتی اور اس کا قانون کسی حال میں بے کار نہیں ہو سکتا اور ہرگز ہرگز کبھی اس کی کسی دفعہ میں نہ ترمیم کی ضرورت پڑتی ہے نہ ردوبدل کی۔

صلح حدیبیہ:۔ حضرات! آپ کو یاد ہوگا کہ 6ھ میں چودہ یا پندرہ سو شمع نبوت کے پروانوں کو ساتھ لے کر نبی عربی فداہ امی وابی ﷺ عمرہ کا احرام باندھ کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لارہے تھے۔ کفار مکہ نے راستہ روک لیا اور آپ حدیبیہ کے میدان میں اتر پڑے کفار کسی قیمت پر بھی احمد مختار ﷺ کو خدا کے گھر خانہ کعبہ تک راستہ دینے پر تیار نہیں تھے اور جاں نثاران اسلام بھی طواف کعبہ کے عزم پر پہاڑوں سے زیادہ مستحکم بنے ہوئے تھے۔ اس اعصابی جنگ کے شدید تناؤ میں "صلح حدیبیہ" کا معاہدہ ہوتا ہے۔ کفار مکہ کا نمائندہ جس کا نام "سہیل بن عمرو" ہے۔ صلح نامہ تحریر کرانے کے لئے بیٹھتا ہے۔ اور پہلی شرط یہ پیش کرتا ہے کہ "امسال آپ بغیر عمرہ ادا کئے مدینہ واپس لوٹ جائیں۔" دوسری دفعہ یہ کہ آپ آئندہ سال اس طرح آ کر مکہ میں تین دن قیام کریں۔ اور عمرہ ادا کریں کہ کوئی ہتھیار غلاف سے باہر اور کوئی تلوار بلا نیام نہ ہو۔ تیسری دفعہ یہ کہ اگر ہمارا کوئی آدمی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جائے تو آپ پر لازم ہوگا کہ آپ فوراً اس کو مکہ واپس لوٹا دیں۔ مگر آپ کا اگر کوئی آدمی مدینہ سے بھاگ کر مکہ آئے تو ہم اس کو واپس نہیں لوٹائیں گے۔ ان دفعات خصوصاً تیسری کو سن کر صحابہ کرام جوش غضب میں بلبلا اٹھے کہ ہم ہرگز ہرگز ان غیر منصفانہ دفعات کو منظور نہیں کر سکتے۔ بھلا یہ بھی

کوئی تک کی بات ہے؟ کہ تمہارا آدمی ہمارے پاس آئے تو ہم اس کو واپس کریں اور ہمارا آدمی تمہارے پاس چلا جائے تو تم اس کو واپس نہ کرو۔ ہم اس دھاندلی کو ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ مگر نبی برحق نے ان تمام دفعات کو منظور فرمالیا اور صلح نامہ کی دستاویز تحریر ہونے لگی۔
صحابہ کرام سخت پریشان اور انتہائی بیزار تھے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو جوش اسلامی سے اس قدر مغلوب ہوگئے کہ صبر نہ کر سکے اور بارگاہ نبوت میں آکر عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ رحمت عالم نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ بے شک ہم حق پر ہیں اور کفار باطل پر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ :۔

فَلِمَ نُعْطَى الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا

یعنی پھر ہم کو ہمارے دین میں یہ ذلت کیوں دی جارہی ہے۔

رحمت عالم نے نہایت اطمینان و وقار کے ساتھ اپنے پیغمبرانہ لہجے میں فرمایا ''تم اطمینان رکھو میں اللہ کا رسول ہوں'' حضرت عمر اسلامی جذبات سے اس قدر سرشار تھے کہ اب بھی سکون قلب نہیں ہوا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے الجھ پڑے اور ان سے بھی وہی کہا جو بارگاہ رسالت میں عرض کر چکے تھے۔ حضرت صدیق اکبر گو خود بھی اس دفعہ کو دل سے قبول کرنے پر تیار نہیں تھے۔ مگر چونکہ اتباع نبوت کا جذبہ غالب تھا اس لئے فرمایا:۔

اِلْزَمْ غَرْزَهٗ اِنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

یعنی اے عمر! ان کی رکاب تھامے رہو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔

بالآخر صلح نامہ مکمل ہو گیا اور رحمت عالم نے حدیبیہ میں قربانی کر کے احرام کھول دیا۔
صحابہ کرام پر اس صلح نامہ کی دفعات بے حد شاق اور ناگوار گزر رہی تھی مگر اطاعت رسول سے کوئی چارہ نہیں تھا۔ بادل نخواستہ صحابہ نے بھی قربانی کر کے حرام کھولا اور سب لوگ حدیبیہ کے میدان سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ ہی میں............... اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کی آیت نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا۔ اے محبوب! بے شک آپ کو ہم نے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ ''صلح حدیبیہ'' فتح ہے؟ انہیں تعجب ہو رہا تھا کہ بھلا یہ فتح کیسے کہلا سکتی ہے؟

پیغمبر برحق نے انتہائی عزم کے ساتھ اور پرجلال لہجہ میں فرمایا۔ ہاں ہاں یہ فتح ہے۔ یہ فتح ہے۔ آخر چند دن گزرنے کے بعد ایک حضرت عمر ہی نے نہیں بلکہ تمام صحابہ بلکہ دنیا کے تمام مدبرین نے اعتراف کرلیا کہ واقعی صلح حدیبیہ اسلام کی فتح مبین تھی۔ کیونکہ اس صلح سے اسلام کو جو ترقی کے مواقع نصیب ہوگئے وہ کسی بھی دوسری ترکیبوں سے اب تک حاصل نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ اس صلح سے مسلمانوں کو روز روز کی جنگوں سے نجات مل گئی اور پورے سکون و اطمینان کے ساتھ اسلام کی تبلیغ ہونے لگی۔ پھر جو لوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں معاہدہ کی رو سے واپس لوٹاتے تو وہ لوگ مکہ جانے کے بجائے سمندر کے کنارے جاکر مقیم ہونے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اچھی تعداد میں مہاجر مسلمان "سیف البحر" میں مجتمع ہوگئے اور کفار کے تجارتی قافلوں پر یلغار کرنے لگے اور معاہدہ کی یہ دفعہ مسلمانوں کے لئے اتنی مفید اور کفار کے لئے اس قدر مضر ثابت ہوئی کہ اہل مکہ اس شرط سے بیزار ہوگئے اور اس دفعہ کو منسوخ کرانے کے لئے بلبلا اٹھے۔ یہاں تک کہ خود ہی مکہ والوں نے اپنی اس شرط کو منسوخ کردیا۔

حضرات! غور فرمایئے کہ صلح حدیبیہ کی شرطیں بظاہر اسلام کے حق میں کس قدر ذلت آمیز اور مضر نظر آتی تھیں۔ مگر رسول برحق نے ان تمام شرطوں کو بخوشی منظور فرمالیا۔ کیونکہ دوسرے لوگ اپنی سمجھ بوجھ اور اٹکل سے اس دفعہ کو سمجھ رہے تھے اور پیغمبر خدا ﷺ وحی الٰہی سے اس دفعہ کا انجام جانتے تھے۔ اس لئے تمام لوگوں کا علم غلط نکلا اور نبی برحق کے علم کی صداقت کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوگیا کیونکہ آپ کا سینہ وحی ربانی کا سفینہ اور آپ کا علم نبوت "علوم اولین و آخرین" کا گنجینہ تھا۔

وہ کشاف سرائر جس نے کھولا چند اشاروں میں
علوم اولین و آخرین کی گنج پنہانی!

اسی طرح پیغمبر اسلام نے اپنی امت کے "معاش و معاد" اور فلاح و دارین کے لئے جتنے قوانین پیش فرمائے ہیں آج تقریباً چودہ صدیاں گزر چکیں لیکن ان قوانین میں کسی ترمیم یا ردو بدل کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور پارلیمنٹ کے قوانین کا یہ حال ہے کہ جس طرح سالانہ تقویم اور جنتریاں بدلتی رہتی ہیں۔ اسی طرح پارلیمنٹ کے قوانین ردو بدل ہوتے رہتے ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟ اس لئے اور صرف اس لئے کہ ڈاکٹر ہوں یا پروفیسر سیاسی لیڈر ہوں یا ریفارمر یہ سب جو کچھ کہتے ہیں اپنے قیاس و ظن اور اٹکل سے کہتے ہیں اور ان میں سے کسی کا علم یقینی اور قطعی نہیں ہوتا اور پیغمبر برحق نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ خدا کا بتایا ہوا اور نبی کی نگاہ نبوت کا مشاہدہ کیا ہوا بالکل قطعی اور یقینی علم ہوا کرتا ہے جس میں غلطی کا کبھی احتمال ہی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ نبی کی چشم بصیرت و نگاہ نبوت سے عالم محسوسات و معقولات کا کوئی گوشہ مخفی ہی نہیں رہ سکتا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے ؂

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حضرات! اسی لئے میں نے عرض کیا کہ بنی نوع انسان کے لئے وہی طریقہ نجات دہندہ ہو سکتا ہے۔ جو نبی کا بتایا ہوا طریقہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے فرمایا کہ:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

یعنی تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی سب سے بہترین ہے۔

برادران ملت! میری اتنی گزارش سے آپ کو روشنی مل گئی ہوگی کہ "مقام نبوت" کتنا ارفع و اعلیٰ اور بلند مقام ہے اور ایک نبی اور غیر نبی کے علوم و معارف میں کتنا عظیم الشان فرق ہوتا ہے؟ اس لئے یقین فرمائیے اور ایمان رکھئے کہ ایک غیر نبی لاکھ تعلیم حاصل کرے اور اپنی علمی و عملی جدوجہد کی بدولت رفعت و عظمت کی ہزاروں منزلیں طے کرے مگر ہرگز ہرگز وہ کبھی نبی کی عظیم المرتبت منزل بلند کے غبار راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ؂

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گرد منزل میں
نہ جانے کس قدر اونچا ہے کاشانہ محمد کا

ہاتھی اور پانچ اندھے:۔ حضرات! ڈاکٹروں، فلاسفروں اور لیڈروں کے علوم اور انبیاء علیہم السلام کے علوم میں کتنا عظیم الشان فرق ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے تمثیل کے طور پر نہیں بلکہ تفہیم کے طور پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

سنا ہے کہ پانچ اندھے کسی مسجد میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے مسجد کے دروازہ پر کوئی ہاتھی آ گیا۔ بہت سے لوگ ہاتھی دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے اور ایک شور مچ گیا کہ

ہاتھی آ گیا۔ پانچوں اندھوں کو بھی ہاتھی دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک صاحب لاٹھی ٹیکتے ہوئے مسجد سے نکلے اور ٹٹولتے ہوئے پہنچے تو ان کا ہاتھ ہاتھی کی سونڈ پر پڑا۔ انہوں نے نیچے سے اوپر تک ہاتھ پھیرا اور چلے آئے۔ دوسرے صاحب جو پہنچے اور ہاتھ بڑھایا تو ان کا ہاتھ ہاتھی کے پاؤں سے ٹکرایا وہ کئی بار ہاتھی کے پاؤں پر نیچے سے اوپر تک ہاتھ پھیر کر واپس آ گئے۔ تیسرے صاحب جو آگے بڑھے تو ہاتھی کے پیٹ پر ان کا ہاتھ پہنچا۔ بڑی دیر تک اس کنارے سے اس کنارے تک وہ ہاتھ پھیرتے اور ٹٹولتے رہے پھر چلے آئے۔ چوتھے صاحب جو ذرا ہاتھ اٹھائے ہوئے ہاتھی دیکھنے کے لئے لپکے تو ان کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑا۔ یہ بزرگ بھی ہاتھی کا کان ٹٹول کر واپس آ گئے۔ پانچویں صاحب چلے اور ہاتھ بڑھایا تو ان کے ہاتھ میں ہاتھی کی دم آ گئی یہ بھی تھوڑی دیر تک ہاتھی کی دم سہلاتے رہے۔ پھر مسجد میں چلے آئے ہاتھی چلا گیا۔ تو لوگوں نے پوچھا کہ ارے بھائی نابینا صاحبان! آپ لوگوں نے بھی ہاتھی دیکھا یا نہیں؟ تو پانچوں کہنے لگے کہ ہاں ہاں؟ ہم لوگوں نے بھی خوب اچھی طرح ہاتھی کو دیکھ لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اچھا بتائیے؟ ہاتھی کیسا ہوتا ہے؟ تو پہلے صاحب بولے کہ اجی! بس بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہمارا سوٹا نیچے سے پتلا اور اوپر سے موٹا۔ لوگ سمجھ گئے کہ ان حضرات کا ہاتھ ہاتھی کی سونڈ پر پڑا ہے۔ دوسرا بولا کہ تم بالکل غلط کہتے ہو۔ ہاتھی تو ایسا ہوتا ہے جیسا ہماری مسجد کا ستون لوگوں کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ حضرت ہاتھی کے پیر سے ٹکرائے ہیں۔ تیسرا کہنے لگا اماں یار! رہنے بھی دو۔ ہاتھی مسجد کے ستون کی طرح نہیں ہوتا بلکہ مسجد کی دیوار کی طرح ہوتا ہے۔ لوگ یہ سمجھ کر مسکرا دیئے کہ یہ صاحب ہاتھی کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر چلے آئے ہیں۔ چوتھے صاحب گرج کر بولے کہ اجی! کیا تم لوگ غلط ملط بے پر کی اڑا رہے ہو مجھ سے سنو۔ ہاتھی بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اناج صاف کرنے کا چھاج۔ سب لوگ ہنس پڑے کہ ان کے ہاتھ میں ہاتھی کا کان آیا ہے۔ پانچواں صاحب کڑک کر بولا۔ کہ تم سب غلط کہتے ہو۔ ہاتھی تو بالکل ہماری مسجد کی جھاڑو کی طرح ہوتا ہے۔ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ لال بجھکو صاحب ہاتھی کی دم پکڑ کر چلے آئے ہیں۔

برادران ملت! دیکھئے یہ پانچوں اندھے اپنی اپنی جگہ مطمئن ہیں کہ ہم نے ہاتھی کو دیکھ لیا اور ہم کو ہاتھی کا علم ہو گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی نہیں جانا کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے؟

بلا تمثیل یہی حال ایک غیر نبی اور ایک نبی کا ہوتا ہے کہ غیر نبی خواہ وہ پروفیسر ہو یا لیڈر فلاسفر ہو یا ریفارمر وہ جو کچھ کہتا ہے اندھوں کی طرح ٹٹول کر کہتا ہے اور نبی جو کچھ کہتا ہے وہ اپنی خداداد و غیر معمولی طاقت والی چشم نبوت سے دیکھ کر کہتا ہے اسی لئے غیر نبی کا علم اکثر و بیشتر غلط نکلتا ہے اور نبی کا علم سو فیصدی سچا اور یقینی ہوتا ہے۔

برادران اسلام! بہر کیف بات بہت طویل ہو گئی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان فطری طور پر کسی نہ کسی کی تقلید اور پیروی ضرور کرتا ہے اور یہ عقل کا تقاضا ہے کہ تقلید اور پیروی اس کی کرنی چاہئے جس کی زندگی کا ہر رخ رشد و ہدایت کا نورانی منارہ اور جس کا ہر قول و عمل، صداقت و حقانیت کا روشن ستارہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ایک ہی ذات والا صفات ہے۔ جس کے بارے میں حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہوا ہے کہ:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

یعنی رسول اللہ کی ذات ہی میں تمہارے لئے پیروی کے بہترین نمونے ہیں۔

میرے بزرگو اور بھائیو!

یاد رکھئے کہ یہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن حقیقت ہے کہ ہم مسلمان جب تک اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں رحمت عالم ﷺ کی سیرت مقدسہ کا اتباع اور پیروی نہ کریں گے۔ ہرگز ہرگز ہم فلاح دارین سے سرخرو اور سرفراز نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہمیں لازم ہے کہ اپنے اپنے اقوال و افعال اپنی عبادت و ریاضت، اپنی کمائی اور تجارت، اپنی خوراک و پوشاک اپنی شادی و غمی، اپنی موت و حیات غرض ہر ہر بات میں رسول کائنات ﷺ کی اتباع اور فرمانبرداری کو اپنا سب سے قیمتی سرمایہ حیات و سامان نجات سمجھیں

ہمیں کرنی ہے شہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

عالمی امن کیونکر ہو:۔ مسلمانو! آج دنیا میں جو ہر طرف انسانوں میں ایک بے چینی کی لہر، اور بے امنی کا دور دورہ ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آج دنیا نے رہبر اعظم نبی برحق ﷺ کی سیرت مقدسہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

حضرات! حضور اقدس ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں سب سے زیادہ انوکھا پن اور بہترین خوبی یہ ہے کہ آپ کی مقدس تعلیم نے دنیا میں ہر چیز کے کچھ حقوق و حدود مقرر فرما کر ہر چیز کو اس کا اصلی مقام عطا فرمایا ہے۔ اور یاد رکھئے کہ کوئی بھی چیز ہو جب تک اس کو اس کا اصلی مقام نہیں مل جاتا وہ ہمیشہ بے چین اور بے قرار رہتی ہے اور جب اس کو اس کا اصلی مقام حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو ضرور بالضرور سکون و اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک پتھر کا اصلی مقام زمین کے اوپر ہے۔ اب اگر آپ اس پتھر کو اوپر ہوا میں پھینک دیں۔ تو یہ برابر گردش میں رہتے ہوئے زمین پر گرنے کے لئے بے چین رہے گا اور اس وقت تک ساکن نہیں ہو گا جب تک کہ وہ اپنے اصلی مقام یعنی زمین پر نہ پہنچ جائے۔ اسی طرح ایک مچھلی کا اصلی مقام پانی ہے۔ اب اگر آپ کسی مچھلی کو پانی میں سے نکال کر مسہری کے اوپر مخمل کے گدے پر لٹا دیں تو وہ برابر تڑپتی اور بے چین ہی رہے گی اور اس وقت تک اس کو قرار نہیں ملے گا۔ جب تک وہ اپنے اصلی مقام پانی میں نہ پہنچ جائے۔ یوں ہی اگر آپ کسی انسان کو دریا میں پھینک دیں تو جب تک اس کو زمین کی تہہ نہ مل جائے وہ برابر بے چین ہو کر ہاتھ پاؤں مارتا ہی رہے گا۔ تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کو اس کا اصلی مقام حاصل نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ چیز بے چین اور بے قرار رہتی ہے۔ تو آج دنیا میں انسانوں کی بے چینی اور بے قراری کا راز یہی ہے کہ انسان کو اس کی انسانیت کا اصلی مقام نصیب نہیں ہوا ہے۔ ایک انسان کا اصلی مقام کیا ہے؟ اور پھر انسانوں کے مختلف طبقات کے اصلی مقامات کون کون ہیں؟ ان تمام مسائل کا حل، اور ان تمام سوالوں کا جواب سوائے نبی عربی ﷺ کی سیرت مقدسہ اور اسوۂ حسنہ کے اور کسی دوسری جگہ مل ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ آپ ہی کی سیرت مقدسہ اور اسوۂ حسنہ کا یہ کمال ہے کہ آپ نے کائنات عالم میں ہر چیز کے حقوق و حدود معین و مقرر فرما کر سب کو اس کا اصلی مقام بخش دیا ہے۔ اس لئے آپ کی مقدس تعلیم پر عمل کر لینے سے چونکہ ہر چیز کو اس کا اصلی مقام مل جاتا ہے اس لئے قدرتی طور پر ہر ہر چیز کی بے چینی دور ہو جاتی ہے اور پوری دنیا امن و سکون کی ایک جنت بن جاتی ہے۔

حضرات! کون نہیں جانتا کہ سرکار دو جہاں ﷺ نے جمادات نباتات حیوانات، انسان، پھر اس کے مختلف طبقات، یعنی مزدور و سرمایہ دار، کسان و مالک، زمین، حکام اور رعیت، بچے،

عورت، مرد، بوڑھے، جوان، پڑوسی، خاندان، یہاں تک کہ خود انسان کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، غرض ہر ایک عضو سب کے حقوق و حدود سب کے وظائف زندگی اور فرائض حیات معین و مقرر فرما کر سب کو اس کا اصلی مقام عطا فرما دیا ہے۔ اس طرح سب کو سکون و اطمینان اور امن و امان کی بہشت میں پہنچا دیا ہے اسی لئے قرآن کا فرمان ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی اے انسانو! اگر تمہیں تمام جہاں کا سکون و اطمینان اور عالمی امن و امان پیارا ہے تو اس کا واحد یہی علاج ہے کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو اور رہبر عالم نبی برحق کے بتائے ہوئے اس اصول پر کاربند ہو جاؤ۔

فَاٰتُوْا كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ

یعنی ہر حق دار کو اس کا حق دے دو۔

مگر افسوس کہ آج دنیا رحمت عالم کے اس سنہرے اصول کو چھوڑ کر "عالمی امن" کے لئے کبھی "اقوام متحدہ" کے آفس کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھتی ہے اور کبھی دنیا کے تین بڑوں اور کبھی دنیا کے پانچ بڑوں سے آس لگائے ہوئے تین پانچ کے چکر میں پڑی ہوئی ہے۔ اقوام متحدہ کے وہ سفید پوش ڈاکو جو ساری دنیا کے حقوق غصب کئے ہوئے بیٹھے ہیں بھلا وہ عالمی امن کیونکر قائم کر سکتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان لیڈروں سے عالمی امن کی امید رکھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ امید رکھے کہ کولتار بھرے ہوئے پیپے میں سے گھی نکلے گا یا کونین سے شکر کی مٹھاس کا کام لیا جائے گا۔ افسوس!

ان سے ہم کو وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے!

حضرات گرامی! اس موقع پر مجھے ڈاکٹر اقبال کے چند اشعار یاد آ گئے جس کو انہوں نے "سلطنت" کے عنوان سے زیب قرطاس کیا ہے

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیہ اِنَّ الْمُلُوْكَ ۔۔۔ سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم گر ۔۔۔ پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا "جمہوری نظام" ۔۔۔ جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے "نیلم پری"
گرمی گفتار اعضائے مجالس الاماں یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو.
آہ! اے نادان "قفس" کو "آشیاں" سمجھا ہے تو

حدیث حقوق:۔ حضرات گرامی! رہبر عالم ﷺ نے "عالمی امن" کے لئے جو "فَاٰتُوا کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ" کا انمول اور تیر بہدف نسخہ پیش فرمایا ہے یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پوری حدیث آپ کو سنادوں۔ پوری حدیث شریف اس طرح ہے کہ ایک صحابی اس قدر عبادت گزار تھے کہ ساری رات تہجد گزار اور دن بھر روزہ دار رہتے تھے۔ نہ انہیں بیوی بچوں کی فکر ہوتی تھی نہ اپنے تن بدن کے آرام و راحت کا خیال تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں بلا کر یہ نصیحت فرمائی کہ میں تمام دنیا کے انسانوں سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا اور اس کا متقی بندہ ہوں۔ مگر اس کے باوجود میں رات کے کچھ حصہ میں آرام کرتا ہوں اور کچھ حصے میں عبادت بھی کرتا ہوں۔ ہر ماہ میں چند دنوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور چند دنوں افطار بھی کرتا ہوں، پھر ان صحابی سے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ لِرَبِّکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.
فَاٰتُوْا کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ."

یعنی تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔
لہٰذا تم ہر حق والے کو اس کا حق دیا کرو۔

حقوق زوجین:۔ برادران ملت! حقوق زوجین کا تذکرہ آ گیا ہے تو اس معاملے میں بھی تعلیم نبوت کی تجلی کا جلوہ دیکھئے کون نہیں جانتا کہ غریب عورتوں کی ملک عرب بلکہ تمام دنیا میں کوئی عزت و عظمت ہی نہیں تھی۔ مرد عورتوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے

مگر رہبر عالم ﷺ کی مقدس تعلیم اور آپ کے اسوۂ حسنہ نے عورتوں اور مردوں کے حقوق و حدود مقرر فرما کر عورتوں کو اتنا بلند اور باعزت مقام بخش دیا کہ تمام اقوام عالم کے سماج میں اس کی نظیر و مثال نہیں مل سکتی۔ غور فرمائیے کہ اگر ایک طرف تعلیم نبوت نے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ فرما کر مردوں کو عورتوں پر حاکم بنا دیا تو دوسری طرف وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فرما کر عورتوں کے ساتھ معاشرہ کی بھلائی کا حکم دے کر مردوں کو عورتوں کے حقوق کا محکوم بنادیا اور اس طرح عورتوں مردوں دونوں کو حقوق و حدود کی بندشوں میں جکڑ کر ایک دوسرے کا حاکم و محکوم بنادیا۔ پھر هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ فرما کر عورتوں و مردوں کو حکم دے دیا کہ تم دونوں ایک دوسرے کا لباس ہو جس طرح لباس آدمی کو راحت و زینت دیتا ہے۔ اسی طرح تم ایک دوسرے کے لئے راحت اور زینت کا سامان بن جاؤ۔

میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس:۔ برادران ملت! آپ نے غور کیا ایک میاں بیوی کے معاشرہ اور تعلقات کے بارے میں قرآن حکیم نے کتنا حکیمانہ کلام ارشاد فرمایا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! ان چھوٹے چھوٹے دو جملوں میں خداوند قدوس نے میاں بیوی کے تعلقات زوجیت کے تمام گوشوں پر کتنی نفیس روشنی ڈال دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو۔ اس آیت میں حضرت حق جل مجدہٗ نے عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ دیکھئے! لباس انسان کے لئے پردہ پوش ہوتا ہے۔ لباس انسان کے لئے زینت ہوتا ہے۔ لباس انسان کو گرمی، سردی اور قسم قسم کی تکلیفوں سے بچالیتا ہے تو خداوند قدوس نے عورتوں اور مردوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ایک دوسرے کا لباس ہو اس لئے تم اس طرح زندگی بسر کرو کہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرو ایک دوسرے کے لئے اپنے عمل و کردار سے سامان زینت بن جاؤ اور ایک دوسرے کی تکالیف کو دور کردو۔

حضرات! کوئی آدمی بھی عیوب و نقائص سے خالی نہیں ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر عورت و مرد میں کچھ نہ کچھ عیوب ضرور ہوں گے۔ اس لئے ایک بیوی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کے عیب کو لباس کی طرح چھپالے اور ہرگز ہرگز کبھی اس کے عیوب کو ظاہر کر کے اس کو ذلیل و خوار اور بدنام و رسواء نہ کرے اسی طرح ہر مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیوی کے تمام

عیوب کا پردہ پوش بن جائے اور ہرگز ہرگز اس کے عیوب کو کسی دوسرے کے سامنے بیان کر کے اس کی تحقیر و تذلیل نہ کرے کیونکہ ہر عورت اپنے شوہر کا لباس ہے اور ہر مرد اپنی عورت کا لباس ہے اور لباس کا یہی کام ہے کہ وہ پردہ پوشی کرتا ہے۔ پردہ دری نہیں کرتا۔ اسی طرح ہر عورت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے عمل و کردار سے اپنے شوہر کی زندگی کو سنوار دے اور اپنے شوہر کے لئے ذریعہ عزت و سامان زینت بن جائے اور ہر مرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے چال چلن اور رہن سہن اور حسن سلوک سے اپنی بیوی کی زندگی کو حسین سے حسین تر بنائے اور اپنے مردانہ کارناموں سے اپنی بیوی کے لئے سرمایہ عزت و ذریعہ زینت بن جائے۔ کیونکہ ہر عورت اپنے مرد کا لباس ہے اور لباس کا یہی کام ہے کہ وہ لباس والے کو زینت بخشتا ہے۔ اسی طرح ہر عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کو ہر قسم کی تکلیفوں سے بچائے اور ہر شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی رفیق زندگی کی تمام تکلیفوں کو دور کرے کیونکہ ہر عورت اپنے مرد کا لباس ہے اور ہر مرد اپنی بیوی کا لباس ہے اور لباس کا یہی کام ہے کہ وہ گرمی سردی وغیرہ کی تکلیفوں سے بدن کو بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے۔

الغرض پیغمبر اسلام ﷺ کی مقدس تعلیم اور اسوۂ حسنہ نے عورت و مرد کو حقوق و حدود کی بندشوں میں جکڑ کر ان کی زندگی کو اتنا حسین بنادیا ہے کہ تمام دنیا کے مصلحین کا دفتر اصلاح اس معاشرہ کی مثال نہیں پیش کر سکتا۔

حضرات! اس بد عملی کے دور میں جب کہ ہر گھر میں جوتے کے اندر دال بٹ رہی ہو میں کہاں سے آپ کو ایسے نمونے دکھاؤں کہ کس طرح ایک عورت اپنے شوہر کی زندگی کو زینت بخشتی اور حسین بناتی ہے مگر ہاں آیئے! اور رہبر اعظم و ہادی عالم ﷺ کے آغوش تربیت کے پروردہ صحابہ کرام کی زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ کو هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ کا جلوہ نظر آئے گا۔

ابو طلحہ کی مہمان نوازی:۔ حضرات! روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کی ایک رات بارگاہ نبوت کے ایک مہمان کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ کیا گھر میں کچھ کھانا موجود ہے؟ بیوی نے عرض کیا کہ صرف ایک آدمی کی خوراک ہے آپ نے حکم دیا کہ بچوں کو بھلا پھسلا کر سلا دو اور کھانا مہمان کے سامنے

رکھ دو۔ پھر تم چراغ کی بتی درست کرنے کے بہانے سے اٹھو اور ایک دم چراغ کو بجھا دو پھر ہم اور تم دونوں اندھیرے میں مہمان کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ جائیں۔ اور مہمان کو دکھانے کے لئے ہم دونوں برتن میں ہاتھ ڈالتے رہیں اور یوں ہی منہ چلاتے رہیں تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم دونوں بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ اس طرح مہمان شکم سیر ہو کر کھانا کھالے گا اور ہم دونوں بھوکے سو رہیں گے۔ چنانچہ بی بی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے تو بچوں کو سلا دیا۔ پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر چراغ کو بجھا دیا اور میاں بیوی دونوں مہمان کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ مہمان کھاتا رہا اور یہ دونوں میاں بیوی برتن میں ہاتھ ڈالتے اور منہ چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا اور اندھیرے میں اس کو یہ معلوم بھی نہیں ہو سکا کہ میاں بیوی بھوکے رہ گئے ہیں۔ (بخاری ج2 ص725)

برادران ملت! دیکھ لیجئے کس طرح ایک مومن مرد اور ایک صاحبان ایمان بیوی نے اپنے عزم و صبر سے اپنے گھر کی عزت کو چار چاند لگا دیا اور آنے والے مہمان پر اپنی غریبی اور مفلسی کا راز ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یہ ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ کا جلوہ جو رہبر عالم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور ان کی مقدس تعلیم کے سوا کہیں بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔

ام سلیم کا شاہکار:۔ حضرات! بی بی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر آ گیا ہے تو ان کا ایک اور کارنامہ بھی سن لیجئے ان کا ایک بچہ بیمار تھا۔ ان کے شوہر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب روزی کمانے کے لئے صبح کو مکان سے نکلے تو بچے کی حالت بہت نازک تھی چنانچہ وہ ابھی باہر ہی تھے کہ بچے کا انتقال ہو گیا۔ بی بی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سوچا کہ دن بھر کا تھکا ماندہ میرا شوہر جب گھر میں آئے گا اور فوراً ہی اس کو بچے کی موت کی خبر معلوم ہو گی تو صدمات سے ان کے سینے میں دل پاش پاش ہو جائے گا۔ اس لئے بی بی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچے کی لاش کو ایک کوٹھری میں رکھ دیا اور خود کھانا پکا کر اور بناؤ سنگار کر کے شوہر کا انتظار کرنے لگیں۔ چنانچہ جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان میں داخل ہوئے تو بچے کا حال پوچھا۔ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت اطمینان اور سکون کے لہجہ میں جواب دیا کہ هَدَأَ نَفَسُهُ یعنی بچے کا سانس ٹھہر گیا ہے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھا کہ بچے کے سانس میں جو گڑ گڑاہٹ تھی اس میں سکون ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے رات کا کھانا کھایا اور بیوی سے صحبت

بھی کی۔ جب سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ سونے لگے تو ان کی بیوی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میرے پیارے شوہر! میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتی ہوں تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی کی کوئی امانت ہمارے پاس رکھی ہوئی ہو اور وہ شخص دن یارات میں کسی وقت بھی ہم سے اپنی امانت طلب کرے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہمیں خوشی خوشی اس کی امانت دے دینی چاہئے۔ اس کے بعد ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میرے سرتاج! ہمارا بچہ کیا تھا؟ خدا کی ایک امانت ہی تو تھی۔ آج اس نے اپنی امانت کو ہم سے طلب کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرا کر بستر سے اٹھ بیٹھے اور حیران ہو کر پوچھا کہ کیا واقعی میرا بچہ انتقال کر گیا۔ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ہاں بچہ فوت ہو گیا اور اس مرحوم کی لاش کوٹھڑی میں رکھی ہوئی ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ "ھَدَأَ نفسهٗ" یعنی اس کا سانس تھم گیا ہے۔ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ میرے سرتاج! انتقال کے بعد ہی تو انسان کا سانس ٹھہر جاتا ہے۔ (بخاری ج2ص917)

ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے حد رنج ہوا۔ افسوس! میرے بچے کی لاش گھر میں پڑی رہی اور میں نے بھر پیٹ کھانا کھایا اور بیوی سے ہم بستری کی۔ بی بی ام سلیم نے عرض کی۔ میرے پیارے میں نے اسی لئے صاف لفظوں میں آپ کو بچے کی وفات کا پتہ نہیں دیا تھا کہ اگر گھر میں آتے ہی آپ کو بچے کی وفات کا علم ہو جاتا تو آپ دن بھر کے تھکے ہارے صدمات سے نڈھال ہو جاتے۔ نہ کھانا کھاتے نہ چند لمحہ کے لئے بستر سے پیٹھ لگاتے۔ اب جب کہ آپ نے کھانا بھی کھالیا اور کچھ آرام بھی کر لیا تو میں نے یہ خبر سنائی ہے۔ یہ سب کچھ میں نے آپ کی دلجوئی اور راحت رسانی کے لئے کیا ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی کے اس جذبہ جاں نثاری و خدمت گزاری پر حیران رہ گئے اور ان کے دل میں اپنی بیوی کی محبت کا سمندر موجیں مارنے لگا۔ پھر جب ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر کے لئے مسجد نبوی میں گئے تو صورت دیکھتے ہی رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! رات تم میاں بیوی نے جو کچھ کیا پروردگار عالم اس سے خوش ہو گیا اور تمہیں مبارک ہو کہ خداوند عالم عنقریب تمہیں ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا جو مرنے والے بچہ کا نعم البدل ہو گا۔

مسلمانو! اللہ اکبر۔ بی بی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سینے میں ایک ماں کا دل تھا۔ ایک ماں کا بچہ مر جائے تو رنج و غم سے اس کا کیا حال ہو گا؟ مگر بی بی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر کی دلجوئی اور دلداری کے لئے اتنا بڑا پہاڑ اپنے دل پر رکھ لیا کہ بچے کی لاش گھر میں رکھی ہوئی ہے اور وہ اپنے شوہر کی ہر خدمت اس طرح انجام دے رہی ہیں کہ گویا ان کے دل پر کوئی صدمہ ہی نہیں ہے۔ خود صدمات سے نڈھال ہیں مگر شوہر کا دل دکھ جائے یہ گوارا نہیں ہے سبحان اللہ! حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا۔

زن نیک رد نیک خو پارسا

کند مرد درویش را پادشا

یعنی عورت اگر خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ نیک سیرت اور پاک دامن بھی ہو تو وہ اپنے فقیر شوہر کو بھی بادشاہ بنادیتی ہے۔

برادران اسلام!

آپ ہی بتائیے! حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بی بی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میاں بیوی کی خوشگوار زندگی اور محبت زوجین کا جو بے مثال نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے یہ کس کی تعلیم کا ثمرہ ہے؟ اس کے سوا آپ اور کیا کہیں گے؟ یہ نبی رحمت ہادی عالم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ کاش مسلمان اپنے مقدس نبی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے تو آج گھر گھر میں جو میاں بیوی کی جنگ کا طوفان آیا ہوا ہے۔ ساری دنیا کو اس جنگ کی آگ سے نجات مل جاتی اور ہر مرد و عورت کی زندگی امن وامان اور خوش حالی کی جنت بن جاتی۔

لیڈی اور صاحب بہادر:۔ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں نے اپنی عورتوں کو لیڈی بنا کر کلبوں اور پارکوں میں آزاد پھرا کر اور انہیں غیر مردوں سے دوستی اور ملاقات کا عادی بنا کر عورتوں کے دلوں سے شوہروں کی محبت کا جنازہ نکال دیا۔ آج کون نہیں جانتا کہ بہت سے شوہر اپنی موت کے بستروں پر ہسپتال میں خون تھوک رہے ہیں اور ان کی لیڈیاں کلبوں اور پارکوں میں اپنے دوستوں اور آشناؤں کے ساتھ گلچھرے اڑا رہی ہیں اسی طرح بہت سے مرد صاحب بہادر بنے ہوئے غیر عورتوں کے ساتھ کلبوں اور پارکوں میں مٹر گشت کرتے پھرتے ہیں اور ان کی بیویاں اپنے شوہر کے پیار و محبت کے لئے ترس ترس کر گھٹتی اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر

مر جاتی ہیں۔ آج ہزاروں لاکھوں عورتیں اپنے شوہروں کی الفت و محبت سے محروم، اور ہزاروں لاکھوں مرد اپنی عورتوں کے پریم و پیار سے محض اسی لئے بے بہرہ ہیں کہ ان عورتوں اور مردوں نے رحمت عالم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور عورتوں مردوں نے ایک دوسرے کے حقوق کو پامال کر دیا۔ ان مغرب زدہ لیڈروں کے بارے میں ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے ۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مد نظر وضع مشرق کو جانتی ہیں گناہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اسی طرح ان مصنوعی صاحب بہادر قسم کے جنٹل مینوں پر بھی اکبر الہٰ آبادی مرحوم نے نہایت ہی بہترین طنز فرماتے ہوئے بہت ہی خوب لکھا ہے۔

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

برادران ملت! ہائے افسوس! میں کس کس چیز کا رونا آپ کے سامنے روؤں مثل مشہور ہے کہ "اونٹ رے اونٹ" تیری کون سی کل سیدھی؟" پیدائش سے لیکر موت تک ہم مسلمانوں کی تمام تقریبات سینکڑوں خلاف شریعت اور فضول رسموں سے بھری پڑی ہیں۔ قدم قدم پر اسوۂ رسول کی مخالفت ہمارا شیوہ اور خلاف شرع اعمال و افعال ہمارا طریقہ کار بن چکا ہے اور ہم رحمت عالم کی سیرت مبارکہ اور رہبر عالم کے اسوۂ حسنہ سے منہ موڑ کر صراط مستقیم سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

شادی کی لغو رسوم:۔ کون نہیں جانتا کہ نکاح سنت رسول ﷺ ہے مگر کتنے مسلمان ہیں اس سنت مبارکہ کو سنت کے مطابق ادا کرتے ہیں؟ آج ہم مسلمان شادی بیاہ میں سینکڑوں ایسی لغو اور فضول رسموں کے وبال میں گرفتار ہو چکے ہیں جن میں بہت سی رسمیں سراسر شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں۔ رسم منگنی، فضول خرچیاں، ڈال بری کی مسرفانہ بیہودہ رسمیں، ناچ، باجہ، تماشہ، آتش بازی، رت جگا میں رات بھر عورتوں کا ڈھول بجا بجا کر گیت گانا اور رات بھر گلگلے پکا

کر صبح کو جھنڈ کے جھنڈ جوان جوان کنواری لڑکیوں کا ڈھول بجا بجا کر گاتے ہوئے مسجد کا طاق بھرنے کے لئے جانا۔ مٹی کا چراغ تیل ڈال کر بھی جلایا جا سکتا ہے۔ مگر آٹے کا چراغ بنا کر گھی سے چراغ جلانا دولہا کو سسرال بلا کر جوان جوان لڑکیوں کا اس سے ہنسی مذاق کرنا۔ قدم قدم پر بے جا اسراف اور فضول خرچیاں یہ ہم مسلمانوں کی وہ بیہودہ رسمیں ہیں جو سراسر شریعت کے خلاف ہیں اور آج ان فضول خرچیوں ہی کی یہ نحوست ہے کہ مسلمانوں کے سینکڑوں گھرانے تباہ و برباد ہو گئے مگر افسوس! ہم مسلمان ان خلاف شرع رسموں کے اتنے پابند ہو گئے ہیں کہ سینکڑوں جوان لڑکیاں صرف اس لئے ان کی شادیاں نہیں کی جا رہی ہیں کہ ان فضول رسموں کو ادا کرنے کے لئے روپے نہیں ہیں۔ کاش! مسلمان اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے اور دیکھتے کہ شہنشاہ دو جہاں ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے کہ شہنشاہ دو جہاں ﷺ نے اپنی شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کس طرح فرمائی۔

شہزادی اسلام کی شادی:۔ مسلمانو! شہزادی اسلام، جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ بتول کی شادی پر ایک نگاہ ڈالو اور عبرت پکڑو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نکاح کا پیغام آیا اور حضور رحمتہ للعالمین ﷺ نے مسجد نبوی کے اندر انصار و مہاجرین کے مجمع میں خطبہ پڑھا۔ اور عقد فرما دیا اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہو گئی۔ حفیظ جالندھری نے اس مقدس شادی کی بہترین منظر کشی کی ہے۔

چند شعر سن لیجئے۔

مہاجر اور انصار مدینہ جمع تھے سارے ۔۔۔ اتر آئے تھے گویا دن کو اس تقریب میں تارے
نہ کوئی باجہ گاجا تھا نہ کوئی شور و ہنگامہ ۔۔۔ نہ شہنائی نہ نقارہ نہ دف تھی اور نہ دمامہ
نہ رنگا رنگ پوشاکیں نہ کنگن تھا نہ زیور تھا ۔۔۔ وہی تھے شاہ مرداں اور وہی مردانہ چہرہ تھا
رسول اللہ خود موجود تھے محراب مسجد میں ۔۔۔ کمی کرتا کوئی پھر کس طرح آداب مسجد میں

ہوا یہ عقد عالی شان معمولی طریقے سے
ہوئے تقسیم خرمے غیر معمولی سلیقے سے

اور شہنشاہ دو عالم نے اپنی شہزادی کو جو جہیز کا سامان دیا۔ ذرا اس کی بھی فہرست سن لو اور عبرت پکڑو کہ آج اگر ہماری لڑکیوں کے جہیز میں "ریڈیو" نہ ہو تو گویا جہیز میں کچھ ملا ہی نہیں۔

مسلمانو۔ للہ ایک طرف اپنی فضول خرچیوں پر نظر کرو اور ایک طرف اسوۂ رسول کو دیکھو اور عبرت پکڑو۔ سنو حضرت خاتون جنت کا جہیز کیا تھا۔

متاع دنیوی جو حصہ زہرا میں آئی تھی! کھجوری کھردرے سے بان کی اک چارپائی تھی
گھڑے مٹی کے دو تھے اور ایک چمڑے کا گدا تھا نہ ایسا خوشنما تھا یہ نہ بد زیب اور بھدا تھا
مشقت عمر بھر کرنا تھا لکھا جو مقدر میں ملی تھیں چکیاں دو تا کہ آٹا پیس لیں گھر میں
وہ زہرا جس کے گھر تسنیم و کوثر کی تھی ارزانی ملی تھیں مشک ان کو تا کہ خود لایا کریں پانی
چلی تھیں باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی پہنے حیا کی چادریں، عفت کا جوڑا، صبر کے گہنے
پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہرا اپنے گھر آئی
توکل کے خزانے، دولت مہر و فا لائی

برادران اسلام!

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور ہادی عالم ﷺ نے اس عالم میں ہر انسان کے لئے حقوق کی ایسی حد بندیاں اور ہر قول و عمل پر حدود و احتساب کی ایسی پابندیاں لگا دی ہیں کہ ہر انسان کو اس کا جائز حق اور مناسب مقام مل گیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا سے اعصابی جنگ اور کشیدگی و اضطراب کا خاتمہ یقینی ہے۔ میاں، بیوی والدین اور اولاد، بھائی بہن اور رشتہ دار، اجنبی اور پردیسی مزدور و سرمایہ دار، کسان و زمیندار غریب و مالدار، حاکم و محکوم، بادشاہ اور رعایا سب کے لئے حقوق و فرائض کا ایسا جامع قانون بنا دیا ہے کہ اگر آج دنیا رسول اللہ ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے تو "عالمی امن" جس کی تلاش میں آج ساری دنیا سرگرداں ہے وہ دست بستہ ہر انسان کے قدم چومتا نظر آئے گا۔

والدین و اولاد کے حقوق:۔ آپ غور فرمایئے کہ والدین اور اولاد میں اختلاف اور جھگڑا کیوں ہوتا ہے؟ اگر آپ اس کا تجربہ کریں گے تو یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ والدین بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور بچے والدین کے حقوق سے غافل رہتے ہیں۔ تعلیم نبوت نے ان دونوں کے حقوق معین فرما دیئے ہیں۔ اگر فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا فرما کر اولاد پر حقوق والدین کا یہ بار گراں لاد دیا ہے کہ وہ کبھی اپنے ماں باپ کو "اف" بھی نہ کہیں، نہ کبھی جھڑک کر ان سے بات کریں تو فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فرما کر والدین کے سر پر

بھی ایک بہت بڑی ذمہ داری کا پہاڑ رکھ دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرتے رہیں۔

پڑوسی کا حق:۔ اسی طرح ہر مسلمان پر اس کے پڑوسی کا بھی حق ہے اور اتنا بڑا حق ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:۔

وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ.

یعنی خدا کی قسم وہ کامل الایمان نہیں۔ خدا کی قسم وہ کامل الایمان نہیں۔ خدا کی قسم وہ کامل الایمان نہیں۔

قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون شخص ہے جس کا ایمان کامل نہیں تو ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِیْ لَا یُؤْمِنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ.

یعنی اس شخص کا ایمان کامل نہیں جس کا پڑوسی اس کے ظلم اور شر سے بے خوف نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص422)

اور ایک روایت میں یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ

یعنی وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے مظالم سے بے خوف نہ ہو۔

حقوق المسلمین:۔ اسی طرح ہر مسلمان کے بارے میں فرمایا کہ:۔

اَلْمُسْلِمُ اَخُوا الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَتِہٖ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ سَتَرَعَنْ مُسْلِمٍ سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ. (مشکوٰۃ ص422)

یعنی ایک مسلمان ایک مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو ہلاکت میں ڈالے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا رہے گا اور جو کسی مسلمان کی

چھوٹی سی تکلیف اور بے چینی کو دور کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی روز قیامت کی تکلیفوں اور بے چینیوں میں سے ایک بڑی تکلیف کو دور فرما دے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا:۔

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ.

یعنی ہر مسلمان پر ہر مسلمان کا خون اور اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔ (مشکوٰۃ ص422)

رشتہ داروں کے حقوق:۔ اسی طرح ہر رشتہ دار کا اس کے رشتہ دار پر حق ہے اور اس حق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمایا:۔

لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰى قَوْمٍ فِيْهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ

یعنی اس قوم پر رحمت الٰہی کا نزول نہیں ہو گا۔ جس قوم میں ایک آدمی بھی اپنے رشتہ دار سے قطع تعلق کرنے والا موجود ہو گا۔

(مشکوٰۃ ص420)

مزدور و سرمایہ دار:۔ اسی طرح مزدور کے حق کو سرمایہ دار کے سر پر مسلط فرما دیا کہ وہ مزدور پر ہرگز ہرگز کوئی ظلم نہ کرے اور مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی اس کی مزدوری ادا کر دے اور ایک حدیث میں تو سرکار دو عالم ﷺ نے یہاں تک فرمایا۔ خداوند عالم کا فرمان ہے۔ تین شخص ایسے ہیں کہ میں قیامت کے دن ان کے مقابلہ میں مدعی بنوں گا۔ ایک وہ شخص جس نے میرے نام سے کوئی عہد کیا پھر عہد شکنی کر کے اپنے وعدے سے پھر گیا۔ دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو غلام بنا کر بیچ دیا پھر اس کی قیمت کھائی تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور سے پورا پورا کام لے کر اس کی مزدوری نہیں ادا کی۔ (مشکوٰۃ ص258)

حاکم و محکوم:۔ اسی طرح حاکم و محکوم اور بادشاہ و رعایا کے حقوق مقرر فرما کر ارشاد فرمایا:۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ

یعنی ہر شخص حاکم و نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص سے اس کی

رعیت کے بارے میں پرسش کی جائے گی۔

الغرض نوع انسانی کے ہر طبقہ کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے خاص خاص حقوق مقرر فرما کر سب کو اپنی جگہ مطمئن فرمادیا ہے اور ہر ایک کو اس کا خاص حصہ اور اصلی مقام بخش دیا ہے۔ اس لئے تعلیم نبوت اور اسوۂ رسول پر عمل کرنے سے دنیا کی طبقاتی جنگ کا خاتمہ اور "عالمی امن" ضروری ہے۔

اسوۂ رسول کی جامعیت:۔ برادران ملت! رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے بارے میں ایک بہت ہی خاص بات اور بھی سن لیجئے۔ میرے آقا مدینہ کے تاجدار ﷺ کی بعثت تمام عالم کے لئے ہے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:۔

اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً

یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جن وانس کے تمام طبقات کے لئے آپ کی ذات بابرکات میں "اسوۂ حسنہ" موجود ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بادشاہ ہو تو وہ بھی رسول کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر سکتا ہے کیونکہ آپ سلطان کونین اور دونوں جہاں کے بادشاہ بھی تھے اور اگر کوئی فقیر ہو تو اس کے لئے بھی اسوۂ رسول شمع ہدایت بن سکتا ہے۔ کیونکہ آپ شہنشاہ دوعالم ہوتے ہوئے بھی فقیری کی زندگی بسر فرماتے تھے ارو آپ کی خوراک وپوشاک مکان وسامان، نشست وبرخاست ہر چیز میں "الفقر فخری" کی تجلیاں نظر آتی تھیں اور اگر کوئی سرمایہ دار ہو تو وہ بھی آپ کے اسوۂ حسنہ سے درس عمل حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ آپ اس قدر دولت دارین کے مالک تھے کہ ایک ایک مجلس میں اپنی امت کے ہزاروں فقیروں کو اتنا اتنا مال عطا فرمادیا کہ فاقہ مستی نہال اور دولت سے مالامال ہوگئے۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں!
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اور اگر کوئی مزدور ہو تو وہ بھی اسوۂ رسول پر عمل کر کے بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو سکتا ہے کیونکہ تاجدار مدینہ ﷺ تعلیم امت کے لئے اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ خندق کھودتے اور اپنے سر اقدس پر مٹی کی ٹوکری اٹھاتے رہے! اسی طرح ایک لشکر کا سپاہی اور فوج کا جنرل بھی

آپ کے اسوۂ حسنہ سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے جنگ بدر و احد اور غزو
خندق و حنین وغیرہ میں اسلامی لشکر کی سپہ سالاری بھی فرمائی اور جنگ احد میں ہتھیار پوش ہ
کر میدان جنگ میں کفار سے دست بدست قتال بھی فرمایا۔ یوں ہی ایک تاجر بھی آپ کے اسو
حسنہ کو اپنے لئے نمونہ عمل بنا سکتا ہے کیونکہ آپ نے برسوں تجارت بھی فرمائی اسی طرح ایک
مصنف اور جج بھی آپ کے طریقہ عمل کو اپنے لئے شاہراہ ہدایت بنا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے
جج بن کر اپنی امت سینکڑوں خدمات میں اس طرح حق فیصلہ فرمادیا کہ وہ تمام دنیا کے عدل و
انصاف کا بہترین معیار ہیں۔ اسی طرح ایک کنوارا اور ایک بیوی بچوں والا دونوں اسوۂ رسول کو
اپنی معاشرت کے لئے روشنی کا منارہ بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ پچیس
برس کی عمر تک کنوارے رہے۔ پھر شوہر بنے۔ پھر بچوں کے باپ بنے۔

غرض ہر انسان خواہ وہ کسی طبقے کا ہو، مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا۔ شمال کا والا ہو یا
جنوب کا۔ گورا ہو یا کالا۔ ہر ایک کے لئے ہر جگہ میں رسول خدا ﷺ کا اسوۂ حسنہ "آفتاب
ہدایت" ہے۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے

ختمہائے کانبیا بگذاشتند
آں بدین احمدی برداشتند

مطلب یہ ہے کہ رموز و اسرار دین کی وہ تمام مہریں جن کو انبیائے سابقین نے بغیر توڑے
ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ پیارے رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مہروں کو توڑ کر دین احمدی میں اپنے
اسوۂ حسنہ سے رموز و اسرار دین کے تمام مخفی خزانوں کو ظاہر فرمادیا۔

قفلہائے ناکشودہ ماندہ بود
از کف اِنَّا فَتَحْنَا برکشود

اسرار دین کے خزانوں پر اب تک جتنے قفل پڑچکے تھے آپ نے انا فتحنا کے اشارے
سے ان تمام تالوں کو کھول دیا۔

بہر ایں خاتم شدہ ست او کہ بجود
مثل اونے بود و نے خواہند بود

یعنی حضور ﷺ کا لقب خاتم النبیین اسی لئے ہوا کہ ہر قسم کی جود و سخا میں نہ کبھی آپ کا کوئی

مثل ہوا اور نہ کبھی کوئی آپ کا مثل ہو گا۔

برادران ملت! اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ انسانیت کے اوراق اور مذاہب عالم کے پیشواؤں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ میرے آقا محمد فداہ امی وابی ﷺ کا اسوۂ حسنہ انسانیت کی صلاح و فلاح کے لئے سب سے بہترین سب سے اعلیٰ۔ سب سے اکمل اور انمول نسخہ کیمیا ہے۔ اور ماضی وحال نیز مستقبل میں انسانیت کی فوز و فلاح اور ترقی درجات کے لئے دین محمدی اور اسوۂ رسول سے بہتر نہ کوئی دستور ہے نہ کوئی نظام نہ کوئی دین ہے نہ کوئی پیغام!

اسی لئے خلاق عالم جل شانہ کا فرمان ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً.

یعنی یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کی امید رکھتا ہے۔

مگر ہاں! میرے بزرگو! اور بھائیو! یہ اور بات ہے کہ جس کو بولنے کی بیماری ہو گی وہ ہمیشہ بولتا ہی رہے گا۔ اس کے سامنے پہاڑ جیسے ہزاروں دلائل بھی پیش کر دو مگر وہ کبھی خاموش نہیں ہو گا! جی ہاں! یاد رکھئے کہ بولنے کی بھی ایک بیماری ہوتی ہے۔ اور یہ اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ ٹی بی اور کینسر تک کے ہسپتال موجود ہیں مگر بولنے کی بیماری کا ساری دنیا میں آج تک کوئی شفاخانہ ہی نہیں کھل سکا۔ گویا یہ لاعلاج بیماری ہے۔

لطیفہ:۔ سنا ہے کہ ایک نواب صاحب کے نوکر "بدھو" کو بولنے کی بیماری تھی۔ چنانچہ ایک دن نواب صاحب نے فرمایا کہ بدھو مجھ کو کل سسرال جانا ہے۔ لیکن میرا پاجامہ بہت ہی صاف دھلایا، استری کیا ہوا موجود ہے۔ حضور میرا پاجامہ پہن لیں اور میں حضور کا پاجامہ پہن لوں گا۔ چنانچہ نواب صاحب نے "بدھو" کا پاجامہ پہنا اور بدھو نے نواب صاحب کا سسرال پہنچ کر نواب صاحب نے بدھو سے فرمایا کہ دیکھو بھئی! سسرال کا معاملہ ہے ہم تو منہ پر رومال رکھ کر خاموش بیٹھے رہیں گے۔ سب لوگوں کے سوالوں کا تمہیں جواب دیتے رہنا اور خبردار۔ خبردار تمہیں حضرت حق جل شانہ کی قسم دلاتا ہوں کہ ہرگز ہرگز کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ میں نے نوکر کا پاجامہ پہنا ہے ورنہ میری نوابی کی ساری عزت و آبرو کا سلفہ ہو جائے گا "بدھو" نے قسم

کھا کے عہد کیا کہ ہر گز ہر گز میں اس راز کو ظاہر نہیں ہونے دوں گا!نواب صاحب تو "دولہا بھائی" کی شان سے ڈیوڑھی کے اندر ایک پلنگ پر براجمان ہو گئے اور بدھو ڈیوڑھی کے باہر پھاٹک پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں چند معززین نواب صاحب کی ملاقات کے لئے آئے اور بدھو سے پوچھا کہ ارے بھائی! دولہا میاں کہاں ہیں؟ تو بدھو نے جواب دیا کہ صاحب! اگر آپ دولہا میاں سے ملاقات کے لئے آئے ہوں تو اندر تشریف لے جایئے اور اگر آپ ان کے پائجامہ سے ملاقات کرنے آئے ہوں تو میرے پاس بیٹھئے۔ ان کا پائجامہ میری ٹانگوں میں ہے اور وہ میرا پائجامہ پہنے ہوئے ہیں۔ نواب صاحب اندر سے بدھو کی گفتگو سن سن کر دل ہی دل میں گھٹ رہے تھے۔ جب ملاقاتی چلے گئے تو نواب صاحب نے ڈانٹ کر فرمایا کہ ابے نالائق تو نے میری عزت کا جنازہ ہی نکال دیا۔ بدھو ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ حضور کیا عرض کروں؟ بس منہ سے بات نکل گئی۔ واللہ باخدا کہتا ہوں کہ اب نہیں بولوں گا۔ اتنے میں ایک دوسرے ملاقاتی آ گئے اور بدھو سے پوچھا کہ دولہا میاں کہاں ہیں؟ تو بدھو نے جواب دیا کہ "دولہا میاں اندر ہیں اور سنئے تو کہ ان کی ٹانگوں میں جو پائجامہ ہے وہ انہیں کا ہے اور یہ شبہ نہ کریں کہ وہ میرا ہے" ملاقاتی صاحب کے جانے کے بعد نواب صاحب نے سر پیٹ لیا کہ ابے مردود! یہ کیا قیامت ہے؟ تو نے مجھے مار ہی ڈالا۔ بار بار منع کرتا ہوں کہ پائجامہ کا ذکر مت کر خرعون کہیں کا مانتا ہی نہیں۔ بدھو گڑگڑا کر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ حضور معاف کر دیں۔ توبہ کرتا ہوں۔ کان پکڑتا ہوں کہ اب نہیں بولوں گا کیا کروں؟ منہ سے بات نکل گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرے چند نواب صاحبان ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اور بدھو سے پوچھا "کہ دولہا میاں کہاں ہیں" تو بدھو نے کہا کہ "دولہا میاں اندر ہیں۔ اور مجھے نہایت قلق اور افسوس ہے کہ میں ان کے پائجامہ کے بارے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے ان کے پائجامہ کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت ہی نہیں ہے؟"

برادران ملت! دیکھ لی آپ نے؟ بولنے کی بیماری! ہے کوئی علاج اس کا؟ تو میرے عزیز دوستو! یہ بیماری جس کو ہو گی وہ تو میرے آقا تاجدار مدینہ کے احمد مختار ﷺ کی شان اقدس میں توہین و تنقیص کی بکواس کرتا ہی رہے گا۔ ورنہ ساری خدائی اور خود خدا گواہ ہے کہ خدا کے نائب اکرم خلیفۃ اللہ الاعظم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی جامعیت وافادیت اور اس کی

عظمت وافضلیت آفتاب عالم تاب سے زیادہ روشن اور تابناک ہے اور دوست تو دوست بڑے سے بڑے دشمن بھی اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ سے بڑھ کر ہادی اعظم ورہبر عالم نہ کوئی پیدا ہوا ہے نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔

امید کی کرن:۔ لیکن بہر حال اس دور پر فتن میں بھی حضرت حق جل مجدہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب بھی ایسے کروڑوں مسلمان ہیں جو اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں محبوب خدا ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر خود بھی عمل کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے سیرت پاک مصطفیٰ ﷺ پر عمل کی تلقین فرماتے ہی رہتے ہیں۔ یہ مقدس نفوس اپنی اس جدوجہد میں کماحقہٗ کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن بہر کیف ان کا یہ مقدس جذبہ ایمانی ہی اس زمانے میں کیا کم فضیلت رکھتا ہے؟ کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے "اسوۂ حسنہ" پر عمل کرنے اور دوسروں کو عمل کی ترغیب دلانے میں ہزاروں رکاوٹوں کے باوجود پہاڑ کی طرح ثابت قدم ہیں۔

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ان مخلص نفوس طیبہ کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ شعر آجاتا ہے ؎

ہر چند بگولہ مضطر ہے، ہر چند وہ خاک آباد سہی!!
اک وجد تو ہے، اک رقص تو ہے، بے چین سہی برباد سہی

مولیٰ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اسوۂ رسول ﷺ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

سولہواں وعظ

سترہواں وعظ

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

جانِ صداقت، روح عدالت شانِ سخاوت، نازِ شجاعت
صدیق و فاروق، عثمان و حیدر اللہ اکبر اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتِمَ النَّبِیِّیْنَ، وَاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ، وَاَصْحَابِهِ الْمُکَرَّمِیْنَ الْمُعَظَّمِیْنَ، وَخُلَفَآئِهِ رَاشِدِیْنَ ، وَعَلَیْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِیْنَ ، اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًاؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِۚۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ (فتح)

محترم حاضرین! میری سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ حضور سلطان کونین، شہنشاہ دارین امام القبلتین، نبی عربی فداہ امی وابی ﷺ کی بارگاہ عظمت میں درودو سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے اور پڑھئے۔

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ   صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ   صَلِّ عَلٰی شَفِیْعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حضرات!

میری آج کی تقریر کا عنوان "خلفاء راشدین" ہے۔ اس لئے پہلے میں حضور احمد مختار ﷺ کے چار یار اور خلفاء باوقار رضی اللہ عنہم کی منقبت میں چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ انتہائی توجہ اور سکون کے ساتھ سنئے۔

جہاں میں جو آئینہ دار نبی ہیں   حقیقت میں وہ چار یار نبی ہیں
رفیق نبی غم گسار نبی ہیں   فدائے نبی، جاں نثار نبی ہیں

بڑا ان کا رتبہ ہے اللہ اکبر
ابوبکر و فاروق و عثمان و حیدر

یہ چاروں خلافت کے مسند نشین ہیں یہ چاروں اراکین دین مبین ہیں
یہی باغبان ریاض یقین ہیں یہی راز دار رسول امین ہیں
یہ محبوب سرور یہ مقبول داور
ابوبکر و فاروق و عثمان و حیدر

یہ پروانے ہیں شمع بزم حرا کے فدائے نبی اور مقرب خدا کے
نمونے ہیں یہ سیرت انبیاء کے یہ پتلے وفا کے، یہ پیکر حیاء کے
یہ عدل مجسم، یہ صدق مصوز
ابوبکر و فاروق و عثمان و حیدر

یہ معراج ایمان کے ہیں چار زینے یہ چاروں ہیں تاج شرف کے نگینے
مجلی ہیں انوار سے ان کے سینے سنوارا ہے ان کو جمال نبی نے
مزکی، مصطفیٰ، مقدس، مطہر
ابوبکر و فاروق و عثمان و حیدر

الٰہی تڑپتی ہے جب تک رگِ جاں محبت رہے انکے سینے میں رقصاں
دلا ان کی ہے جانِ دیں روح ایماں خدا سے دعا ہے یہی میری ہر آں
رہے تادم مرگ میری زبان پر
ابوبکر و فاروق و عثمان و حیدر

برادران اسلام!

ہمارے آقا و مولیٰ حضور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کو رب العالمین جل جلالہٗ نے ایسا بے نظیر اور بے مثال بنا کر اس خاکدان عالم میں بھیجا۔ جن جن چیزوں کو حضور اقدس ﷺ کی ذات والا صفات سے تعلق ہو گیا وہ تمام چیزیں بھی بے مثل و بے مثال ہو گئیں۔ اس دنیا میں بہت سی امتیں ہوئیں بڑی بڑی طاقت و قوت والی شان و شوکت والی طاعت و عبادت والی امتیں ایک دوسرے سے بڑھ کر عالم وجود میں آتی رہیں مگر وہ امت جس کو حضور محبوب کبریا، خیر

الانبیاء ﷺ سے تعلق حاصل ہوا خداوند قدوس نے اس امت کو ایسی شان بے مثالی عطا فرمائی کہ قرآن مجید نے اس کی افضلیت کا خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

یعنی اے خیر الانبیاء کی امت! تم تمام امتوں میں خیر الامم اور بہترین امت ہو۔

مسلمانو! کون نہیں جانتا کہ یہ آخری امت اگلی امتوں سے طاقت و شوکت عمر کی طوالت، اور طاعت و عبادت میں بہت ہی کم ہے۔ مگر چونکہ اس امت کو خیر الانبیاء ﷺ سے تعلق ہے اس لئے یہ امت خیر الامم یعنی تمام امتوں میں سب سے افضل اور بہتر ہے۔ اور نبی بے مثال سے اس کو نسبت حاصل ہے۔ اس لئے یہ امت تمام امتوں میں بے نظیر و مثال ہے۔ اسی طرح زمانے کو دیکھ لو زمانہ ازل سے ابد تک بہت لمبا چوڑا ہے اور ایک زمانہ دوسرے زمانے سے بہتر ہوتا رہا مگر وہ زمانہ جس کو خیر الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق ہوا وہ "خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ" کے معزز و ممتاز لقب سے سرفراز ہو گیا اور ازل سے ابد تک اس زمانے سے بہتر نہ کوئی زمانہ ہوا ہے نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی بے شمار عورتیں بڑی بڑی صالحات اور نیک بیبیاں ہوئیں۔ مگر وہ مقدس اور خوش نصیب بیبیاں جو حضور خیر الانبیاء صلی الہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شرف زوجیت سے سرفراز ہوئیں۔ قرآن کریم نے انہیں سارے جہان کی عورتیں میں بہترین اور بے مثال بتایا چنانچہ ارشاد ربانی ہے:۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

یعنی اے نبی کی بیویو! تم سارے جہاں کی عورتوں میں ممتاز اور بے مثال ہو۔ تم تقویٰ شعاری اور پرہیزگاری کی زندگی پر قائم رہو۔

الغرض! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت خیر الامم، آپ کا مقدس زمانہ خیر القرون آپ ﷺ کی ازواج مطہرات "خیر النساء" یعنی تمام جہاں کی عورتوں میں بہترین۔ آپ کی آل سارے عالم میں بے مثال۔ تو پھر ظاہر ہے کہ آپ کے وہ اصحاب کرام جو آپ کے منتخب ساتھی اعلیٰ درجے کے رفیق، آپ کی شمع نبوت کے پروانے، سچے غمگسار اور حقیقی وفادار و جانثار ہیں۔ جن کی صحبت و رفاقت کی رب العالمین نے گواہی دی۔ جن کی نصرت و حمایت کا

رحمتہ للعالمین نے خطبہ پڑھا، جن کی عظمت و فضیلت کا قرآن مبین نے اعلان کیا۔ بھلا ان کے درجات و مراتب، ان کے فضائل و کمالات، ان کی خیریت وافضلیت کا کیا کہنا؟

فضائل صحابہ:۔ حضرات گرامی! یہ ایمان ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام "خیر الامم" یعنی تمام امتوں میں بہترین امت ہے۔ اور اس بہترین امت میں سب سے بہترین اور افضل واعلیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ مسلمانو! تم نے صحابہ کرام کو کیسا سمجھا ہے۔ اللہ اکبر!

برادران ملت! صحابہ کرام یہ وہ مقدس نفوس طیبہ ہیں کہ یہ رحمت عالم کی نصرت و حمایت میں فرش زمین پر چلتے پھرتے تھے مگر عرش بریں سے ان کے نام خلاق عالم کا سلام آیا کرتا تھا۔ صحابہ آسمان تقدس کے وہ آفتاب و ماہتاب ہیں کہ جب یہ خانہ کعبہ کے سامنے خداوند قدوس کے سجدوں کے لئے اپنی پیشانیاں زمین پر رکھتے تھے تو بیت اللہ بھی تمنائیں کرتا تھا کہ کاش میرے پاؤں ہوتے تو میں چل کر ان خیر الساجدین کی پیشانیوں کو چوم لیتا تو شاید میرا سجدہ بھی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کی بلند ترین منزل پر پہنچ جاتا۔ فرشتے ان کی سجدہ گاہوں کو اپنی بوسہ گاہ بنانے کے لئے بے قرار اور آسمانوں کے ستارے ان امت کے تاروں کے نظاروں کے لئے نگاہ شوق سے فرش زمین کے طالب دیدار رہتے تھے یہ وہ خوش نصیب مسلمان و کامل الایمان ہیں جنہوں نے اپنی ایمانی نگاہوں سے رحمتہ للعالمین ﷺ کے جلال و جمال نبوت کو دیکھا صحبت اٹھائی۔ خدمت کا شرف حاصل کیا اور رحمت عالم کے چشم وابرو کے ہر اشارے پر اپنی متاع مال و جان قربان کر دینے کو معراج ایمان سمجھا۔ یہی وہ "خیر المومنین" ہیں جن کے لئے رب العالمین نے کہیں یہ فرمایا:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ)

یعنی صحابہ وہ مومنین کاملین ہیں جنہوں نے شہنشاہ رسالت کی نصرت و حمایت اور امداد و اعانت میں سب سے پہلے قدم بڑھایا اور ساری رات پر سبقت لے گئے ان میں سے کچھ کا لقب "مہاجرین" ہے اور کچھ کا خطاب "انصار" ہے یہ لوگ اور ان کی بہترین پیروی کرنے والے وہ اللہ والے

ہیں کہ اللہ ان سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ سے خوش ہو گئے۔

کہیں خداوند جلّ وعلا نے ان کی مدح و ثنا فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۔ (آل عمران)

یعنی وہ صحابہ کرام جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور شہید ہوئے ضرور ضرور ان کی لغزشیں اتار دوں گا اور یقیناً میں انہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہ اللہ کے پاس کا ثواب ہے اور اللہ کے پاس تو بڑے بڑے بہترین ثواب ہیں۔

اسی طرح رسول ﷺ کے ان مقدس جانثاروں کو بشارت دیتے ہوئے کہیں یوں فرمایا کہ:۔

وَكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى (نسآء)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے۔

غرض صحابہ کرام کی مدح و ثناء کی آیات بینات قرآن مجید کے صفحات میں اس طرح چمک رہی ہیں جس طرح آسمان میں ستارے چمک رہے ہیں جنہیں دیکھ کر آنکھوں میں عرفان کا نور اور دلوں میں ایمان کا ایسا سرور پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں صحابہ کرام کی محبت و عظمت کے ہزاروں چراغ روشن ہو جاتے ہیں اور دنیائے ایمان نور سے معمور بلکہ نور علیٰ نور ہو جاتی ہے۔

خدا کا انتخاب:۔ حضرات! یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَّاَعْمَقَهَا عِلْمًا وَّاَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاَقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ. (مشکوٰۃ 32)

یعنی حضرت محمد ﷺ کے یہ اصحاب اس امت میں سب سے زیادہ افضل ہیں ساری امت میں سب سے زیادہ ان کے دل نیکوکار، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا ان کے اعمال تکلف سے خالی، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے چن لیا ہے۔ اس لئے تم لوگ ان کی فضیلت کو پہچانو۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خوش بیانی کی داد نہیں دی جا سکتی۔ ایک جملے میں انہوں نے ایسی شاندار "مدح صحابہ" بیان فرمائی ہے کہ خدا کی قسم اس کو سوچ سوچ کر وجد کرنے کو دل چاہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاَقَامَةِ دِيْنِهٖ.

یعنی صحابہ وہ ہیں جنہیں خداوند عالم نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے سارے عالم میں سے چن لیا ہے۔

سبحان اللہ! ذرا غور تو کیجئے کہ چننے والا کون ہے؟ اور کتنے بڑے بڑے دو کاموں کے لئے چنا ہے۔

چننے والا عالم الغیب والشہادۃ ہے جس سے کائنات عالم کو کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں تو ظاہر ہے کہ اس علیم و خبیر اور سمیع و بصیر کا چننا کیسا ہوگا؟ اور اس کا چنا ہوا کس پائے کا۔ بلند رتبہ ہوگا؟ پھر کسی معمولی کام کے لئے چنا نہیں۔ بلکہ وہ بہت ہی اہم اور مہتم بالشان کاموں کے لئے چن لینا۔ ایک تو اس نبی مکرم و رسول اعظم کی ہم نشینی اور صحبت اٹھانے کے لئے جو ایسے سید الرسل ہیں کہ تمام انبیاء و مرسلین ان کے دامن کرم سے وابستہ ہونے کے شیدائی اور ان کے امتی کہلانے کے تمنائی رہے۔ دوسرے اپنے اس دین مستقیم "اسلام" کو قائم کرنے کے لئے جو انتظام عالم اور فلاح امم کے لئے سب سے زیادہ کامل و مکمل نظام اور خداوند قدوس کا آخری پیغام ہے۔

برادران اسلام! اب اس سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ خداوند قدوس نے جن مقدس ہستیوں کو ایسے ایسے دو عظیم الشان کاموں کو انجام دینے کے لئے تمام عالم میں سے انتخاب فرمایا۔ وہ لوگ کتنے جامع الکمالات، اور مجمع الفضائل ہوں گے؟ اور ان کی جناب میں حسن عقیدت اور الفت و محبت کس قدر لازم ایمان اور واجب العمل ہوگی؟

حضرات! اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کے منتخب اور گہرے دوستوں سے بغض وعناد رکھے اور نفرت کرے تو ساری دنیا کا یہی فیصلہ ہوگا کہ یہ بیٹا اپنے باپ کا انتہائی ناخلف اور نالائق بیٹا ہے اور ہرگز ہرگز یہ بیٹا کبھی بھی اپنے باپ کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہو سکتا تو یاد رکھئے کہ کوئی بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی کہلانے والا اگر سرکار رسالت کے ان منتخب اور جاں نثار حقیقی دوستوں سے بغض وعناد اور نفرت رکھے گا تو خدا کی قسم وہ انتہائی نالائق امتی کہلائے گا۔ بلکہ درحقیقت وہ امتی کہلانے کا حق دار ہی نہیں ہوگا۔ اور ہرگز ہرگز کبھی بھی وہ بارگاہ رسالت میں مقبول نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا اور رسول کے دربار سے اس پر ایسی لعنت اور پھٹکار پڑے گی کہ جہنم اور عذاب نار کے سوا اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔

صحابہ کے دوست اور دشمن:۔ حضرات! صحابہ کرام کی محبت کا ذکر آ گیا ہے تو ایک حدیث بھی سن لیجئے۔ حضور انور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ

یعنی اے لوگو! میرے اصحاب کے بارے میں خدا سے ڈرو، خدا کا خوف کرو انہیں میرے بعد نشانہ مت بناؤ۔

کیوں اس لئے کہ:۔

فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذٰهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰهَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ. (ترمذی)

یعنی جس نے ان لوگوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان لوگوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور جس نے انہیں ایذا دی پس اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی تو عنقریب خداوند قہار اس کو اپنے قہر و غضب میں گرفتار فرمائے گا! توبہ نعوذ باللہ اس گرفتاری اور پکڑ سے اللہ کی پناہ۔

لہٰذا اے اپنے سینوں میں ایمان کی دولت رکھنے والو! اگر تمہیں دولت ایمان عزیز ہے تو خبردار خبردار کبھی بھی ہرگز ہرگز صحابہ کرام کی شان میں ایک ذرہ کے کروڑویں حصہ کے برابر

بھی بے ادبی کا خیال دل میں نہ آنے پائے ورنہ یاد رکھو! کہ تمہارے ایمان کی دولت غارت اور تمہارے تمام اعمال صالحہ کا ذخیرہ برباد و اکارت ہو جائے گا اور جو دشمن ایمان ان مقدس بزرگوں کی شان میں بے ادبی کے ساتھ زبان کھولے یقین رکھو کہ بلاشبہہ وہ اللہ و رسول کا باغی اسلام کا دشمن ہے اور اس بے ایمان کی صحبت ایک مسلمان کے دین و ایمان کے لئے زہریلے سانپ سے زیادہ خطرناک اور سم قاتل و زہر ہلاہل سے بڑھ کر مہلک ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے ان بد نصیبوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی شَرِّکُمْ (ترمذی)

یعنی جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کی بدگوئی کرتے ہیں تو تم کہہ دو کہ تمہارے شر پر خدا کی لعنت!

بہرکیف! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور ﷺ کی امت "خیر الامم" یعنی تمام امتوں میں افضل و اعلیٰ ہے۔ اور اس امت میں سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ اور بہتر و بالا مرتبہ صحابہ کرام کا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ انبیاء و مرسلین کے بعد تمام مومنین اولین و آخرین بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین "افضل المومنین" اور مقبول بارگاہ رب العالمین ہیں۔ اور کوئی ولی اور غوث و قطب بلکہ قطب الاقطاب خواہ کتنے ہی بلند سے بلند مرتبہ پر کیوں نہ پہنچ جائے مگر ہرگز وہ کبھی کسی صحابی کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔

حضرات!

فضائل صحابہ کا یہی وہ مقدس مضمون ہے جس کو خداوند جل وعلا نے ارشاد فرمایا کہ:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰىھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ ۚۖۛ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۟ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا

عَظِیْمًا ۔ (الفتح)

یعنی محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے (صحابہ) کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ تم انہیں دیکھو گے رکوع کرتے اور سجدے میں گرتے وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں ان کی علامات ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت تورات میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں ہے جیسے ایک کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا نکالا۔ پھر اسے طاقت دی۔ پھر وہ دبیز ہوئی۔ پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی۔ کسانوں کو اچھی بھلی لگتی ہے۔ تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایمان والوں اور اچھے اچھے عمل کرنے والوں کے لئے بخشش اور بڑے بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

برادران ملت!

جس طرح یہ ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کرام تمام مومنین میں سب سے زیادہ افضل واعلیٰ ہیں۔ اسی طرح یہ بھی عقیدہ ہے کہ اصحاب کبار میں "حضرات خلفاء راشدین" یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ تمام صحابہ سے زیادہ بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

قرآن میں حق نے خطبہ پڑھا چار یار کا
کتنا بلند رتبہ ہوا چار یار کا
سردار انبیاء کے یہ مسند نشین ہوئے
ڈنکا بجے جہاں میں نہ کیوں چار یار کا

بارگاہ نبوت کے ان وفاداروں اور جاں نثاروں یعنی پیارے مصطفیٰ ﷺ کے چار یاروں کے بارے میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے بھی دو شعر ملاحظہ فرمائیے۔

جان و دل تیرے قدم پر وارے
کیا نصیبے ہیں تیرے چاروں کے

صدق وعدل و کرم وہمت میں
چار سو شہرے ہیں ان چاروں کے

برادران ملت!

چونکہ آج میری تقریر کا عنوان "خلفاء راشدین" ہے۔ اس لئے میں پیغمبر خدا ﷺ کے ان جانشینوں کے فضائل وسوانح حیات پر ایک مختصر تقریر پیش کرتا ہوں۔ بغور ملاحظہ فرمائیے اور پہلے باآواز بلند درود شریف کا نعرہ بلند کیجئے اور پڑھئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

....

امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سایہ مصطفیٰ، مایہ اصطفا عز وناز خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

حضرات!

افضل البشر بعد الانبیاء خلیفہ اول وجانشین مصطفیٰ، حضرت ابو بکر صدیق باوفا کے فضائل و مناقب اور ان کی مدح وثناء کا کیا کہنا؟ آپ حبیب خدا کے یار غار اور شمع نبوت علیہ کے جاں نثار ہیں۔ آپ اپنے صدق وصفا اور محبت حبیب خدا کی بدولت اس قدر جامع الکمالات اور مجمع الفضائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔ اور بارگاہ خدا ورسول میں آپ کی مقبولیت ومحبوبیت کا یہ عالم ہے کہ مقدس قرآن کی بہت سی آیات بینات آپ کی شان میں نازل ہوئیں اور احادیث کریمہ میں آپ کے کثرت فضائل کا یہ حال ہے کہ خاص آپ کے فضائل میں (181) حدیثیں مروی ہیں اور (88) احادیث مبارکہ ایسی ہیں جن میں حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کا نام آیا ہے اور (17) حدیثیں ایسی ملتی ہیں جن میں خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تینوں خلفاء کا تذکرہ ہے اور (14) احادیث مقدسہ میں چاروں خلفاء کا نام نامی واسم گرامی مذکور ہے اور (16) حدیثیں ایسی ہیں جن میں چاروں خلفاء راشدین کے ساتھ ساتھ دوسرے صحابہ بھی شریک فضائل ہیں۔ اسی طرح کل (316) حدیثوں میں حضرت ابو بکر صدیق کا نام لے کر سرکار دو جہاں نبی آخر الزمان علیہ نے اپنے یار غار اور رفیق جاں نثار کے مناقب وفضائل کا اظہار فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار آیات و احادیث میں "سابقین اولین"، "مومنین و مہاجرین" اور مجاہدین کاملین وغیرہ کے فضائل میں ضمنی طور پر آپ کے فضائل وکمالات اس کثرت سے مذکور ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے۔ الغرض فضائل صدیق اکبر کی آیتوں اور حدیثوں

پر نظر ڈالنے کے بعد بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و احادیث میں جس کثرت سے پیارے رسول ﷺ کے یار غار صدیق باوقار کے محامد و محاسن کا خطبہ پڑھا گیا ہے۔ اتنا کسی بھی صحابی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

صدیق اکبر اور قرآن:۔ حضرات! قرآن مجید میں حضرت صدیق اکبر کی مدح و ثناء اور تعریف و توصیف کا تذکرہ آ گیا ہے تو اس مجلس میں چند آیتیں اس مضمون کی بھی سن لیجئے۔ قرآن میں حضرت حق جل مجدہٗ کا فرمان ہے کہ:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ط وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(توبہ)

حضرات گرامی! تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ مقدس آیت حضرت ابو بکر صدیق کے فضائل میں نازل ہوئی ہے۔ اب اس آیت کا ترجمہ سنئے! خداوند قدوس مسلمانوں کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتا ہے:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

یعنی اے مسلمانو! اگر تم میرے محبوب کی مدد نہ کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تو ان کی اس وقت مدد فرمائی جب کفار کی شرارت سے ان کا مکہ سے باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

جب محبوب اپنے "یار غار" سے فرماتے کہ غم نہ کرو۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا "سکینہ" اتارا اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد فرمائی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اور کافروں کی بات نیچے ڈال دی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

برادران ملت! تمام مفسرین و مؤرخین کا متفقہ بیان ہے کہ "غار ثور" میں ہجرت کی رات حضرت صدیق اکبر کے سوا کوئی بھی محبوب خدا کا یار غار وفادار اور رفیق غم گسار نہیں تھا اور واقعی حضرت صدیق اکبر حضرت احمد مختار ﷺ کے ایسے یار غار اور وفادار جاں نثار ثابت ہوئے کہ وفاداری و جاں نثاری کی انتہائی منزل بیان کرنے کے وقت آپ کا نام ضرب المثل بن گیا ہے۔ چنانچہ آج بھی اگر کوئی شخص کسی کا انتہائی محب غمگسار اور اعلیٰ درجے کا یار وفادار اور رفیق جاں نثار ہوتا ہے تو اس موقع پر کہا جاتا ہے "فلاں شخص تو فلاں کا یار غار ہے۔" حضرات مجھے اس موقع پر اس وقت جناب شبیر امروہی کا ایک قطعہ یاد آ گیا جس کو انہوں نے اپنے غزل کے مخصوص انداز میں بہت خوب فرمایا ہے ۔

دشمن میں دیکھتا ہوں جسے یار غار کا
جی چاہتا ہے نوچ لوں منہ اس گنوار کا
قرآن نے ان کو "ثانی اثنین" کہہ دیا
ثانی نہیں خدا کی قسم یار غار کا

آپ کی صحابیت:۔ حضرات! اس آیت میں "اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ" سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا ثبوت قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا "صحابی" ہونا اتنا قطعی و یقینی ہے کہ اگر کوئی بدنصیب آپ کی صحابیت کا انکار کر دے تو وہ قرآن کا منکر، اور کافر ہو جائے گا۔

(والعیاذ باللہ تعالیٰ عنہ)

سکینہ کس پر اترا:۔ اسی طرح اس آیت میں فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند قدوس نے حضرت صدیق اکبر پر اپنا "سکینہ" اتارا۔ یعنی اپنی طرف سے قلبی اطمینان

اور روحانی تسکین کا سامان حضرت ابو بکر صدیق کے قلب مبارک پر اتار دیا۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس آیت میں "علیہ" کی ضمیر کا مرجع یقیناً حضرت ابو بکر صدیق ہی ہیں اور خدا نے "سکینہ" انہیں پر اتارا۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا مقدس سینہ تو ہمیشہ اور ہر حال میں سکینہ الٰہی کا سفینہ رہا اور آپ کا قلبی اطمینان تو ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی زائل ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے "غار ثور" میں آپ پر سکینہ اترنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ گھبراہٹ اور بے قراری تو صدیق اکبر ہی کے قلب میں تھی۔ اس لئے انہیں کے دل پر سکینہ اترنے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا خداوند قدوس نے اپنے حبیب کے "یار غار" کے قلب کو سکون و قرار بخشنے کے لئے ان پر اپنا سکینہ نازل فرمایا۔

اللہ اکبر! مسلمانو! یہ ہے حضرت صدیق اکبر کا رتبہ بلند کہ خداوند رب العزت جل وعلا ان کی صحابیت پر اپنی شہادت کی مہر لگاتا ہے اور ان کو اپنے محبوب کا "یار غار" فرماتا ہے اور ان کے سفینہ قلب پر اپنا سکینہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ یہ عزوشرف اور عظمت و کرامت کی وہ سر بلندیاں ہیں جو کسی دوسرے صحابی کو نصیب نہیں ہوئیں۔ خدا کی قسم! حضرت صدیق اکبر کے سر صداقت پر یہ اعزاز و اکرام کے وہ تاج شہنشاہی ہیں۔ جن کو دیکھ کر اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ:۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ جس کو چاہے اپنے فضل سے نواز دے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

حضرات! اسی طرح ایک دوسری آیت میں حضرت صدیق اکبر کی عظمت شان کا بیان کرتے ہوئے قرآن نے اعلان فرمایا کہ:۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۔ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۔ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۔

(الیل)

یعنی جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال اس لئے دیتا ہے تاکہ وہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا

بدلہ دیا جائے وہ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے
اور بے شک عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق خدا کی راہ میں جو اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ وہ اپنے نفس کو پاک اور ستھرا کرنا چاہتے ہیں ان کے اوپر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ وہ احسان کا بدلہ چکانے کے لئے مال خرچ کرتے ہوں۔ ان کا مقصود تو صرف اس قدر ہے کہ ان کا رب کریم ان سے خوش ہو جائے۔ چنانچہ رب العزت نے خوش ہو کر وعدہ فرمالیا کہ وہ صدیق اکبر کو ایسی جزاء عطا فرمائے گا کہ وہ بھی اپنے رب سے راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

حضرات! علامہ ابن جوزی اور دوسرے محدثین و مفسرین نے بالاتفاق یہ فرمایا ہے کہ سورۂ واللیل کی یہ آخری آیتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ آپ ان کمزور اور بوڑھے غلاموں کو جو مسلمان ہونے کی بناء پر کفار کے ہاتھوں سے ستائے جاتے تھے اپنی دولت سے خرید خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے ایک روز آپ کے والد حضرت ابو قحانہ نے فرمایا بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ضعیف اور کمزور غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کر رہے ہو کاش اگر تم ان کی بجائے قوی اور جوان غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تو آڑے وقت میں وہ لوگ تمہارے ساتھ ہو کر تمہاری مدد کرتے یہ سن کر حضرت صدیق اکبر نے جواب دیا کہ ابا جان! ان غلاموں کی آزادی سے میرا مقصد صرف میرے مولیٰ کی خوشنودی و رضا ہے۔ مجھے ان سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل کرنا نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میرے علم میں حضرت صدیق اکبر نے ایسے سات غلاموں کو خرید کر آزاد فرمایا جن کو محض مسلمان ہونے کی بناء پر تکلیف دی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ کے انہیں کارناموں پر سورۂ واللیل کی آیات کریمہ آپ کی مدح و ثناء کے لئے نازل ہوئیں۔ (تاریخ الخلفاص 48)

افضل البشر بعد الانبیاء:۔ حضرات غور فرمائیے کہ ان تینوں میں خداوند عالم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "اتقی" کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ یعنی سب سے زیادہ پرہیز گار اور قرآن مجید کی دوسری آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ.

یعنی خدا کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ
پرہیز گار ہو۔

تو بلاشبہ ثابت ہو گیا کہ جب صدیق اکبر "اتقی" یعنی سب سے زیادہ پرہیز گار ہیں تو پھر یقیناً آپ اکرم الخلق اور افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں آپ افضل و اعلیٰ ہیں۔

حضرات! اسی طرح حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن میں جو:۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (زمر)
یعنی وہ سچ کو لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی
پرہیز گار ہیں۔

اس آیت میں "وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ" سے مراد نبی ﷺ ہیں۔ جو سچائی کو لانے والے ہیں۔ اور "صَدَّقَ بِهٖ" سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی تصدیق کی اور سب سے پہلے ایمان لائے۔
(تاریخ الخلفاء)

اسی طرح عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت کہ:۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔
یعنی بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرائیل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں (سورۃ التحریم)

اس آیت میں "صالح المؤمنین" سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ؓ۔ (تاریخ الخلفاء)

الغرض اسی طرح قرآن کریم کی بہت سی آیتیں حضرت صدیق اکبر کی مدح و ثناء کی خطیب ہیں۔

صدیق اکبر اور احادیث:۔ میرے بزرگو! اور بھائیو! قرآن مجید نے کس کس طرح

فضائل صدیق اکبر کا خطبہ پڑھا ان میں سے چند آیتیں میں آپ کے سامنے پیش کر چکا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ چند حدیثیں بھی اس مضمون کی آپ کو سنا دوں یہ تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وہ احادیث مبارکہ جن میں نام لے کر حضور اکرم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کے فضائل و مناقب کو بیان فرمایا ہے۔ ان کی تعداد (316) ہے مگر میں اس وقت ان میں سے صرف تین حدیثوں کا ذکر کرتا ہوں بغور ملاحظہ فرمائیے۔ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّ مِنْ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَا لِهٖ اَبُوْبَكْرٍ
(مشکوٰۃ ص554)

یعنی تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر مجھ پر اپنی حاضری اور اپنے مال سے احسان کرنے والے ابو بکر ہیں۔

دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا اَبَابَكْرٍ فَاِنَّ لَنَا عِنْدَهٗ يَدًا يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَبِيْ بَكْرٍ وَّلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ (مشکوٰۃ ص555)

یعنی جس کسی کا بھی احسان مجھ پر تھا میں نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔ سوائے ابو بکر کے کہ میں نے اس کے احسانوں کا بدلہ نہیں چکایا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے احسانوں کا بدلہ میری طرف سے اسے قیامت کے دن عطا فرمائے گا اور کسی کے مال سے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچا اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو یقیناً میں ابو بکر کو اپنا خلیل بناتا۔ لیکن سن لو کہ میں اللہ کا خلیل ہوں۔

مسلمان بھائیو! اللہ اکبر! صدیق اکبر کی جاں نثاری رسول کے قربان جائیے! اللہ اللہ تمام عالم کے محسن اعظم، رحمت عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ابو بکر کا اس قدر ممنون احسان ہوں کہ میں نے اس کے احسانوں کا بدلہ اس کو دنیا میں نہیں دیا ہے۔ بلکہ خلاق عالم جل جلالہٗ میری طرف سے ابو بکر کو اس کے احسانوں کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائے گا۔

اسی طرح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب بہت سخت علیل ہوئے تو فرمایا:۔

مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ

یعنی ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے باپ ابو بکر بہت ہی نرم دل آدمی ہیں وہ آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ پھر حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ:۔

مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ

یعنی ابو بکر کو حکم دو کہ وہ میری جگہ نماز پڑھائیں۔

حضرت صدیقہ نے پھر وہی عذر پیش کیا کہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر عتاب فرمایا اور پھر تاکید کے ساتھ یہی حکم فرمایا کہ "ابو بکر سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔"
چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں آپ کے مصلیٰ پر امامت کی اور کئی دنوں تک نماز پڑھاتے رہے!

حضرات گرامی! صحیحین کی یہ حدیث حضرت عائشہ و حضرت ابن عباس و حضرت ابن مسعود و حضرت ابن عمر و حضرت ابو سعید و حضرت عبداللہ بن زمعہ و حضرت علی بن ابی طالب وغیرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ بعض شارحین حدیث نے تو اس حدیث کو متواتر بتایا ہے اور علماء حق نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ حدیث بہت ہی واضح طور پر دلالت بلکہ تصریح کرتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر مطلقاً تمام صحابہ سے افضل اور خلافت و امامت کے لئے سب سے زیادہ مستحق اور اولیٰ ہیں۔

حضرت عمر کا قول:۔ حضرات! یہی تو وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ابو بکر ہمارے سردار ہیں اور اگر حضرت ابو بکر صدیق کے ایمان کو اور تمام روئے زمین کے مومنین کے ایمان کو وزن کیا جائے تو حضرت ابو بکر صدیق کے ایمان کا پلہ غالب اور بھاری رہے گا"۔ "اسی طرح حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی الاعلان یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں ابو بکر کے سینے کا ایک بال ہوتا۔" (تاریخ الخلفاء ص 56)

حضرت علی کا ارشاد:۔ اسی طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ اسد اللہ الغالب حضرت علی

بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ آپ کے پاس سے گزرے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق ایک کپڑا اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ مولائے کائنات نے صدیق اکبر کو دیکھ کرارشاد فرمایا کہ "کوئی نامہ اعمال والا جو اللہ سے ملاقات کرے گا۔ میرے نزدیک اس کپڑا اوڑھنے والے شخص سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔" (تاریخ الخلفاء ص59)

نام و نسب:۔ بزرگان ملت! آپ کا اسم گرامی عبداللہ ہے۔ "ابو بکر" آپ کی کنیت اور صدیق و عتیق لقب ہے۔ آپ کے والد کا نام نامی ابو قحافہ عثمان اور والدہ کا نام ام الخیر سلمٰی ہے۔ ساتویں پشت میں آپ کا شجرۂ نسب حضور اقدس ﷺ کے شجرۂ خاندانی سے مل جاتا ہے۔ آپ عام الفیل کے ڈھائی برس کے بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

زمانہ جاہلیت:۔ حضرات گرامی! قبیلہ قریش میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک بہت ہی ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ زبیر بن بکار اور ابن عساکر ان دونوں محدثین نے یہ فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق قریش کے ان گیارہ منتخب اشخاص میں سے ہیں۔ جن کو زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں شرف حاصل رہا ہے۔ چنانچہ آپ زمانہ جاہلیت میں "خون بہا" اور جرمانوں کے مقدمات کا فیصلہ فرماتے تھے جو دور جاہلیت کا بہت ہی بڑا اعزاز تھا۔

(تاریخ الخلفاء ص32)

آپ طبعاً اس قدر باوقار اور صاحب مروت تھے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب نہیں پی۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام کے مجمع میں کسی نے آپ سے سوال کیا کہ بھلا آپ نے کبھی شراب بھی پی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ! کبھی بھی نہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیوں؟ تو آپ نے برجستہ یہ جواب دیا کہ اس لئے تاکہ میری عزت و شرافت زائل نہ ہو جائے کیونکہ شراب نوشی انسان کی عزت و شرافت کو برباد و غارت کر دیتی ہے۔

آپ کا اسلام:۔ حضرات! اسلام میں آپ کا شمار سابقین اولین میں ہے۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت کا یہی قول ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت میمون بن مہران رحمتہ اللہ علیہ جو ایک مشہور محدث ہیں ان سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ابو بکر پہلے اسلام لائے یا حضرت علی؟ تو انہوں

نے جواب دیا کہ حضرت ابو بکر تو بحیریٰ کے زمانے ہی میں ایمان لا چکے تھے اور اس وقت تک تو حضرت علی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن بہر حال بعض صحابہ اور تابعین کا یہ بھی قول ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی ہیں اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان مختلف اقوال میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے بہت ہی اچھی تطبیق اس طرح دی ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے اسلام قبول کیا اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بہر حال اس میں کوئی کلام نہیں کہ آپ سابقین اولین میں سے ہے اور حضرت عثمان، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وغیرہ جیسے بااثر اور صاحب وجاہت حضرات آپ ہی کی کوششوں سے آغوش اسلام میں آئے۔ کفار نے آپ پر بڑے بڑے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر آپ انتہائی الوالعزی اور جوانمردی کے ساتھ کافروں کی سختیوں اور اذیتوں کا مقابلہ کرتے رہے اور اسلام و بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت میں استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہے اور انتہائی جان نثار بن کر ہر دم ہر قدم پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان و مال قربان کرنے پر تیار رہے۔ جس وقت سے مشرف بہ اسلام ہوئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کبھی بھی سفر و حضر، صلح و جنگ میں کہیں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ مگر ہاں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا تو حج اور بعض غزوات کے لئے مجبوراً بارگاہ نبوت سے علیحدہ ہوئے۔ محبت رسول کا یہ عالم ہے کہ آپ کا یہ قول تھا کہ تمام دنیا کی نعمتوں سے تین ہی چیزیں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنْفَاقُ مَالِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنْ يَّكُوْنَ اِبْنَتِیْ تَحْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

یعنی رسول اللہ کے روئے پر انوار کا دیدار کرنا اور رسول اللہ پر اپنا مال نثار کرنا اور میری بیٹی کا رسول اللہ کی زوجیت کے شرف سے سرفراز رہنا۔

آپ کی شجاعت:۔ حضرات! آپ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔

ایک مرتبہ فاتح خیبر حضرت علی حیدر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے سوال فرمایا کہ بتاؤ؟ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر کون شخص ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ آپ! تو مولائے کائنات نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ اپنے برابر کے جوڑ سے لڑتا رہا ہوں۔ تم لوگ یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ ہمیں تو نہیں معلوم۔ آپ ہی بتا دیجئے! تو آپ نے فرمایا کہ سنو! سب سے زیادہ بہادر ابو بکر ہیں۔ جنگ بدر میں حضور اقدس ﷺ ایک چھوٹے سے خیمہ میں تشریف فرما تھے اب یہ سوال اٹھا کہ اس خیمہ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کے لئے کون کھڑا رہے گا۔ تو خدا کی قسم! تین سو مجاہدین میں سے کسی کی بھی ہمت نہ ہوئی مگر حضرت ابو بکر ننگی شمشیر ہاتھ میں لے کر خیمہ نبوی کی حفاظت کرتے رہے اور جو کوئی حملہ آور خیمہ کا رخ کرتا تو حضرت ابو بکر جھپٹ کر اس پر حملہ کر دیتے۔ چنانچہ آخر وقت تک کسی کافر کو خیمہ نبوی تک پھٹکنے نہیں دیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ بہادر شخص ابو بکر صدیق ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی سخاوت:۔ حضرات! شجاعت کے ساتھ ساتھ سخاوت بھی انسانی عظمت کا بہت بڑا جوہر ہے۔ چنانچہ سخاوت اور مالی قربانی میں بھی آپ تمام صحابہ سے بڑھ کر ہیں۔ جس دن آپ آغوش اسلام میں آئے آپ کے پاس چالیس ہزار درہم کا سرمایہ تھا اس میں سے پینتیس ہزار تو مکہ مکرمہ میں اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی نصرت و حمایت پر خرچ کر ڈالا۔ باقی پانچ ہزار درہم کی رقم لے کر ہجرت کی اور یہ ساری رقم بھی مدینہ منورہ پہنچ کر احمد مختار ﷺ کے قدموں پر نثار کر دی۔ ایک مرتبہ اپنا سارا مال یہاں تک کہ اپنے بدن کے کپڑوں کو بھی راہ خدا میں خیرات کر دیا۔ اور خود ایک کملی پہن کر اس میں بٹن کی جگہ ببول کا کانٹا لگائے ہوئے اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے اس دن جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر نازل ہوئے تو وہ بھی ایک کملی اوڑھے ہوئے تھے جس میں بٹن کی جگہ ببول کے کانٹے لگے ہوئے تھے۔ رحمت عالم نے فرمایا کہ جبرائیل! آج تم اس نئے لباس میں کیوں آئے ہو؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے دیا ہے کہ آج سب فرشتے آسمان میں وہی لباس پہن لیں۔ جو لباس میرے محبوب کے یار غار نے پہن رکھا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص 39)

آپ کا علم:۔ حضرات! اسی طرح آپ کی علمی جلالت کا یہ عالم ہے کہ آپ بالاتفاق "اعلم

الصحابہ" یعنی تمام صحابہ کرام سے زیادہ علم والے ہیں۔ آپ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ فن قرأت کے بھی ماہر تھے۔ اسی طرح علم الانساب، اور تعبیر خواب میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور خطابات کی فصاحت و بلاغت میں تو آپ یکتا اور یگانہ روزگار تھے ہر اس موقع پر جب صحابہ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تھا تو لوگ آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ہمیشہ حدیث سنا کر صحابہ کے مشکل سے مشکل اشکال کو حل فرمادیا کرتے تھے اور آپ اس قدر ذہین و ذکی اور صاحب الرائے تھے کہ حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے اس وقت ایک مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس میں ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ بڑے بڑے صحابہ کرام موجود تھے۔ تمام صحابہ نے ایک معاملہ میں اپنی اپنی رائے دی۔ پھر مجھ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ معاذ بن جبل! تم بولو! تمہاری کیا رائے ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں ابو بکر کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ ابو بکر غلطی کرے۔ (طبرانی)

ہجرت کے بعد:۔ حضرات گرامی! ہجرت سے قبل اور ہجرت کے بعد حضرت صدیق اکبر نے جو جو اسلامی کارنامے پیش کیے۔ تاریخ صحابہ میں اس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ اسلام لانے کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں کفار کی ایذائیں برداشت کرتے رہے اور رحمت عالم کی نصرت و حمایت میں اپنی جان و مال کے ساتھ سینہ سپر رہے۔ پھر وہ وقت آیا کہ ہجرت کی رات میں رحمت عالم ﷺ کو اپنی پشت پر سوار کر کے اندھیری رات میں نوکیلے پتھروں کی چٹانوں پر چڑھتے ہوئے "غار ثور" میں پہنچے اور اپنی جان کی بازی لگا کر غار میں پہلے خود داخل ہوئے اور اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا۔ پھر محبوب خدا کو غار میں لے جا کر اپنے زانو پر سر اقدس رکھ کر سلادیا اور خود ایک سوراخ پر اپنی ایڑی لگا کر بیٹھ گئے۔ سوراخ کے اندر سے سانپ نے بار بار آپ کی ایڑی کو ڈسا اور کاٹ کھایا۔ مگر آپ نے سوراخ سے اپنی ایڑی نہیں ہٹائی۔ یہاں تک کہ درد سے بے قرار ہو کر آپ کے آنسو رحمت عالم کے رخسار پر ٹپک پڑے اور رحمت عالم خواب راحت سے بیدار ہوئے اور اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ جس سے فی الفور آپ کو شفا حاصل ہو گئی۔ پھر مدینہ منورہ پہنچ کر اپنی پوری زندگی تمام

مشاہد میں حاضر رہے اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ حضرات! صدیق اکبر کے اسلامی کارناموں کو بیان کرنے کے لئے تو ایک طویل دفتر بھی ناکافی ہے۔ مگر سن ہجری کے اعتبار سے ہر سال کے چند بڑے بڑے واقعات اس وقت آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔

2ھ جنگ بدر میں خیمہ نبوی کی حفاظت کرتے رہے اور آپ کے فرزند عبدالرحمٰن بن ابو بکر جب کفار کی طرف سے جنگ کے لئے نکلے تو آپ نے ننگی شمشیر لے کر بیٹے کو للکارا اور مقابلہ کے لئے خود آگے بڑھے مگر رحمت عالم کی رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ باپ کی تلوار بیٹے کے خون سے آلودہ ہو اس لئے آپ کو عبدالرحمٰن کے ساتھ لڑنے سے منع فرمادیا۔

3ھ جنگ احد میں شریک ہو کر انتہائی جاں بازی کے ساتھ کفار سے جنگ کی اور جب حضور سید عالم ﷺ زخمی ہو کر احد کے غار میں تشریف لے گئے تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر ہی حضور کی خبر گیری کے لئے غار میں پہنچے۔

5ھ جنگ خندق میں فوج کے ایک دستہ کے سپہ سالار رہے اور جس جگہ آپ نے خندق کی حفاظت کی تھی۔ یہاں ایک مسجد تعمیر ہوئی جو آپ کے نام سے منسوب ہوئی!

6ھ میدان "حدیبیہ" میں جب عروہ بن مسعود ثقفی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ کفار کے جاسوس بن کر آئے اور دوران گفتگو میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داڑھی پکڑلی تو صدیق اکبر اس کو برداشت نہیں کر سکے اور اپنی تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مار کر اس کا ہاتھ ہٹادیا اور جب عروہ بن مسعود نے یہ کہا کہ اے محمد! جنگ کے وقت یہ آپ کے ساتھی آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس قدر طیش اور جلال آگیا کہ آپ نے یہ کہہ دیا "اُمْصُصْ بَظَرِ اللَّاتِ." "اے ہٹ جا۔ اور اپنی دیوی لات کے پیشاب کا مقام چوس! کیا یہ ہو سکتا ہے! کہ ہم محبوب خدا کو چھوڑ کر بھاگ جائیں؟ یہ غیر ممکن ہے جس وقت حضرت ابو بکر صدیق نے یہ جرأت مندانہ جواب دیا تو عرو بن مسعود ثقفی کو بڑا تعجب ہوا کہ مجھ جیسے معمر اور شاندار سردار کو اس جرأت کے ساتھ جواب دینے والا کون ہے؟ چنانچہ اس نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ جب لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو بکر ہیں تو کہنے لگا کہ اے ابو بکر! جا۔ اگر تیرا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں تجھ کو اس جرأت کا جواب دیتا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کی شرطوں پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اعتراض ہوا اور وہ طیش میں بھرے

ہوئے ابو بکر صدیق کے پاس پہنچے تو حضرت ابو بکر ہی کا یہ دم خم تھا کہ آپ نے حضرت عمر سے یہ فرمایا کہ "اِلْزَمْ غَرْزَہٗ"۔ یعنی اے عمر! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رکاب تھامے رہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رسول اللہ ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔

7ھ! جنگ خیبر میں پہلے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ہی کے ہاتھ میں جھنڈا دیا دوسرے دن حضرت عمر کو اور تیسرے دن حضرت علی۔ جن کے ہاتھ پر قلعہ خیبر فتح ہوا۔

8ھ! فتح مکہ میں شریک ہوئے اور اپنے والد ابو قحافہ کو بارگاہ نبوت میں حاضر کیا اور وہ کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہوئے۔

9ھ! جنگ تبوک کے موقع پر اپنا سارا مال و سامان یہاں تک کہ بدن کے کپڑوں کو بھی خدا کی راہ میں قربان کر دیا اور جنگ تبوک میں رحمت عالم کی رفاقت کا شرف بھی حاصل کیا۔ اسی سال حضور سید عالم ﷺ نے آپ کو "امیر الحج" بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا اور آپ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متواتر تین دنوں تک بآواز بلند "سورۂ براۃ" کا اعلان فرمایا اور یہ حکم دے دیا کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک نہ حج کے لئے آئے اور نہ کوئی ننگے بدن ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف کرے۔ (صحیحین وغیرہ)

10ھ! حضور انور ﷺ کی معیت اور رفاقت میں حج کیا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا آخری حج تھا۔ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے۔

11ھ! حضور اقدس کے ایام علالت میں حضور کے حکم سے نبوت کے مصلّٰی پر امامت فرماتے رہے اسی سال حضور رحمت عالم ﷺ نے دنیا سے رحلت فرمائی حضرات! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات مسلمانوں کے لئے ایسا جانکاہ اور ہوشربا حادثہ فاجعہ تھا کہ بہت سے صحابہ شدت غم سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ حضرت عمر جیسے جری اور بہادر کا یہ حال تھا کہ ننگی تلوار لے کر مدینہ میں چکر لگاتے تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہو گئی ہیں اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ مگر ایسے وقت میں بھی حضرت صدیق اکبر کے ہوش و حواس بجا اور درست تھے۔ چنانچہ نہایت ہی سکون کے ساتھ آپ حضور اقدس کی چارپائی کے پاس مودبانہ حاضر ہوئے اور چادر مبارک اٹھا کر انتہائی گرمجوشی کے ساتھ پیشانی اقدس پر بوسہ دیا اور کہا:۔

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَمَیِّتًا

یعنی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ موت و حیات دونوں حالتوں میں طیب وطاہر ہیں۔

صدیق اکبر کا ایک خطبہ:۔ اس کے بعد آپ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور صحابہ کرام کے مجمع میں آپ نے ایک خطبہ پڑھا اس خطبہ کو سن کر سب کے ہوش و حواس درست ہو گئے اور سب کو تسلی ہو گئی۔

بیعت خلافت:۔ حضرات! حضور سرکار دو عالم ﷺ کی رحلت کے بعد صدیق اکبر کی مقدس زندگی کے تیسرے دور کا آغاز ہوتا ہے آپ کے زمانہ جاہلیت اور مشرف بہ اسلام ہونے کے دونوں دور کا مختصر تذکرہ آپ سن چکے آپ کی حیات مبارکہ کے تیسرے دور یعنی آپ کے دور خلافت کا بھی کچھ مختصر حال سن لیجئے۔ بنو ساعدہ کے چھتے کے نیچے انصار و مہاجرین کے مجمع میں کافی بحث و گفتگو کے بعد آپ کی بیعت خاصہ ہوئی اور سب سے پہلے آپ کے دست حق پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی پھر دوسرے دن مسجد نبوی میں "بیعت عامہ" ہوئی امیر المومنین ہو جانے کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت اسامہ بن زید کے اس لشکر کو جہاد کے لئے روانہ فرمایا۔ جس کا جھنڈا خود حضور رسالت مآب ﷺ نے باندھا تھا۔ مگر حضور ﷺ کی علالت و وفات کی وجہ سے یہ لشکر ٹھہر گیا تھا۔ پھر جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والے "مسیلمۃ الکذاب" اور زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والے مرتدین سے مسلسل نو ماہ تک آپ جہاد فرماتے رہے یہاں تک کہ یہ سارے فتنے ختم ہو گئے۔ اس کے بعد روم اور فارس کی سلطنتوں سے جہاد شروع کر دیا اور عراق و شام کے بہت سے علاقے فتح ہو گئے۔

آپ کی تنخواہ:۔ حضرات! ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ جانشین پیغمبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ "امیر المومنین" بن جانے کے دوسرے دن اپنے کندھے پر چادروں کی گٹھڑی لے کر بیچنے کے لئے بازار جانے لگے۔ راستہ میں حضرت عمر مل گئے اور انہوں نے آپ کو ٹوکا اور کہا کہ اب آپ یہ کام چھوڑ دیجئے کیونکہ اب آپ خلیفہ رسول اور امیر المومنین بن چکے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ پھر میرے اہل و عیال کیا کھائیں گے؟ یہ سن کر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ وغیرہ بڑے بڑے اصحاب کبار نے باہم مشورہ کر کے بکری کا گوشت اور پیٹ بھر روٹی کے لئے

اناج آپ کے اہل و عیال کے خرچ کے لئے بطور تنخواہ روزینہ مقرر کر دیا اور سال بھر میں دو کپڑے جاڑے کے لئے اور دو کپڑے گرمی کے لئے مگر وہ بھی اس شرط پر کہ جو کپڑا پرانا ہو جائے اس کو بیت المال میں جمع کر کے نیا کپڑا لیں۔

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تمہیں معلوم ہے کہ میرا پارچہ فروشی کا پیشہ میرے اہل و عیال کی پرورش کے لئے کافی تھا۔ لیکن اب میں مسلمانوں کی خدمت کی وجہ سے اپنا پیشہ نہیں کر سکتا اس لئے اب میں مسلمانوں کی خدمت کا مزدور ہونے کی حیثیت سے بیت المال سے اپنی خوراک و پوشاک کا سامان لوں گا۔ اور مسلمانوں کا مزدور بن کر ان کے لئے کام کروں گا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی سادگی اور تواضع:۔ آپ کی سادگی اور تواضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ محلہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خلافت سے پہلے بھی اور خلافت کے بعد بھی آپ کے پاس اپنی بکریاں لاتی تھیں تو آپ ان بچیوں کے لئے ان کی بکریوں کا دودھ دوھ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح روایت ہے مدینہ منورہ کے اطراف میں ایک اپاہج بڑھیا تھی جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر اپنے معمول کے مطابق بڑھیا کے پاس خبر گیری کے لئے گئے تو خلاف امید یہ دیکھا کہ بڑھیا کے پاس روٹی پانی اور اس کی تمام ضروریات کا سامان کر کے کوئی شخص چلا گیا ہے۔ حضرت عمر کو بڑی حیرت ہوئی۔ چنانچہ جب انہوں نے اس کی جستجو کی تو یہ دیکھا کہ وہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق تھے آپ کو دیکھ کر فاروق اعظم نے عرض کیا کہ واللہ آپ کے سوا یہ کام کرنے والا اور کون ہو سکتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص 84)

وفات:۔ حضرات گرامی! آپ کی علالت اور وفات کا مختصر تذکرہ عرض کر کے میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ وفات نبوی کے صدمہ جانکاہ سے آپ کی صحت روز بروز گرتی چلی جا رہی تھی اور آپ بہت زیادہ کمزور ہو گئے تھے یہاں تک کہ 7/ جمادی الاخریٰ کو بخار شروع ہوا اور پندرہ دن علیل رہ کر تریسٹھ برس کی عمر میں دو برس تین ماہ گیارہ دن مسند خلافت پر متمکن رہ کر 22/ جمادی الاخریٰ 13ھ شب سہ شنبہ میں اپنے داعی اجل کو لبیک کہا اور حجرہ منورہ میں رحمت عالم ﷺ کے پہلوئے مقدس میں دفن ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۰

آپ کا وصیت نامہ:۔ برادران ملت! حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا "وصیت نامہ" بھی بڑا ہی رقت خیز اور عبرت آموز ہے۔ آپ نے دوران علالت میں سب سے پہلے تو اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ پھر آپ نے خاص طور سے تین وصیتیں فرمائیں۔

1۔ پہلی وصیت یہ کہ میں نے آج تک جتنی تنخواہ بیت المال سے لی ہے۔ میری فلاں زمین بیچ کر ساری رقم بیت المال کو ادا کر دی جائے۔

2۔ دوسری وصیت یہ کہ خلافت کے دوران میرے مال میں تین چیزوں کا اضافہ ہوا ہے۔ ایک حبشی غلام جو مجاہدین کی تلواروں پر صیقل کرتا تھا۔ ایک چادر، ایک پانی بھرے والی اونٹنی۔ یہ تینوں چیزیں میری وفات کے بعد "خلیفہ وقت" کے پاس پہنچا دی جائیں۔

چنانچہ جب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کو دیکھا تو رو پڑے اور کہا کہ اے ابو بکر! خدا آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نے تو اپنے جانشینوں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا۔

3۔ تیسری وصیت یہ فرمائی کہ میرے کفن میں تین کپڑے دیئے جائیں۔ دو چادریں تو یہی جو اس وقت میرے بدن پر ہیں اور ایک نئی چادر شامل کر لی جائے۔

آپ کی خصوصیات:۔ یوں تو آپ کی بہت سی خصوصیات ہیں مگر آپ کی ایک بہت بڑی اور بہت ہی خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی چار نسل "صحابی" ہے۔

1۔ خود آپ۔

2۔ آپ کے والد ابو قحافہ۔

3۔ آپ کے فرزند عبد الرحمٰن۔

4۔ اور عبد الرحمٰن کے لڑکے ابو عتیق محمد۔

آپ کی چند اولیات:۔

1۔ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

2۔ سب سے پہلے قرآن شریف کا نام مصحف رکھا۔

3۔ حضور ﷺ کے بعد سب سے پہلے قرآن کو جمع کیا۔

4۔ سب سے پہلے کفار سے لڑے۔

5۔سب سے پہلے خلیفہ ہوئے۔

6۔سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی۔

7۔سب سے پہلے ولی عہد مقرر کیا۔

8۔سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔

9۔سب سے پہلے خلیفہ کا لقب پایا۔

10۔اسلام میں سب سے پہلے مسجد بنائی۔

11۔امت میں سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

....

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہ

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر　　اس خداداد حضرت پہ لاکھوں سلام
فارق حق و باطل، امام الہدیٰ　　تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

حضرات! جانشین رسالت مآب خلیفہ دوم حضرت امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو حفص" اور لقب "فاروق اعظم" ہے۔ آپ کی والدہ کا نام "عنتمہ" ہے جو ہشام بن مغیرہ کی بیٹی ہیں۔ آپ اشراف قریش میں بہت ممتاز ہیں اور آٹھویں پشت میں آپ کا خاندانی شجرہ رسول خدا ﷺ کے شجرۂ نسب سے ملتا ہے۔ آپ واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور نبوت کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرات! آپ ہستی ہیں کہ آپ کے آغوش اسلام میں آتے ہی تاریخ اسلام کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اس وقت تک اگرچہ 40 یا 50 آدمی مسلمان ہو چکے تھے اور عرب کے مشہور بہادر حضرت امیر حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر پھر بھی مسلمان اپنے فرائض منصبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز ادا کرنا تو بالکل ہی ممکن نہیں تھا۔ مگر آپ کے اسلام لاتے ہی ایک انقلاب آ گیا اور دفعۃً یہ حالت بدل گئی آپ نے برملا اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ چنانچہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے:

فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَيْشًا حَتّٰى صَلّٰى عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ.

یعنی حضرت عمر اسلام لائے تو وہ قریش سے لڑے یہاں تک کہ انہوں نے حرم کعبہ میں نماز پڑھی اور ہم لوگوں نے بھی ان کے ساتھ نماز ادا کی۔

آپ سابقین اولین اور خلفاء راشدین میں بڑی بڑی عظیم الشان خصوصیات کے جامع ہیں

"بیعت الرضوان" میں شامل ہوئے اور "عشرہ مبشرہ" یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں آپ کا شمار ہے جن کو رسول اکرم ﷺ نے ایک ساتھ جنتی ہونے کی بشارت دی صحابہ کرام کے کبار علماء اور زاہد میں بھی آپ بہت ہی خصوصی امتیاز کے ساتھ ممتاز ہیں۔ (539) احادیث آپ سے مروی ہیں اور آپ کے فتاویٰ اور شرعی فیصلوں کا ایک ایسا عظیم مجموعہ ہے جو فقہ اسلامی کا نہایت ہی قیمتی ذخیرہ اور بہترین علمی سرمایہ ہے۔

آپ کے فضائل:۔ حضرات! آپ کے فضائل و مناقب کا کیا کہنا؟ قرآن کریم کی بہت سی آیات بینات آپ کے فضائل و کمالات کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہاں تک کہ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ قرآن کی تقریباً بیس آیتیں ہیں کہ حضرت عمر نے جو رائے دی تھی کہ اسی کے مطابق نازل ہوئیں (تاریخ الخلفاء) چنانچہ آپ کا ایک مشہور لقب "اَلْمُوَافِقُ رَأيُهٗ بِالْوَحْيِ وَالْكِتَابِ" بھی ہے۔ یعنی آپ کے رائے کے مطابق کبھی کبھی قرآن مجید کی وحی نازل ہوا کرتی تھی! اور حدیثوں میں تو آپ کے فضائل اس کثرت سے وارد ہوئے کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فضائل فاروق اعظم کی احادیث میں سے صرف چند حدیثیں اس وقت آپ کے سامنے میں پیش کرتا ہوں۔ بغور سنئے اور حضرت فاروق اعظم کے نورانی فضائل سے اپنی دنیائے ایمان کو منور فرمایئے۔

حضرات! جناب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب بیان فرماتے ہوئے حضور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (مشکوٰۃ ص558)

یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔

مگر چونکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہی نہیں اس لئے حضرت عمر نبی نہیں ہوئے۔ سبحان اللہ! اس حدیث سے فاروق اعظم کی کس قدر عظمت ظاہر ہوتی ہے؟ اور پیغمبر ذی شان کا یہ فرمان حضرت فاروق کی عظمت شان کا کتنا روشن بیان اور ان کے عظیم الشان مدارج علیا کا کتنا بڑا نشان ہے؟

حضرات! خدا کی قسم آپ بھی روضہ منورہ کے حضور میں حضرت فاروق اعظم کے مواجہہ میں کھڑے ہو کر معلم جب اپنے مخصوص لہجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار

میں نذرانہ اسلام پیش کرتا ہے اور یہ پڑھتا ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَنْ قَالَ فِیْ حَقِّهٖ سَیِّدُ الْبَشَرِ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَر تو اس وقت جسم کا رونگٹا رونگٹا عظمت فاروق کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے۔ اور سلام پڑھنے والا کیف وسرور کی ایک ایسی منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا فاروق اعظم اپنی پوری عظمت شان کے ساتھ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہیں اور رحمت عالم کا دست کرم فاروق اعظم کے سر پر عزت وکرامت کا وہ رفیع الشان تاج فضیلت زیب سر فرما رہا ہے۔ کہ آسمانوں کی رفعتیں اور چاند وسورج کی سربلندیاں اسے جھک جھک کر سلام کر رہی ہیں!

سبحان اللہ! دربار فاروقی کا سلام ان کی بارگاہ عظمت میں انتہائی ادب و وقار کے ساتھ عرض کرتا ہوں:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَنْ قَالَ فِیْ حَقِّهٖ سَیِّدُ الْبَشَر لَوْ کَانَ مِنْ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَر

یعنی سلام ہو آپ پر اے وہ ذات گرامی کہ جن کے حق میں حضور سید البشر ﷺ نے فرمایا کہ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً حضرت عمر ہوتے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ :۔

اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ (مشکوٰۃ ص 557)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے۔

وہ جب بھی اور جو کچھ بھی بولتے ہیں ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں۔ اور ان کی زبان صداقت نشان پر کبھی باطل کا گزر ہی نہیں ہو سکتا! سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ کسی نے خوب کہا ہے ؎

عظمت انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے
حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی میں ہے

اسی طرح ایک حدیث میں حضور سرکار دوجہاں ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ بہت سے لوگ میرے سامنے کرتا پہنے ہوئے پیش کیے گئے تو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کا کرتا ان کے سینے تک ہے اور کچھ لوگوں کا کرتا اس سے زیادہ لمبا ہے مگر جب حضرت عمر

میرے سامنے پیش کیے گئے تو ان کا کرتا اتنا لمبا تھا کہ زمین پر گھسیٹتا ہوا نظر آیا۔ رحمت عالم ﷺ کا یہ خواب سن کر صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) حضرت عمر کا کرتا اتنا زیادہ لمبا تھا اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر کی دینداری ہے۔ (بخاری شریف)

حضرت صدیق اکبر کی گواہی:۔ حضرات گرامی! امیر المومنین حضرت صدیق اکبر کے قلب میں فاروق اعظم کی کتنی عظمت تھی؟ اس کا اندازہ لگانا ہو تو وہ حدیث سنئے جس کو پیارے مصطفیٰ ﷺ کے یار غار یعنی "صدیق جاں نثار" نے روایت کیا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم نے امیر المومنین صدیق اکبر کو یہ کہہ کر پکارا:۔

يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

یعنی اے رسول اللہ کے بعد تمام انسانوں میں سب سے بہترین۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ اے عمر! اگر تم مجھے ایسا کہتے ہو تو سن لو! اور یقین مانو کہ میں نے تمہارے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰى رَجُلٍ خَيْرٍ مِّنْ عُمَرَ (مشکوٰۃ ص558)

یعنی سورج کسی ایسے آدمی پر طلوع نہیں ہوا جو عمر سے بہتر ہو۔

حضرت علی کا قول:۔ اسی طرح اسد اللہ الغالب امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، فاروق اعظم کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے:۔

مَا كُنَّا نُبْعِدُ اَنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ

یعنی ہم اس کو کچھ بعید نہیں سمجھتے تھے کہ عمر کی زبان پر "سکینہ" بولتا ہے۔

یعنی حضرت عمر کی زبان سے جو کلمات ادا ہوتے ہیں وہ دلوں کو اطمینان اور روح کی تسکین کا سامان ہوتے ہیں۔ یا "سکینہ" سے مراد وہ فرشتہ ہے جو حضرت عمر کو "حق" کا الہام کیا کرتا ہے!

پڑھئے درود شریف:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

الغرض! برادران ملت! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جامع الکمالات اور مجمع الفضائل ہونے کی حیثیت سے صحابہ کرام میں ایک بہت ہی ممتاز مرتبہ ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ حضور سید عالم ﷺ دعا فرماتے تھے کہ یااللہ! عمر بن الخطاب اور ابو جہل بن ہشام

میں سے جو تجھے پیارا ہو اس کو مسلمان بنا کر اسلام کو عزت دے اور حاکم کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّۃً۔

یعنی یا اللہ! عمر بن الخطاب کو خاص طور سے مسلمان بنا کر اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما۔

چنانچہ رحمت عالم کی یہ پیاری پیاری دعا جناب باری میں مقبول ہو گئی اور حضرت عمر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

آپ کی زندگی کے تین دور:۔ حضرات! امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات میں ایک بڑی خاص خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ آپ اپنی زندگی کے ہر دور میں انتہائی معزز و معظم رہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! تاریخ انسانی میں ایسی ہستیاں تو بہت ملیں گی کہ وہ لوگ مدتوں گوشۂ گمنامی میں پڑے رہے۔ پھر وہ ناگہاں اپنی زندگی کے کسی خاص دور میں چمکے اور عزت و عظمت کے تاجدار بن گئے مگر ایسے باکمال لوگ جو اپنی حیات کے ہر دور میں عزت و شرف اور اعلیٰ کارناموں کے ساتھ ممتاز رہے ہوں انتہائی نادر الوجود اور کمیاب ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم کا نام نامی انہیں باکمالوں کی فہرست میں بہت نمایاں نظر آتا ہے جو اپنی زندگی کے ہر دور میں کامیابی کی اعلیٰ منزل پر پہنچے۔

برادران ملت! اگر آپ غور کریں تو حضرت فاروق اعظم کی مقدس زندگی کے تین دور خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جو در حقیقت ان کی زندگی کے تین بہت ہی اہم موڑ ہیں اور وہ یہ ہیں۔ 1۔ "دور جہالت۔ 2۔ دور اسلام۔ 3۔ دور خلافت۔" لہٰذا میں آج کی مجلس میں آپ کے ان تینوں دور حیات پر کچھ کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں تاکہ مادر اسلام کے اس سپوت کی گوناگوں خصوصیات اور ان کی عظیم شخصیت کی تجلیات آپ کے دل و دماغ میں جلوہ فگن ہو جائیں۔

دور جہالت:۔ حضرات! بچپن میں حضرت فاروق اعظم نے شرفاء کے بچوں کے دستور کے مطابق اونٹ چرایا۔ چنانچہ امیر المؤمنین ہونے کے بعد ایک مرتبہ "وادی ضجنان" میں آپ

جب اس جگہ پہنچے جہاں بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے تو آپ کو اپنا وہ زمانہ یاد آ گیا۔ اس وقت بلند آواز سے آپ نے فرمایا کہ اللہ اکبر! ایک وہ دن تھے کہ میں چند اونٹوں کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ اور آج یہ دن ہے کہ خداوند قدوس کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے۔

جوانی میں پہلوانی، شہسواری اور خطابت میں اپنے تمام ہمعصروں پر فوقیت لے گئے چنانچہ عرب کے مشہور میلے "عکاظ" اور "ذوالمجاز" میں جب آپ کشتی لڑتے یا گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں شریک ہوتے تو بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان اور شہسوار آپ کے کمال فن کی داد دیتے اور جب خطیب بن کر کھڑے ہوتے تو فصحائے عرب آپ کی فصاحت و بلاغت اور پر جوش خطابت پر "احسنت مرحبا" کا نعرہ بلند کرتے تھے۔ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت ہی کم تھا مگر آپ لکھنا بھی سیکھ گئے تھے چنانچہ علامہ بلازری نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت قریش کے پورے قبیلے میں صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے انہیں میں سے ایک حضرت عمر بن خطاب بھی تھے اور جب اپنے خاندانی عہدۂ سفارت پر فائز ہوئے تو اہل مکہ کے سفیر بن کر بڑے بڑے شاہانِ عجم کے درباروں میں پہنچے اور اپنی ہوشمندی، تدبر اور معاملہ فہمی کا سکہ بٹھا دیا اور سلاطینِ عجم سے اپنی ذہانت و سیاست کی بدولت اپنی قوم کے لئے اعزازی تمغہ حاصل کیا۔ الغرض زمانہ جاہلیت میں ایک خصوصی امتیاز کے ساتھ ممتاز اور سارے عرب میں معظم اور صاحب اعزاز رہے۔

دور اسلام:۔ حضرات! آپ کی زندگی کا دوسرا اہم دور قبول اسلام ہے۔ آپ کے اسلام لانے کا واقعہ تو بہت مشہور ہے۔ غالباً آپ لوگوں نے سنا بھی ہوگا۔ آپ اسلام کے بہت سخت دشمن تھے۔ مسلمانوں کو خاص کر اپنی لونڈی "بسینہ" کو بہت بہت مارا پیٹا مگر ایک مسلمان کو بھی وہ اسلام سے برگشتہ نہیں کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر یہ فیصلہ کر لیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا ہی خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ ننگی تلوار لے کر گھر سے نکل پڑے۔ راستہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ عمر! کہاں چلے؟ یہ بولے کہ آج "محمد" کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے کہا! جی! پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو؟ تمہاری بہن، "فاطمہ بنت خطاب" اور بہنوئی "سعید بن زید" بھی تو مسلمان ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت عمر پلٹ آئے اور بہن کے گھر پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ گھر میں داخل ہوتے ہی گرج کر بولے کہ تم دونوں بھی ہمارے دین سے

پھر گئے ہو؟ یہ کہہ کر بہنوئی کو مارنے لگے جب ان کی بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لئے دوڑیں تو بہن کو بھی اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئیں۔ مگر ایسی حالت میں بھی پیکر ایمان فاطمہ بنت خطاب استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئیں اور کہہ دیا کہ عمر! تم سے جو ہو سکے کر ڈالو۔ مگر سن لو۔ اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ بہن کے ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک خاص اثر ڈالا بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا اور بھی رقت طاری ہو گئی اور حضرت عمر کا دل بھر آیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتے رہے پھر فرمایا کہ اچھا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ بہن نے قرآن شریف کے اوراق لا کر سامنے رکھ دیئے۔ حضرت عمر نے جب اوراق کو اٹھا کر دیکھا تو سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور ایک روایت میں ہے کہ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى پر حضرت عمر کی نظر پڑی۔ قرآن کے معجزانہ الفاظ صداقت کا تیر بن کر قلب فاروق اعظم میں چبھ گئے اور وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ وہ وقت تھا جب محبوب خدا حضرت ارقم کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ لوگوں نے دروازے کے سوراخ سے دیکھا کہ حضرت عمر شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ حضرت عمر کی ہیبت سے صحابہ کو دروازہ کھولنے میں کچھ تردد ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس چچا حضرت امیر حمزہ نے اپنی گرجدار اور باوقار آواز میں فرمایا کہ اجی شمشیر بکف آیا ہے تو کیا ہوا؟ آنے دو۔ اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ میں اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو خود رحمت عالم ﷺ نے آگے بڑھ کر فرمایا کہ کیوں؟ عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پر جلال آواز سے حضرت عمر لرزہ براندام ہو گئے اور نہایت ہی عاجزی کے ساتھ عرض کیا: "ایمان لانے کے لئے" سرکار دو جہاں نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے "اللہ اکبر" کا نعرہ مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

ہجرت:۔ حضرات! ہجرت تو بہت سے صحابہ نے کی مگر آپ کی ہجرت کے بارے میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بجز حضرت عمر کے ہم ایک شخص کو بھی نہیں بتا سکتے کہ اس نے علی الاعلان ہجرت کی ہو۔ آپ نے اس شان سے ہجرت کی کہ ہتھیار پہن کر

مونڈھے پر کمان لٹکائے اور ہاتھ میں چند تیر لئے "کعبہ" میں داخل ہوئے۔ طواف کیا پھر "مقام ابراہیم دو رکعت نماز ادا کی۔" اس کے بعد اشراف قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہوں جو شخص اپنے بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہو وہ میرا راستہ روک کر مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے مگر کسی کافر کو تاب و طاقت نہیں ہوئی کہ آپ کا راستہ روکتا۔ یا آپ کا پیچھا کرتا اور آپ علانیہ بیس آدمیوں کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مہاجرین اولین کے معزز لقب سے سرفراز ہو گئے۔

نصرت اسلام:۔ مدینہ منورہ پہنچ کر نصرت و حمایت اسلام کا ایسا شاندار ریکارڈ قائم کر دیا جو تاریخ اسلام میں یقیناً ایک بہت ممتاز شاہکار ہے! تمام مؤرخین اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قَدْ شَھِدَ الْمَشَاھد کُلّھَا۔ یعنی 2ھ سے حضور اکرم ﷺ کی رحلت مبارکہ تک جتنی لڑائیاں پیش آئیں۔ غیر مسلموں سے جو جو معاہدات عمل میں آئے اور اشاعت اسلام کے لئے وقتاً فوقتاً جتنی تدبیریں اور انتظامات کئے گئے ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو حضرت عمر کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو، سفر و حضر، صلح و جنگ، ہر جگہ ہر حال میں بارگاہ نبوت میں خاص الخاص رفیق و معین رہے اور تن، من، دھن کے ساتھ خدمت دین و نصرت اسلام کے لئے کمربستہ رہے۔ چنانچہ سن ہجری کے لحاظ سے آپ کے چند کارناموں کو پیش کرتا ہوں۔

2ھ۔ جنگ بدر میں آپ اپنی چند خصوصیات کے ساتھ مخصوص و ممتاز ہیں جو دوسرے صحابہ کو حاصل نہیں۔ دیکھئے جنگ بدر میں کفار قریش کے تمام قبائل لڑائی کے لئے آئے مگر حضرت عمر کے قبیلہ "بنو عدی" کا ایک آدمی بھی اس جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ یہ صرف حضرت عمر کے رعب و ادب کا اثر تھا۔ سب سے پہلے جنگ بدر میں جو خوش نصیب صحابی شرف شہادت سے سرفراز ہوئے وہ حضرت عمر کے غلام "مہجع" تھے۔ حضرت عمر کا ماموں عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا بہت ہی معزز سردار تھا۔ جب یہ جنگ کے لئے میدان میں نکلا تو حضرت عمر نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔

حضرات! فاروق اعظم کی خصوصیات میں ایک بہت ہی بڑی اور خاص خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کے معاملہ میں رشتہ داری اور دنیاوی محبت کا اثر ان کے دل پر کبھی غالب نہیں آیا۔ چنانچہ یہ واقعہ کہ جنگ بدر میں آپ نے اپنے ماموں کو اپنی تلوار سے قتل کر دیا۔ اس کی

خصوصیت کی ایک بہت ہی روشن مثال ہے۔

3ھ! جنگ احد میں آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ ایک ایسا بھی وقت آیا کہ اچانک کفار نے مسلمانوں کے پیچھے سے اتنے زور و شور کا حملہ کر دیا کہ مسلمان اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ اور کافروں نے پتھروں اور تیروں کی ایسی بوچھاڑ کر دی کہ رحمت عالم کے دندان مبارک شہید ہو گئے پیشانی اقدس پر زخم لگے اور آپ زخموں سے نڈھال ہو کر ایک گڑھے میں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔ اس برہمی اور پریشانی میں ناگہاں یہ غل پڑ گیا کہ "رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے"۔ مسلمانو! جنگ احد میں یہ وہ نازک وقت تھا کہ مسلمانوں کا استقلال متزلزل ہو گیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔ بلکہ بہت سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مگر اس ہوش ربا حالت میں بھی حضرت فاروق اعظم میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور پورے عزم و استقلال کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ فلاں مقام میں زندہ و سلامت ہیں تو فوراً دوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔

5ھ میں جنگ خندق کا معرکہ پیش آیا تو خندق کے ایک حصہ کی حفاظت کے لئے رحمت عالم نے فاروق اعظم کو معین فرمایا۔ ایک دن کافروں نے اس جگہ سے خندق پار کر کے حملہ کا ارادہ کیا تو آپ نے آگے بڑھ کر حملہ روکا اور کفار کے لشکر کو درہم برہم کر دیا۔ چنانچہ آج بھی یہاں آپ کے نام کی مسجد موجود ہے۔

6ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ آپ اس میدان میں بھی اول سے آخر تک موجود رہے اور بیعۃ الرضوان کی سعادت مشرف ہوئے۔

7ھ میں جنگ خیبر کی لڑائی میں دوسرے دن سرکار دو جہاں ﷺ نے آپ ہی کو جھنڈا عطا فرمایا تھا۔

8ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس موقع پر آپ نے ابو سفیان کو دیکھ کر بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک مدت کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں، مگر رحمت عالم نے ابو سفیان کو امان عطا فرمادی۔

فتح مکہ کے دن جب رحمت عالم کوہ صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے تو اس وقت بھی فاروق اعظم آپ کے ساتھ تھے جب عورتوں کی بیعت کی باری آئی تو

رحمت عالم نے حکم دیا کہ اے عمر! تم میری طرف سے ان عورتوں سے بیعت لو۔

9ھ! میں جنگ تبوک کے سفر میں حضور اقدس ﷺ کے ہم رکاب رہے۔

10ھ! میں حضور رحمت عالم ﷺ کے ساتھ "حجتہ الوداع" ادا کیا۔

11ھ! میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد "سقیفہ بنی ساعدہ" میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق کے دست حق پرست پر آپ ہی نے بیعت خلافت کی۔

دور خلافت:۔ حضرات! یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آپ کو حضرت امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر فرمادیا تھا۔ چنانچہ آپ نے 22/ جمادی الاخریٰ 13ھ کو مسند خلافت کو سرفراز فرمایا۔ آپ کے دور خلافت میں بڑی بڑی اسلامی فتوحات حاصل ہوئیں۔

حضرات! سن ہجری کے لحاظ سے چند فتوحات کا تذکرہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ جس سے آپ کو یہ اندازہ ہو سکے گا کہ حضرت فاروق اعظم کا دور خلافت اسلام کی ترقی کے لئے کتنا زرین زمانہ تھا۔

14ھ میں دمشق، حمص، بعلبک، بصرہ، ایلہ فتح ہوگئے اور اسی سال آپ نے لوگوں کو تراویح کی نماز کے لئے جمع فرمایا۔

15ھ میں اردن اور طبریہ صلح سے فتح ہوئے اور اسی سال جنگ یرموک اور قادسیہ کا معرکہ پیش آیا اور اسی سال آپ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ شہر کو آباد کیا۔ اور اسی سال آپ نے مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں اور جاگیریں عطا فرمائیں۔

16ھ میں اہواز اور مدائن فتح ہوئے اور حضرت سعد نے کسریٰ کے محل میں جمعہ پڑھا۔ اسی سال قنسرین، حلب، تکریت وغیرہ بھی فتح ہوئے۔ اور اسی سال جب حضرت فاروق اعظم تشریف لے گئے تو بیت المقدس بھی فتح ہو گیا اور اسی سال آپ نے سنہ ھ مقرر فرمایا۔

17ھ میں آپ نے مسجد نبوی کو وسیع فرمایا اور اسی سال حجاز کا وہ مشہور قحط پڑا۔ جو تاریخ عرب میں "عام الرمادہ" کے نام سے مشہور ہے۔

18ھ جند، نیشاپور، حلوان، حران، نصیبین وغیرہ فتح ہوئے اور انہیں ایام میں ایک زبردست طاعون پھیلا جس کو "طاعون عمواس" کہتے ہیں۔

19ھ میں قیساریہ، کو اسلامی لشکروں نے لڑ کر فتح کیا۔

20 ھ میں مصر فتح ہوا اور تستر کا مشہور قلعہ بھی سر ہو گیا اور اسی سال آپ نے خیبر اور نجران سے یہودیوں کو جلا وطن فرمایا اور خیبر نیز وادی القریٰ کی زمینوں کو مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم فرمادیا۔

21ھ میں اسکندریہ اور نہاوند، فتح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے اور اس کے بعد ملک عجم میں کوئی سرکش سلطنت باقی نہیں رہی۔

22ھ میں آذر بائیجان، دینور، ہمدان، طرابلس الغرب، ری عسکر وغیرہ مفتوح ہوئے۔

23ھ میں کرمان، بجستان، مکران کے پہاڑی علاقوں اور اصفہان وغیرہ پر آپ نے لشکر بھیج کر سب کو اسلامی سلطنت کا جزو بنالیا اور اسی سال کے آخر میں حج سے واپسی کے بعد آپ کی شہادت ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء)

اسلامی خدمات:۔ اسلامی فتوحات کے علاوہ اور بھی بڑی بڑی اسلامی خدمات آپ نے اپنے دور خلافت میں انجام دیں مسجد نبوی کو وسعت و رونق دی اور محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آپ کے دور خلافت میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں اور قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی نشر و اشاعت کا پوری سلطنت میں ایک ایسا نظام قائم فرمایا جس کی بدولت ہزاروں حفاظ اور محدثین و فقہاء عالم وجود میں آ گئے دس برس تک ہر سال خود ہی "امیر الحج" رہے اور اپنے خطبات اور خطوط و فرامین کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے اور اپنے عمال حکومت کو بھی تبلیغ اسلام اور تعلیم دین کی نشر و اشاعت کی تاکید فرماتے رہے۔

نظام سلطنت:۔ آپ نے اپنے نظام سلطنت میں رعایا کی راحت رسانی، عدل و انصاف، رعایا کی خبر گیری، امن و امان کا قیام، رفاہ عام فوجی نظام مراکز معاشیات و اقتصادیات کا قیام، بیت المال کا بہترین انتظام، الغرض حکومت کے تمام شعبوں کو اس قدر اور اتنے بہترین نظم کے ساتھ قائم فرمایا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں، بلکہ اس زمانے کی ترقی یافتہ حکومتیں بھی فاروق اعظم کے "نظام سلطنت" سے ہدایت کی روشنی حاصل کرتی رہیں گی۔

احتساب عمال:۔ حکام اور گورنروں کے احتساب کا یہ عالم تھا کہ ماتحت گورنر جو مختلف ملکوں میں مرکزی خلافت کے نمائندے تھے آپ کی ہیبت سے تھر تھر کانپتے تھے۔ ایک مرتبہ تمام

گورنروں کے مال و سامان کا جائزہ لیا۔ تو جوتوں کا ایک جوڑا چھوڑ کر باقی سارا سامان بیت المال میں بھجوا دیا۔ مصر کے گورنر عمرو بن العاص کے نام فرمان بھیجا کہ گورنر ہونے سے پہلے تمہارے پاس جو سامان تھا اس کو رکھ لو اور اس سے زائد جتنا سامان تم نے فراہم کیا ہے۔ سب بیت المال میں جمع کر دو۔ عیاض بن غنم (حاکم مصر) کے متعلق رپورٹ پہنچی کہ وہ ریشم پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے آپ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ گرفتار کر کے اپنے ساتھ لاؤ "عیاض" امیر المؤمنین کے سامنے آیا تو آپ نے اس کو بال کے کمبل کا کرتا پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ اس کی حوالہ کیا اور فرمایا کہ تم انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہو "جاؤ اور بکریاں چرایا کرو" آپ اپنے گورنروں اور حاکموں سے عہد لیا کرتے تھے کہ وہ کبھی ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے، باریک کپڑا نہیں پہنیں گے۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھائیں گے دربان نہیں رکھیں گے۔ حاجت مندوں کے لئے دروازہ کھلا رکھیں گے۔ ذرا سی گورنر یا حاکم میں عیش پسندی کی بو پاتے فوراً اس کو معزول فرمادیتے۔

رعایا کی خبر گیری:۔ رعایا کی خبر گیری کا یہ حال تھا کہ خود ایک بدوی کے لباس میں مدینہ منورہ اور اطراف میں گشت لگا کر راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک پردیسی بدوی مسلمان کی بیوی کو مدینہ کے باہر خیمہ میں دردزہ اٹھا۔ میاں بیوی پردیس میں کسمپرسی کی وجہ سے پریشان حال تھے۔ آپ کا گزر ہوا تو یہ حال دیکھ کر آپ اپنی بیوی کو بلا لائے انہوں نے خیمہ کے اندر جا کر عورت کی مدد کی اور آپ اس مسافر کے پاس بیٹھے رہے۔ جب ولادت ہو گئی تو آپ کی بیوی صاحبہ نے آکر کہا کہ امیر المؤمنین! مبارک ہو کہ فرزند پیدا ہوا۔ پردیسی بدوی امیر المؤمنین کا نام سنتے ہی لرزہ براندام ہو گیا اور جذبہ تشکر سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ اللہ اللہ! امیر المؤمنین کی "ملکہ" میری عورت کو بچہ جنانے کے لئے آئی ہیں!

آپ کی کرامات:۔ آپ انتہائی عبادت گزار، پرہیز گار، صاحب کرامت اور ولایت کے تاجدار بھی ہیں اور آپ کی بہت سی کرامتیں منقول ہیں کہ آپ کی ایک بڑی ہی عجیب اور دلچسپ کرامت یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص سے سوال فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ "جمرہ" (چنگاری) آپ نے پوچھا کہ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ "شہاب" (شعلہ) آپ نے اس کے قبیلہ کا نام معلوم فرمایا تو اس نے کہا کہ "حرقہ"

(آگ) آپ نے گاؤں کا نام دریافت فرمایا تو کہا "حرہ" (گرم پتھریلی زمین) آپ نے فرمایا کہ وہ گاؤں کس جگہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ "نظی" (شعلہ والی آگ) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تو اپنے اہل و عیال کی خبر گیری کر کیونکہ وہ سب جل مرے وہ شخص اپنے گھر گیا تو دیکھا کہ واقعی آگ لگی ہے۔ اور سب گھر والے جل گئے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی سادگی:۔ حضرات! باوجود یہ کہ آپ کے رعب و جلال سے بڑے بڑے بادشاہوں کے دل زیروزبر ہوتے تھے۔ مگر پھر بھی آپ کی درویشانہ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ رات دن خوف الٰہی سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان پڑ گئے تھے۔ سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ پیرہن میں تین تین پیوند لگے ہوئے دیکھے گئے۔ ابو عثمان نہدی کہا کرتے تھے کہ میں نے فاروق اعظم کے پائجامہ میں چمڑے کا پیوند لگا دیکھا۔ آپ ہر سال حج کے لئے جاتے تھے مگر کبھی آپ نے کسی منزل پر بھی کوئی خیمہ نہیں کھڑا کیا۔ بلکہ کسی درخت پر کوئی کملی یا چادر ڈال کر اس کے سائے میں بیٹھ جاتے تھے!

آپ کی شہادت:۔ برادران ملت! آپ کی شہادت بھی آپ کی ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ الشَّهَادَةَ فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِكَ.

یعنی اے اللہ! تو مجھ کو اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے حبیب کے شہر (مدینہ) میں موت دے۔

بعض لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ بھلا مدینے میں ان کو کہاں سے شہادت ملے گی؟ شہادت تو میدان جنگ میں ملا کرتی ہے۔ امیر المؤمنین مدینہ کے باہر مرنا بھی نہیں چاہتے اور پھر شہادت کی تمنا بھی رکھتے ہیں۔ مگر برادران ملت، سچی بات تو یہ ہے کہ

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
در کریم سے بندوں کو کیا نہیں ملتا

آپ کی یہ پرخلوص دعا بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو گئی اور آپ کو مدینہ ہی میں شہادت نصیب ہو گئی۔

حضرات! آپ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت مغیرہ کا مجوسی غلام ابولؤلؤ فیروز اپنے مولیٰ حضرت مغیرہ کے خلاف ایک مقدمہ لے کر دربار فاروقی میں آیا۔ چونکہ حضرت مغیرہ حق پر تھے۔ اس لئے عدل فاروقی نے ان کو ڈگری عطا فرمادی! ابولؤلؤ فیروز غصے میں جل بھن گیا اور زہر میں بجھا ہوا خنجر لے کر فجر کے وقت مسجد نبوی کی صف اول میں عین محراب کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی امیر المؤمنین نے نماز شروع کی اس ملعون کافر نے آپ کے مونڈھے اور کوکھ میں دو گہرے زخم لگائے۔ اور آپ خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ابولؤلؤ فیروز بھاگنے لگا اور لوگوں نے اس کو پکڑنا چاہا تو یہ جلدی جلدی خنجر چلاتا ہوا بھاگا اور دوسرے بارہ یا تیرہ آدمیوں کو بھی زخمی کر دیا جن میں سے چھ کی وفات ہو گئی آخر ایک عراقی نے اس کے سر پر چادر ڈال کر پکڑ لیا۔ تو اس نے فوراً ہی وہی خنجر اپنے شکم میں مار کر خود کشی کر لی اور مر گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز فجر پڑھائی اور لوگ آپ کو اٹھا کر مکان پر لائے اور کھجور کا شربت پلایا۔ لیکن وہ زخموں کے راستہ سے باہر نکل گیا۔ پھر آپ کو دودھ پلایا مگر وہ بھی زخموں سے باہر نکلا۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کی زندگی سے ناامید ہو کر عرض کیا کہ امیر المؤمنین آپ کو جو وصیت کرنی ہو وہ کر دیجئے۔

آپ کی وصیتیں:۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ لوگو! بتاؤ؟ میرا قاتل کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ابولؤلؤ فیروز۔ آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ! کسی مسلمان کا دامن میرے خون سے داغدار نہیں ہوا اور ایک کافر کے ہاتھ سے مجھے شہادت ملی۔ پھر آپ نے اپنے فرزند عبداللہ سے فرمایا کہ بیٹا جلدی سے حساب کر کے مجھ بتاؤ کہ مجھ پر کتنا قرض ہے۔ انہوں نے حساب کر کے تقریباً چھیاسی ہزار درہم بتایا۔ تو آپ نے فرمایا کہ نور نظر! اگر یہ قرض میری جائیداد سے ادا ہو سکے تو میری جائیداد فروخت کر کے میرا قرض ادا کر دینا۔ ورنہ میرے خاندان بنو عدی سے مدد طلب کرنا اور اگر پھر بھی قرض ادا نہ ہو سکے تو قریش سے امداد کی درخواست کرنا اور خبردار! قریش کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے سے میرے قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ ہرگز ہرگز مت طلب کرنا! پھر فرمایا کہ بیٹا عبداللہ! اب تم ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جا کر میرا اسلام عرض کرو اور میری یہ تمنا ظاہر کر دو کہ عمر اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ! ام المؤمنین کی خدمت میں

حاضر ہوئے تو وہ رو رہی تھیں جب امیر المؤمنین کی تمنا اور درخواست سنی تو فرمایا کہ یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے محفوظ کر رکھی تھی مگر خدا کی قسم! میں آج امیر المؤمنین کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔

حضرت عبداللہ واپس لوٹے اور آکر جب یہ خوشخبری سنائی کہ ام المؤمنین نے آپ کو روضہ منورہ میں دفن ہونے کی اجازت دے دی تو آپ نے خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ میری یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! آپ کسی کو خلافت کے لئے بھی منتخب فرمادیجئے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کام کے لئے ان چھ شخصوں سے زیادہ کسی کو حق دار نہیں سمجھتا۔ جن سے میرے آقا نبی کریم ﷺ خوش ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے اور چھ آدمی یہ ہیں۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن، سعد، ان میں سے جس کے متعلق کثرت رائے ہو اس کو خلیفہ مقرر کرلینا چاہئے۔ میرا بیٹا عبداللہ رائے اور مشورہ میں تو شریک رہے گا مگر خلافت سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ پھر آئندہ ہونے والے خلیفہ کے لئے بھی بہت سی وصیتیں فرمائیں۔

26/ ذوالحجہ 22ھ چار شنبہ کے دن آپ زخمی ہوئے اور تین دن بعد دس برس چھ ماہ چار دن مسند خلافت پر متمکن رہ کر ترسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور محرم کی پہلی تاریخ کو مدفون ہوئے۔ حضرت صہیب نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف و حضرت عثمان و حضرت علی و حضرت سعد بن ابی وقاص نے قبر میں اتارا اور افضل و کمال کا یہ آفتاب عالم تاب پہلوئے مصطفیٰ و صدیق میں پہنچ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کیا مقدر ہے صدیق وفاروق کا
جن کا گھر رحمتوں کے خزینے ہیں

....

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان

رضی اللہ عنہ

در منثور قرآن کی سلک بہی　　زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ　　حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

حضرات! خلیفہ سوئم امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمرو، اور لقب ذوالنورین ہے۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ آپ کی والدہ کا نام آردیٰ بنت کریز ہے۔ آپ عام الفیل کے چھٹے سال مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

قرابت رسول:۔ حضرات! آپ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ چند طریقوں سے آپ کو قرابت رسول کا شرف حاصل ہے سب سے پہلی قرابت تو یہ ہے کہ پانچویں پشت میں آپ کا نسب نامہ رسول اللہ ﷺ کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ دوسری قرابت یہ ہے کہ آپ کی نانی ام حکیم بنت عبد المطلب حضور ﷺ کے والد ماجد عبد اللہ بن عبد المطلب کے ساتھ ایک ہی پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت عثمان کی والدۂ رسول مقبول ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ اور تیسری قرابت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں آئیں۔ چنانچہ حسین جعفی محدث کہا کرتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی انسان کے لئے نہ یہ شرف حاصل ہوا نہ ہو سکتا ہے کہ کسی نبی کی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں آئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سارے جہاں میں آپؓ "ذوالنورین" کے لقب سے ممتاز ہیں۔ نزول وحی سے پہلے حضور اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ اپنی صاحبزادی بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح فرما دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر حبشہ کو ہجرت فرمائی۔ پھر جب آپ حبشہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو حضرت سیدہ رقیہ بیمار ہو گئیں۔ جس وقت حضور ﷺ جنگ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت سیدہ رقیہ کی بیماری بہت شدید ہو چکی تھی۔ چنانچہ سیدہ رقیہ کی تیمارداری کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان کو جنگ بدر میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ ابھی حضور اکرم ﷺ جنگ بدر سے واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ حضرت سیدہ رقیہ کا انتقال ہو گیا اور جس وقت قاصد جنگ بدر کی فتح مبین کا مژدہ لے کر مدینہ آیا تو اس وقت حضرت سیدہ رقیہ کو دفن کیا جا رہا تھا۔ لیکن باوجودیکہ حضرت عثمان جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ پھر بھی حضور انور ﷺ نے ان کو مال غنیمت میں سے ایک مجاہد کا حصہ فرمایا اور شرکاء بدر کے ثواب واجر کی بشارت دی۔ اسی لئے حضرت عثمان اہل بدر میں شمار کئے جاتے ہیں۔ پھر حضرت رقیہ کی وفات کے بعد جلد ہی حضور اقدس ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی زوجیت سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سرفراز فرما دیا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے اسی مضمون کی اشارہ ؎

نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

روایت ہے کہ جب 9ھ میں حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں اس کا بھی نکاح حضرت عثمان سے کر دیتا۔ بلکہ ابن عساکر نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے میں ان سب کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیتا۔ (تاریخ الخلفاء)

بہرکیف آپ رسول برحق کے قریبی رشتہ دار اور قریش کے معززین میں آپ کا شمار ہے اور اسلام میں سابقین اولین میں سے ہیں اور رحمتہ للعالمین ﷺ کے خلیفہ برحق اور جانشین ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں شامل اور شیخین اکبریں یعنی حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کے بعد اکرم الخلق وافضل الناس ہیں اور بارگاہ نبوت کے محبوب و معتمد صحابی، خلوت و جلوت کے رازدار، اور انتہائی جاں نثار ہیں ابن سعد کی روایت ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ "غزوہ

ذات الرقاع" اور غزوہ غطفان، میں تشریف لے گئے تو ان دونوں موقعوں پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ بنا کر گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا اسلام:۔ آپ قدیم الاسلام ہیں۔ یعنی ابتدائے اسلام ہی میں آپ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ مگر آپ کے اسلام کی خبر سنتے ہی آپ کا سارا خاندان بھڑک اٹھا اور آپ کا چچا حکم بن ابی العاص تو اس قدر برہم ہوا کہ اس نے آپ کو ایک رسی میں جکڑ کر باندھ دیا اور کہنے لگا کہ جب تک تم اسلام سے منہ نہ موڑو گے میں ہرگز ہرگز تمہیں نہیں کھولوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ! اگر تم میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو گے جب بھی میں اپنی آخیر سانس تک ہرگز ہرگز کبھی اس مقدس دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ حکم بن ابی العاص آپ کے اس عزم واستقلال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور آپ کو رہا کر دیا۔

آپ کی ہجرت:۔ آپ کا لقب صاحب الہجرتین بھی ہے۔ کیونکہ آپ نے دو مرتبہ ہجرت کی ہے ایک مرتبہ حبشہ گئے اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔

حضرات! روایت ہے کہ جب حضرت عثمان غنی حبشہ کی طرف ہجرت کر کے روانہ ہو گئے تو حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ خداوند کریم حضرت عثمان کی مدد فرمائے کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ خدا کی راہ میں ہجرت کی۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا علم:۔ علم اور عبادت کے اعتبار سے بھی آپ کو صحابہ میں ایک خصوصی امتیاز تھا۔ آپ چونکہ حافظ قرآن تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کا اس قدر ذوق و شوق تھا کہ دن رات قرآن پڑھنے میں مشغول رہتے تھے اس لئے آپ پر علوم قرآنیہ کے خزانے برابر منکشف ہوتے ہی رہتے تھے مگر چونکہ آپ پیکر حیا اور انتہائی شرمیلے تھے اس لئے احادیث بہت ہی کم روایت فرماتے تھے مگر پھر بھی ایک سو چھیالیس حدیثیں آپ سے مروی ہیں اور بہت سے جلیل القدر صحابہ اور تابعین روایت حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ بہت ہی سنجیدہ اور کم سخن بھی تھے۔ یہاں تک کہ بیعت خلافت کے بعد پہلی مرتبہ جب خطبہ پڑھنے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے تو "الحمد للہ" پڑھا اور خاموش ہو گئے۔ اور یہ کہہ کر منبر پر سے اتر پڑے کہ لوگو! تم جانتے ہی ہو کہ اول اول گھوڑے پر سوار ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ

ضرور تمہیں خطبہ سناؤں گا۔

آپ کے فضائل:۔ آپ کے فضائل میں چند آیات اور بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ آپ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں تو ایسی ہیں جن میں چاروں خلفاء کے اسماء گرامی موجود ہیں۔ کچھ ایسی حدیثیں ہیں جن میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان تینوں کے نام مذکور ہیں اور کچھ حدیثوں میں تنہا آپ ہی کا نام نامی اور اسم گرامی آیا ہے۔ چنانچہ انہیں احادیث میں سے جن میں خصوصیت کے ساتھ صرف حضرت عثمان ہی کا نام لے کر سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چند احادیث اس مجلس میں آپ کو سناتا ہوں۔ درود شریف پڑھ لیجئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان کا کاشانہ نبوت میں داخل ہوئے تو حضور رحمت عالم ﷺ جلدی جلدی اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں ایسے آدمی سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (صحیحین) حضرت عبدالرحمٰن بن جناب روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو حضور اقدس ﷺ جیش العسرۃ (جنگ تبوک) کی تیاری کے لئے صحابہ کو ترغیب دے رہے تھے اور لوگ اپنی وسعت اور طاقت کے لحاظ سے مالی امداد دینے کا اعلان کر رہے تھے کہ ناگہاں حضرت عثمان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک سو اونٹ مع پالان اور سارے سامان کے اس جہاد کی تیاری کے لئے پیش کرتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر صحابہ کو ترغیب دی تو حضرت عثمان نے دو سو اونٹ مع سامان کے دینے کا اعلان کیا۔ پھر تیسری مرتبہ جب حضور اقدس ﷺ نے ترغیب دلائی تو حضرت عثمان نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! تین سو اونٹ مع سامان کے حاضر خدمت کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہوئے منبر سے اتر پڑے کہ اگر آج سے عثمان کوئی نفل عبادت نہ کریں تو ان کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (ترمذی)

اسی طرح عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار لا کر حضور سرور عالم کے دامن میں ڈال دیئے تو آپ بار بار ان دیناروں کو

الٹ پلٹ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر آج سے عثمان کوئی بھی نفل عبادت نہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (ترمذی)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمان نے دو مرتبہ جنت خریدی ایک مرتبہ تو اس وقت جب کہ رومہ کا کنواں خرید کر انہوں نے تمام مسلمانوں پر وقف کر دیا اور دوسری مرتبہ جب کہ انہوں نے جنگ تبوک کی تیاری میں سب سے زیادہ مال دیا۔

(تاریخ الخلفاء)

اسی طرح میدان "حدیبیہ" میں پندرہ سو صحابہ کی جماعت میں سے مکہ مکرمہ جا کر کفار قریش سے گفتگو کرنے کے لئے نگاہ نبوت نے آپ ہی کو منتخب کیا۔ چنانچہ آپ جب مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ کی انتہائی دشمنی کے باوجود کسی کی جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کے ساتھ کوئی گستاخی یا بے ادبی کرتا بلکہ کفار قریش نے آپ سے یہ کہا کہ آپ خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے اپنا عمرہ ادا کر لیں۔ مگر ہم آپ کے نبی کو ہرگز ہرگز کعبہ کے قریب نہیں آنے دیں گے۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ اے اہل مکہ! بھلا میری یہ مجال ہے کہ میں بغیر محبوب خدا کو ساتھ لئے خدا کے گھر کا طواف کر لوں؟

جب اہل مکہ سے گفتگو میں بات بڑھ گئی اور حضرت عثمان کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ببول کے درخت کے سائے میں رونق افروز ہو گئے اور اعلان فرمایا کہ تمام اصحاب میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کریں کہ جب تک ان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ اور زندگی کی ایک سانس باقی ہے اس وقت تک وہ جہاد فی سبیل اللہ سے منہ نہ موڑیں گے۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام نے بیعت کر لی مگر اس وقت حضرت عثمان یہاں موجود نہیں تھے۔ تو حضرت اقدس ﷺ نے اپنا دائیاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یا اللہ! یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اس واقعہ کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگوں نے تو اپنے ہاتھ سے بیعت کی۔ مگر حضرت عثمان کی بیعت رسول خدا ﷺ کے ہاتھ سے ہوئی اور حضور کا مقدس ہاتھ ہمارے ہاتھوں سے بے شمار درجے بہتر ہے۔ (بخاری وغیرہ)

اسی طرح حضرت کعب بن مرہ سے مروی ہے کہ ایک دن رحمت عالم ﷺ ایک قریبی

فتنہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص سر پر کپڑا ڈالے ہوئے گزرا اس کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اس دن ہدایت پر ہو گا۔ کعب بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے فوراً کھڑے ہو کر دیکھا تو وہ حضرت عثمانؓ تھے۔ پھر میں نے حضرت عثمانؓ کو قریب بلایا اور جب ان کا چہرہ حضور ﷺ کے سامنے ہو گیا تو میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہی اس دن ہدایت پر ہوں گے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں یہی اس دن ہدایت پر ہوں گے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

آپ کا دور خلافت:۔ برادران اسلام! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے وقت سے حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت تک ہر دور میں آپ کے اسلامی کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اب وہ وقت آتا ہے کہ آپؓ مسند خلافت پر رونق افروز ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہونے کے بعد تیسرے ہی دن وہ چھ اکابر صحابہ جن کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خلافت کا معاہدہ سپرد فرمایا تھا۔ متوجہ ہوئے اور سب لوگوں نے بالاتفاق آپ کو امیر المؤمنین منتخب فرما کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے دور خلافت میں بھی اسلامی فتوحات کا دائرہ برابر وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔ چنانچہ آپؓ کی خلافت کے پہلے ہی سال 24ھ میں ملک "رے" جو مفتوح ہونے کے بعد اسلامی حکومت کے قبضے سے نکل گیا تھا دوبارہ آپ نے لشکر بھیج کر اس کو فتح کر لیا۔

26ھ میں آپ نے کچھ مکانات خرید کر مکہ مکرمہ کی مسجد حرام کو وسیع کیا اور اسی سال عساکر اسلامیہ نے آپ کے حکم سے "سابور" کے قلعہ کو فتح کیا۔

27ھ میں آپ کے حکم سے شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑہ تیار کر کے سمندری جہاد شروع کیا اور "قبرص" پر حملہ کر کے اس جزیرہ کو بھی مسخر کر لیا اور اسی سال "ارجان" اور "داز بجرد" پر بھی قبضہ ہو گیا اور اسی سال آپؓ نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ ابن ابی سرح کو گورنر مقرر فرمایا اور عبداللہ بن ابی سرح نے مصر پہنچ کر افریقہ پر فوج کشی کر کے تمام کوہستانی اور غیر کوہستانی علاقوں کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا اور اس جہاد میں اس قدر کثیر مال غنیمت حاصل ہوا کہ ہر سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار اور بعض کا قول ہے کہ تین تین ہزار دینار حصہ ملا۔

29ھ میں آپ نے مسجد نبوی کو وسیع فرمایا اور منقش پتھروں سے اس کی دیواروں اور

ستونوں کی تعمیر فرمائی اور اس کی چھتوں کو ساگوان کی لکڑی سے مزین فرمایا اور مسجد کی لمبائی ایک سو ساٹھ گز اور چوڑائی ڈیڑھ سو گز کر دی۔ اور اسی سال "اصطغر" وغیرہ بہت سے ممالک مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت کا جزو بن گئے۔

30ھ اور 35ھ تک خراسان کے اکثر شہر اور نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور بیہق وغیرہ مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے اور ہر چہار طرف سے اس قدر مال کثیر "دارالخلافہ" مدینہ منورہ میں آیا کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان مالوں کی حفاظت کے لئے چند محفوظ خزانے بنوانے پڑے اور مہاجرین کو اس فراخدلی سے آپ نے روزینے تقسیم فرمائے کہ ہر سپاہی دولت سے مالا مال ہو گیا۔

35ھ میں آپؓ شہید کر دیئے گئے جس سے اسلام کی ترقی میں ایک بہت ہی عظیم رخنہ پڑ گیا اور اسلامی سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں۔

آپ کی شہادت:۔ حضرات گرامی! آپؓ کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام کا انتہائی دردناک حادثہ فاجعہ ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مختصر طور پر یہ واقعہ بھی آپ کو سنا دوں، بغور سنئے!

حضرات! آپؓ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ آپؓ بارہ برس تک تخت خلافت کو سرفراز فرماتے رہے۔ شروع کے چھ برسوں میں تو کسی ایک فرد کو بھی آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی بلکہ قریش میں تو آپ حضرت فاروق اعظم سے بھی زیادہ محبوب و مقبول تھے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں ذرا سختی تھی اور آپ بہت ہی نرم خو اور حلیم تھے مگر چھ برس کے بعد آپ کے بعض گورنروں اور حاکموں کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے آپ کی مقبولیت اور نیک نامی کو دھچکا لگا۔ چنانچہ کچھ لوگ آپ سے کبیدہ خاطر رہنے لگے۔ اسی دوران میں عبداللہ بن ابی سرح کو آپؓ نے مصر کا گورنر مقرر فرما دیا۔ اس نے وہاں ایسی ایسی حرکتیں کیں کہ اہل مصر عام طور پر اس کی شکایتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ اس کی شکایت کرنے کے لئے دربار خلافت میں بھی حاضر ہوئے اور امیر المؤمنین نے عبداللہ بن ابی سرح کو زجر و ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کا فرمان بھی لکھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ بلکہ اس ظالم نے شکایت پہنچانے والے مصریوں کو قتل کرا دیا۔ اس سے اہل مصر میں ایک عام ہیجان پیدا ہو گیا اور سات

سو آدمیوں کا ایک جتھہ مصر سے مدینہ منورہ آیا اور اکابر صحابہ سے اپنا دکھ درد بیان کیا۔ چنانچہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ذمہ دار اکابر صحابہ نے امیر المؤمنین سے گفتگو کر کے انہیں مصر کے لئے دوسرا گورنر مقرر کرنے پر آمادہ کر لیا۔ بلکہ امیر المؤمنین نے یہاں تک فرمادیا کہ اہل مصر خود ہی کسی کو گورنر منتخب کر لیں۔ میں عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے ان کے چنے ہوئے گورنر کا تقرر کر دوں گا۔ چنانچہ مصریوں نے حضرت امیر المؤمنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فرزند محمد بن ابی بکر کا منتخب کر لیا اور امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی گورنری کا پروانہ اور عبداللہ بن ابی سرح کو معزولی کا حکم نامہ بھی تحریر فرمادیا اور محمد بن ابی بکر سات سو مصریوں اور کچھ انصار و مہاجرین کے ہمراہ مصر کو روانہ ہو گئے۔ لیکن محمد بن ابی بکر کا قافلہ ابھی تیسری ہی منزل پر تھا کہ ایک حبشی غلام اپنی سانڈنی کو دوڑاتے ہوئے بڑی تیزی سے جاتے ہوئے نظر پڑا۔ قافلہ والوں کو اس پر شک ہوا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کو پکڑ کر تلاشی لی تو اس کی سوکھی مشک سے ایک خط نکلا۔ جو امیر المؤمنین حضرت عثمان کی طرف سے عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا۔ اور اس خط کا مضمون یہ تھا کہ جب وقت محمد بن ابی بکر اور فلاں، فلاں شخص تمہارے پاس پہنچیں تم فوراً ان سبھوں کو قتل کر دینا اور تا حکم ثانی تم اپنے عہدہ پر برقرار رہنا۔ اس خط کو پڑھ کر پورا قافلہ دنگ رہ گیا اور سب لوگ مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ اکابر صحابہ کو جمع کیا اور یہ خط دکھایا خط پڑھ کر سب لوگ غصہ میں بھر گئے۔ اور انصار و مہاجرین تو اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مگر مصریوں نے امیر المؤمنین کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور محمد بن ابی بکر کی ہمدردی میں ان کے پورے قبیلہ بنو تیم نے بھی چڑھائی کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اکابر صحابہ کے ساتھ وہ خط غلام اور اونٹنی لے کر بارگاہ خلافت میں تشریف لائے اور امیر المؤمنین سے دریافت کیا کہ یہ غلام آپ کا ہے؟ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ ہاں! پھر اونٹنی کو سامنے پیش کر کے پوچھا کہ کیا یہ اونٹنی بھی آپ ہی کی ہے؟ امیر المؤمنین نے جواب دیا کہ ہاں یہ اونٹنی بھی میری ہے! پھر حضرت علی نے خط پیش کر کے دریافت فرمایا کہ کیا یہ خط آپ ہی کا ہے؟ میر المؤمنین نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر حلفیہ کہتا ہوں کہ یہ خط نہ میں نے لکھا ہے نہ کسی کو اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے نہ مجھے اس کے متعلق کچھ

معلوم ہی ہے۔ پھر خط پر جو مہر لگی تھی اس کے بارے میں سوال کیا گیا کہ یہ مہر کس کی ہے؟ تو امیر المؤمنین نے مہر دیکھ کر فرمایا کہ ہاں! یہ مہر میری ہی ہے۔ امیر المؤمنین کا بیان سن کر حضرت علی نے فرمایا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ غلام آپ کا، اونٹنی آپ کی، مہر آپ کی، مگر آپ کو کچھ نہیں معلوم کہ خط کس کا ہے؟

امیر المؤمنین نے پھر قسم کھا کر فرمایا کہ واللہ نہ میں نے اس خط کو لکھا نہ کسی سے لکھوایا نہ اس کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔ نہ میں نے اس غلام کو مصر کی طرف بھیجا۔ امیر المؤمنین کے حلف کو سن کر ہر چھوٹے بڑے کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ امیر المؤمنین کا دامن اس جرم سے پاک ہے اور ہر شخص کو اس کا یقین ہو گیا کہ یہ ساری شرارت مروان کی ہے جو امیر المؤمنین کا منشی ہے اسی کے پاس امیر المؤمنین کی مہر رہتی ہے اور اسی نے یہ خط امیر المؤمنین کی طرف سے لکھ کر اس پر امیر المؤمنین کی مہر لگا دی ہے۔ چنانچہ ہر شخص یہ مطالبہ کرنے لگا کہ چونکہ مروان ہی اس جرم عظیم کا مرتکب ہے۔ اس لئے آپ مروان کو ہمارے حوالہ کر دیجئے۔ اگر امیر المؤمنین مروان کو مصریوں کے حوالے کر دیتے تو سارا فتنہ دفع ہو جاتا اور ایک بچہ بھی امیر المؤمنین کے خلاف نہیں ہوتا۔ مگر امیر المؤمنین نے یہ سوچا کہ "مروان" خاندان بنو امیہ کا آدمی ہے اور اکثر گورنر ان خاندان بنو امیہ ہی کے ہیں۔ اگر مروان کو میں نے ان بپھرے ہوئے لوگوں کے حوالے کر دیا تو یقیناً یہ لوگ اس کو قتل کر ڈالیں گے پھر پورا خاندان نبو امیہ انتقام کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اور مسلمان میں بہت بڑی خانہ جنگی اور خونریزی پھیل جائے گی اس لئے آپ نے مروان کو ان کے سپرد کرنے میں کچھ پس و پیش کیا۔ اس پر اہل مصر اس قدر برہم ہو گئے کہ ان لوگوں نے پوری طرح امیر المؤمنین کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ پانی کا اندر جانا بھی بند کر دیا۔ ایک دن جب امیر المؤمنین پیاس کی شدت سے بے قرار ہو گئے تو آپؓ نے مکان کے اوپر سے جھانک کر فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو حضرت علیؓ سے جا کر یہ کہہ دے کہ وہ ہم پیاسوں کو پانی پلا دیں۔ جب حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے میٹھے پانی کی چند مشکیں بھیجیں مگر یہ پانی بھی اتنی مشکل سے اندر پہنچا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے چند غلام باغیوں کے ہاتھ سے زخمی ہو گئے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو حکم دیا کہ تم دونوں ننگی تلواریں لئے امیر المؤمنین کے دروازے

پر کھڑے رہو اور ہرگز ہرگز کسی کو اندر داخل نہ ہونے دو۔ اسی طرح حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور دوسرے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے لڑکوں کو آپؓ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ:۔ حضرات! روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اسی محاصرہ کے دوران میں ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اس موقع پر آپ کو تین رائیں دیتا ہوں ان میں سے جس کو آپ چاہئیں قبول فرمالیں۔ اول یہ کہ آپ نکل کر ان باغیوں سے جنگ فرمایئے۔ آپ خلیفہ برحق ہیں اور بالکل بے قصور ہیں اور خدا کے فضل سے تمام دنیائے اسلام آپ کی حمایتی ہے یا پھر خفیہ دروازے سے نکل کر مکہ مکرمہ چلے جایئے۔ وہاں حرم کعبہ کی وجہ سے کوئی آپ سے تعرض نہیں کرے گا۔ یا پھر آپ ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے جایئے وہ آپ کے بہترین معین و مددگار ہوں گے۔

امیر المؤمنین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشورہ سن کر فرمایا کہ میں باہر نکل کر ہرگز کبھی ان لوگوں سے جنگ نہیں کروں گا۔ کیا مجھ سے یہ ہو سکتا ہے ﷺ کہ میں "رحمت عالم" کا خلیفہ برحق ہو کر مسلمانوں کا خون بہاؤں؟ نہ میں مکہ مکرمہ جاسکتا ہوں کیونکہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ قریش کا ایک آدمی حرم کعبہ میں فتنہ و فساد کرائے گا تو اس پر تمام دنیا کا آدھا عذاب ہوگا تو میں اس وعید شدید کا مستحق نہیں بننا چاہتا۔ باقی رہا ملک شام چلا جانا تو یہ بھی مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ میں اپنی ہجرت گاہ اور پیارے رسول اللہ ﷺ کے پیارے شہر مدینہ کو چھوڑ دوں!

باغیوں سے خطاب:۔ حضرات! امیر المؤمنین نے ایام محاصرہ میں چند بار باغیوں کو مخاطب کر کے اپنے فضائل اور اپنی سلامتی خدمات سنا کر اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کیا۔ اور ایک مرتبہ یہ تقریر بھی فرمائی کہ:۔

اے لوگو تم جانتے ہو کہ بجز تین حالتوں کے کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ قاتل ہو تو قصاص میں اس کا خون بہایا جائے گا یا وہ مرتد ہو کر اسلام سے پھر جائے تو وہ قتل کیا جائے گا یا شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے تو وہ سنگسار کر ڈالا جائے گا اور میں نے خدا کی قسم کبھی نہ کسی مسلمان کا خون کیا ہے نہ مرتد ہوا ہوں۔ نہ میں نے زمانہ جاہلیت یا اسلام میں کبھی زنا

کیا ہے۔ پھر بھلا تم لوگوں کے لئے میرا خون کس طرح حلال ہو سکتا ہے مگر مصری باغی آپ کے فضائل اور آپ کی بے گناہی کا اقرار کرنے کے باوجود اپنی ضد پر اڑے رہے اور محاصرہ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

حضرات! چالیس دنوں تک یہ محاصرہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ کہ ایک دن محمد بن ابو بکر دو باغیوں کو ساتھ لے کر چپکے سے ایک دوسرے مکان میں داخل ہوئے اور وہاں سے چھت پھاند کر یہ لوگ امیر المؤمنین کے مکان میں داخل ہو گئے اور محمد بن ابو بکر نے غصہ میں بھرے ہوئے امیر المؤمنین کی داڑھی پکڑ لی۔ اس وقت امیر المؤمنین کے پاس صرف ان کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی نائلہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ باقی لوگ مکان کے کوٹھے پر تھے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اے محمد بن ابو بکر! تو یہ کیا کر رہا ہے! اگر تیرے باپ حضرت ابو بکر صدیق تجھ کو میرے ساتھ ایسی گستاخی کرتے ہوئے دیکھتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ یہ سنتے ہی محمد بن ابو بکر کو مارے شرم کے پسینہ آ گیا اور وہ امیر المؤمنین کی ریش مبارک چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اتنے میں وہ دونوں بدنصیب باغی آ گئے اور انہوں نے انتہائی بے دردی کے ساتھ امیر المؤمنین کو شہید کر دیا! آپ کی زوجہ محترمہ چیخنے چلانے لگیں۔ مگر چونکہ مکان کے باہر باغیوں نے شور و غوغا مچا رکھا تھا اس لئے آپ کی آواز کسی نے نہیں سنی۔ آخر حضرت بی بی نائلہ نے کوٹھے پر چڑھ کر لوگوں کو بتایا کہ امیر المؤمنین شہید کر دیئے گئے۔ کوٹھے کے اوپر سے لوگ دوڑے ہوئے آئے تو دیکھا کہ واقعی امیر المؤمنین شہید کر دیئے گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

حضرات! بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ بوقت شہادت آپ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ چنانچہ جب آپ شہید ہوئے تو خون کے چند قطرات فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ کی آیت پر پڑے اور حضرت بی بی نائلہ نے جب تلوار کے وار کو اپنے ہاتھوں سے روکا تو ان کی انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل اہل مصر میں سے "حمار" نامی ایک شخص تھا جس کی آنکھیں نیلی اور سرخ تھیں اور دوسرے مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ آپ کے قاتل کا نام "اسود تجیبی" تھا۔ جو مصری تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرات!

جس وقت امیر المؤمنین کی شہادت کی خبر حضرت علی و حضرت زبیر و حضرت سعد و حضرت طلحہ و حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کبار صحابہ کو پہنچی تو شدت غم سے سب کے ہوش اڑ گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اتنا غصہ آیا کہ ایک طمانچہ حضرت امام حسن کو اور ایک گھونسہ حضرت امام حسین کے سینے پر مارا اور محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو بھی بہت کچھ کہا کہ تم لوگوں کے ہوتے ہوئے امیر المؤمنین کس طرح شہید کر دیئے گئے؟ لیکن جب کہ یہ معلوم ہوا کہ قاتل دروازے سے نہیں گئے۔ بلکہ دوسرے مکان سے کود کر آئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کی زوجہ محترمہ سے حال دریافت کیا اور انہوں نے اپنا چشم دید سارا ماجرا سنا دیا۔

حضرات!

آپ کی شہادت وسط ایام تشریق ماہ ذی الحجہ 35ھ میں ہوئی اور بعض مؤرخین کا قول ہے کہ 18/ذوالحجہ 35ھ میں آپ کی شہادت ہوئی۔ بوقت شہادت آپؓ کی عمر شریف بیاسی سال کی تھی۔ آپؓ کے جنازہ کی نماز حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور انہوں نے ہی آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا۔ اور یہی آپ کی وصیت بھی تھی۔

حضرات!

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اس بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ اس سانحہ عظیمہ کی خبر پھیلتے ہی عالم اسلام میں ایک تہلکہ مچ گیا اور تمام صوبوں کے گورنر خصوصاً بنو امیہ رنج و غم اور غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور دنیائے اسلام کا پر سکون ماحول غارت ہو کر ہر طرف شورش کا دور دورہ اور جدال و قتال کا بازار گرم ہو گیا جس سے اتحاد اسلامی کی دیواریں پاش پاش ہو گئیں اور عظمت اسلام کو وہ نقصان عظیم پہنچا کہ قیامت تک بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

....

امیر المؤمنین حضرت علی

رضی اللہ عنہ

مرتضیٰ شیر حق، اشجع الاشجعین ۔ باب فضل ولایت پہ لاکھوں سلام
شیر شمشیر زن، شاہ خیبر شکن ۔ پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

حضرات! فاتح خیبر، علی حیدر، اسد اللہ الغالب کا اسم گرامی علی بن ابی طالب اور کنیت "ابوالحسن" و "ابوتراب" ہے آپ حضور اقدس ﷺ کے چچا ابو طالب کے فرزند ارجمند ہیں اور آپ کی والدہ کا نام نامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے، آپ سابقین اولین اور علمائے ربانیین میں انتہائی مکرم و معظم اور مہاجرین اولین اور عشرہ مبشرہ میں اپنے درجات کے لحاظ سے بہت زیادہ ممتاز اور اعلیٰ و اکرم ہیں۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا کے شوہر نامدار، حسنین کریمین کے پدر بزرگوار، حیدر کرار و صاحب ذوالفقار ہیں اور جس طرح سخاوت و شجاعت میں مشہور خلائق و یگانہ روزگار ہیں اسی طرح زہد و اتقا اور عبادات و ریاضت میں بھی سید الاخیار و سند الابرار ہیں۔ فصاحت و بلاغت اور موعظہ و خطابت میں عدیم النظیر اور جود و سخا، علم و حلم میں بھی بے مثال، غرض ہر میدان فضل و کمال کے شہسوار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت تک تمام دنیا آپ کو "مظہر العجائب والغرائب اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب" کہہ کر پکارتی اور یاد کرتی رہے گی۔

آپ خلفاء راشدین میں سے خلیفہ چہارم و جانشین سید عالم ﷺ ہیں۔

ولادت:۔ 30ھ عام الفیل جب کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی عمر شریف 30 سال کی تھی۔ 13/ رجب کو جمعہ کے دن آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ یہ آپ کی ایک بہت ہی عظیم الشان اور مخصوص فضیلت ہے کہ آپ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔

(مروج الذہب جلد 5 ص 175 وازالۃ الخفاء مقصد 2 ص 251)

چنانچہ کسی شاعر نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے بہت خوب قطعہ کہا ہے ۔

ممتاز علی کو ہر بشر سے پایا ہمنام خدائے بحر و بر سے پایا
پہلے تو علی ملے خدا کے گھر سے پھر ہم نے خدا کو ان کے گھر سے پایا

اخوت رسول:۔ حضرات! امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ بھی ایک بڑی خاص خصوصیت ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ "عقد مواخاۃ" میں بھی آپ کے بھائی ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام میں "بھائی چارہ" کرایا اور ایک صحابی کو دوسرے صحابی کا بھائی بنایا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تمام صحابہ کو "عقد مواخاۃ" میں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ مگر میں یوں ہی رہ گیا۔ اور آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ تو رسول خدا ﷺ نے نہایت ہی پیار اور محبت سے فرمایا کہ:۔

اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

یعنی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ (ترمذی)

آپ کا اسلام:۔ آپ نو عمر لوگوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ چنانچہ خود آپ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کے دن حضور اکرم ﷺ پر وحی اتری اور میں منگل کے دن مسلمان ہوا۔ جس وقت آپ اسلام لائے آپ کی عمر شریف دس سال یا اس سے کچھ کم یا زیادہ تھی جیسا کہ خود آپ کا ایک مشہور و معروف شعر ہے

سَبَقْتُکُمْ اِلَی اِسْلَامٍ طُرًّا غُلَامًا مَا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلْمِیْ

یعنی میں نے تم سب لوگوں سے پہلے اسلام قبول کیا جب کہ میں لڑکا تھا اور حد بلوغ تک نہیں پہنچا تھا۔ جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی بت پرستی کے ساتھ ملوث نہیں ہوئے۔ اسی طرح حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی چھوٹی عمر میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی!

آپ کا علم:۔ علمائے صحابہ میں علمی عظمت کے اعتبار سے آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ آپ نے نبی اکرم ﷺ سے پانچ سو چھیاسی حدیثیں روایت کی ہیں اور آپ کے فتاویٰ اور فیصلوں کا انمول مجموعہ اسلامی علوم کے خزانوں کا بہترین قیمتی سرمایہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علی ہم تمام صحابہ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں اور کبھی یوں بھی ارشاد فرماتے تھے کہ میں ایسے مقدمہ سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جس کا فیصلہ حضرت علی بھی نہ کر سکیں۔ اسی طرح آپ کے بارے میں حضرت سعید بن مسیتب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ مدینہ میں حضرت علی کے سوا کوئی ایسا صاحب علم نہیں تھا جو یہ کہہ سکے کہ "جس کو جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لے" اسی طرح عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ باوجود اپنے علم و فضل کے علانیہ کہا کرتے تھے۔ کہ حضرت علی سے زیادہ فرائض کا جاننے والا اور معاملہ فہم کوئی شخص بھی نہیں تھا۔ عبداللہ بن عیاش بن ربیعہ کا یہ قول تھا کہ حضرت علی کمال علم و قرابت رسول اور فقہ حدیث و شجاعت جنگ و سخاوت مال وغیرہ کمالات کے اعتبار سے تمام صحابہ میں ایک خاص فضیلت کے مالک تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

برادران اسلام! آپ کے فیصلے تو ایسے ایسے نادر اور عجیب ہیں کہ انہیں دیکھ کر وجد آنے لگتا ہے۔

ایک عجیب و غریب فیصلہ:۔ اچھا! آیئے! میں اس مجلس میں نمونہ کے طور پر آپ کا ایک بہت ہی عجیب و غریب فیصلہ سنا دیتا ہوں۔ زر بن حبیش کہتے ہیں کہ دو آدمی سفر میں کھانا کھانے کے لئے بیٹھے ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ اتنے میں ایک تیسرا شخص بھی آ گیا۔ اور ان دونوں نے اس کو بھی اپنے ساتھ بٹھالیا اور تینوں نے آٹھوں روٹیاں کھالیں۔ تیسرا شخص چلتے وقت آٹھ درہم ان دونوں کو دے کر کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے کھایا ہے یہ اس کا عوض ہے۔ جب ان درہموں کو دونوں تقسیم کرنے لگے کہ اختلاف ہو گیا۔ پانچ روٹیاں والا کہنے لگا کہ میں پانچ درہم لوں گا اور تجھ کو تین درہم دوں گا۔ مگر تین روٹیوں والا کہنے لگا کہ برابر حصہ لوں گا۔ آخر مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کے پاس دونوں مقدمہ لے گئے آپ نے تینوں روٹیوں والے سے فرمایا تو وہی لے جو یہ تجھ کو دیتا ہے کیونکہ تیری روٹیاں کم تھیں اور اس کی روٹیاں زیادہ تھیں۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین! خدا کی قسم میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا۔ جب تک کہ مجھے میرا پورا پورا حق نہ دلایا جائے آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی تو اپنا پورا پورا حق لینا چاہتا ہے تو عدل و انصاف کی رو سے تیرا پورا پورا حق تو ایک ہی درہم ہوتا ہے یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ تجھ کو تین درہم دے رہا ہے۔ اس

نے حیران ہو کر کہا کہ سبحان اللہ! امیر المومنین بھلا یہ کس طرح؟ ذرا مجھے بھی تو سمجھائیے؟
آپ نے فرمایا! کہ اچھا سن! کل آٹھ روٹیاں تھیں اور آدمی تم تین تھے۔ چونکہ آٹھ روٹیاں تین آدمیوں پر برابر برابر تقسیم نہیں ہو سکتیں اس لئے آٹھ کو تین سے ضرب دے دو یعنی ہر روٹی کے برابر تین تین ٹکڑے کر دو تو ان روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ تم تینوں میں سے کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ اس لئے یقیناً یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تینوں نے برابر کھایا ہے۔ اس لحاظ سے تو نے اپنی تین روٹیوں کے عوض نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے کھا لئے اور ایک ٹکڑا بچا اور پانچ روٹیوں والے نے اپنی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ کھا لئے تو سات ٹکڑے بچے۔ اب تو خود سمجھ لے کہ درہم دینے والے نے تیرا ایک ٹکڑا کھایا اور اس کے سات ٹکڑے کھائے لہٰذا آٹھ درہم میں سے تجھے ایک درہم ملنا چاہئے اور تیسرے ساتھی کو سات درہم۔ یہ فیصلہ سن کر اس شخص نے کہا کہ امیر المومنین بے شک آپ کا فیصلہ حق ہے اور اب میں راضی ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی شجاعت:۔ برادران ملت! غزاوات اور جہادوں میں آپ کی شجاعت اور بہادری کے کارنامے بے شمار ہیں۔ جنگ تبوک کے سوا تمام غزوات میں آپ حاضر رہے اور کفار کے بڑے بڑے بہادروں کو دست بدست جنگ میں اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جنگ بدر میں ولید بن عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ جیسے بہادروں کو قتل کیا۔ جنگ احد میں ایسی جانبازی کے ساتھ کفار کے نرغے میں لڑتے رہے کہ سولہ زخم آپ کے بدن پر لگے۔ مگر اس حال میں بھی ذوالفقار چلاتے ہی رہے۔ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود جو ایک ہزار بہادروں کے برابر بہادر مانا جاتا تھا، آپ نے اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کی کھوپڑی کو کاٹتی ہوئی جبڑے تک پیوست ہو گئی۔ عمرو بن عبدود کے بعد ضرار اور جبیرہ آگے بڑھے۔ لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو یہ دونوں سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے نوفل بھی کفار کا بڑا بہادر شہسوار تھا۔ مگر یہ بھی ذوالفقار کی مار دیکھ کر فرار ہو گیا اور بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا۔ تو اسد اللہ الغالب خندق میں کود پڑے اور ذوالفقار نے اس مغرور کا بھی خاتمہ کر دیا۔ (سیرۃ النبی)

فاتح خیبر:۔ اسی طرح جنگ خیبر بھی آپ کی شجاعت کے جوہر کا ایک بہت ہی عجیب منظر ہے۔ حضور سرور دو عالم ﷺ نے پہلے دن حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ میں جھنڈا دیا اور

دوسرے دن حضرت فاروق اعظم کو جھنڈا عطا فرمایا۔ اگرچہ فاتح خیبر ہونا تو حضرت علی کے لئے مقدر تھا اس لئے دونوں دن قلعہ خیبر سر نہیں ہوا۔ پھر سرکار دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ کل میں اس شخص کے ہاتھ میں سپہ سالاری کا پرچم دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ و رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس ایمان افروز اور روح پرور خوشخبری کو سن کر ہر مجاہد منتظر تھا کہ دیکھیں کون ایسا خوش نصیبی کا تاجدار ہے؟ جو اس نعمت عظمٰی سے سرفراز ہو کر خداوند پروردگار کے دربار میں دولت دارین کا سزاوار اور حقدار بنتا ہے۔ صبح ہوئی تو اس سعادت کبریٰ کے طلبگار مدنی تاجدار کے دربار میں پیکر تمنا اور سراپا انتظار بن کر حاضر ہو گئے۔ لب پاک مصطفیٰ ﷺ پر ہر مجاہد کی تمنا بھری نگاہیں پروانہ وار نثار ہو رہی تھیں کہ ناگہاں ارشاد فرمایا:۔

اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ

یعنی کہاں ہیں علی بن ابی طالب

لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو آشوب چشم سے بے قرار ہیں۔ حکم دیا کہ انہیں بلاؤ۔ حیدر کرار حاضر دربار ہوئے تو احمد مختار ﷺ نے اپنا لعاب دہن آپ کی چشم بیمار میں ڈال دیا۔ پھر کیا تھا؟ دم زدن میں آنکھوں کا درد اور سرخی جاتی رہی اور لعاب جاں بخش کا ایسا اعجاز نمودار ہوا کہ آن کی آن میں اس طرح آرام ہوا کہ گویا کبھی بیمار ہی نہیں ہوئے تھے۔ پھر ارشاد فرمایا: اے علی! یہ پرچم اسلام ہاتھ میں لو اور جاؤ۔ پہلے اسلام کی دعوت دو اور خدا کے حقوق کو سمجھاؤ۔ اے علی!! اگر تمہارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت ہو گئی۔ تو یہ تمہارے لئے سب سے بڑی نعمت ہو گی۔

حضرات! روایت ہے کہ جب حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلعہ کے قریب پہنچے تو "مَرحَبْ" نکلا جو یہودیوں میں سب سے بڑا دلیر شخص تھا اور اس نے آپ کے سامنے یہ رجز پڑھا ۔

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ

شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

"یقیناً" خیبر" جانتا ہے کہ میرا نام "مَرحَبْ" ہے میں مکمل ہتھیار پہننے والا، اور آزمودہ کار

بہادر ہوں۔"

حضرت علی شیر خدا اس کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو گئے اور جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا ۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہ

کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہِ الْمَنْظَرَہ

میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام "شیر" رکھا ہے۔ میں جھاڑیوں میں رہنے والے شیر کی طرح خوفناک صورت والا ہوں۔ یہ فرمایا اور ایک تلوار ماری کہ "مرحب" کا سر اڑ گیا۔ اور آپ نے فتح کا اعلان فرما دیا۔ مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ جنگ خیبر میں آپ کی ڈھال گر گئی اور یہود اس کو لے بھاگے تو حضرت علی نے قلعہ کے دروازہ کو اکھاڑ کر سپر بنا لیا۔ اور جنگ کے بعد آپ نے جب اس دروازہ کو پھینک دیا تو سات قوی آدمی اس کو پلٹ نہیں سکتے تھے اور چالیس آدمیوں نے مل کر اس کو اٹھانا چاہا۔ لیکن نہیں اٹھا سکے۔ سبحان اللہ! کیا خوب کہا ڈاکٹر اقبال نے ۔

تیری خاک میں ہے اگر شرر، تو خیال فقر و غنا نہ کر!

کہ جہاں میں "نان شعیر" پر ہے مدار "قوت حیدری"

آپ کے فضائل:۔ بہر حال شہنشاہ ولایت، سید الاولیاء، سند الاصفیاء، حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کا یہ عالم ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں آپ کی شان میں نازل ہوئیں اور آپ کے فضائل میں بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے جناب مولائے کائنات علی مرتضٰی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:۔

عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ

یعنی علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس حدیث سے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کس قدر کمال قرب بارگاہ نبوت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں

جس نے دانے کو پھاڑ کر اگایا اور جس نے روح کو پیدا کیا کہ مجھے نبی عربی فداہ امی وابی ﷺ نے یہ بتایا کہ مجھ سے ایماندار محبت رکھیں گے اور منافق بغض رکھیں گے اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "علی کرم اللہ وجہہ" کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے اور جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس نے علی کو ایذاء دی اس نے مجھ کو ایذاء دی۔"

ابو تراب:۔ حضرات! یوں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے القاب و خطاب ہیں۔ مگر آپ کو اپنے ناموں میں "ابو تراب" بہت پیارا معلوم ہوتا تھا۔ اس نام کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز آپ مسجد نبوی میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے اتنے میں حضور رحمت عالم ﷺ تشریف لائے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے آپ کی پشت مبارک پر لگی ہوئی مٹی جھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ

یعنی اے مٹی کے باپ اٹھو۔

دربار نبوت سے ملا ہوا یہ پیارا پیارا خطاب آپ کو اتنا پسند آیا کہ جو شخص آپ کو "ابو تراب" کہہ کر پکارتا تھا آپ اس سے بے حد خوش ہو جاتے تھے کیونکہ اس نام سے سلطان کونین کے لطف و کرم کو یاد کر کے آپ لطف اندوز ہوتے تھے۔ اسی طرح بزاز اور ابو یعلیٰ وغیرہ محدثین نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بارے میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد ہے "اے علی تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص مناسبت ہے یہودیوں نے ان سے اس قدر بغض رکھا کہ معاذ اللہ! ان کی والدۂ ماجدہ حضرت مریم پر تہمت لگائی اور نصاریٰ ان کی محبت میں اس قدر حد سے بڑھ گئے کہ معاذ اللہ ان کو خدایا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ اسی طرح ہوشیار ہو جاؤ کہ تیرے حق میں بھی دو گروہ ہوں گے ایک ان لوگوں کا گروہ ہو گا جو تمہاری محبت میں تم کو تمہارے مرتبہ سے بہت زیادہ بڑھا کر حد سے تجاوز کر جائے گا اور دوسرا وہ گروہ ہو گا جو تم سے انتہائی بغض و عداوت رکھے گا اور تم پر بہتان لگائے گا۔

برادران ملت! اس ارشاد مبارک سے ثابت ہوتا ہے کہ رافضی اور خارجی دونوں فرقے گمراہ ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت یقیناً صراط مستقیم اور حق پر ہیں۔ جو حضرت مولائے کائنات

علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتہائی والہانہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور حد سے تجاوز بھی نہیں کرتے۔

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کی تشبیہ

حضرات! میں پہلے عرض کر چکا کہ جنگ تبوک کے سوا تمام غزوات و مشاہد ہیں۔ آپ حاضر رہے جنگ تبوک کے موقع پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو "مدینہ منورہ" پر اپنا خلیفہ بنا کر روانہ ہونے لگے تو آپ نے نہایت حسرت کے ساتھ یہ عرض کیا کہ:۔

اَتَخْلِفُنِیْ فِی النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یعنی یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں اپنا خلیفہ بنا کر جنگ میں تشریف لے جا رہے ہیں۔

مطلب یہ تھا کہ مجھ جیسے میدان کارزار کے شہسوار کی شان کے لائق تو یہ تھا کہ میں اپنی شمشیر آبدار ذوالفقار سے کفار کو فی النار کر کے مجاہدین فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب کا حقدر بنتا۔ عورتوں اور بچوں کی نگہداشت اور خبر گیری تو میرے درجات عالیہ کے اعتبار سے بہت ہی ادنیٰ کارنامہ ہے۔ اس موقع پر حضرت حیدر کرار کی بے قراری اور ان کا جذبہ جانثاری دیکھ کر محبوب خدا ﷺ نے ان کی تسکین قلب کے لئے ارشاد فرمایا کہ:۔

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ مِنْ بَعْدِیْ. (بخاری وغیرہ)

یعنی اے علی! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میری بارگاہ میں تمہیں وہی درجہ حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں ملا تھا بس اتنا فرق ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی تھی۔ اور چونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس لئے تم نبی نہیں ہو سکتے۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ! حضور سرکار دو جہاں ﷺ کا یہ مطلب تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دنوں کے لئے کوہ طور پر جانے کے وقت اپنی امت بنی اسرائیل پر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا دیا تھا اسی طرح اے علی! میں جنگ تبوک میں

روانگی کے وقت مدینہ منورہ پر تم کو اپنا خلیفہ بنا کر جا رہا ہوں تو جو مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل تھا۔ وہی عظیم مرتبہ اے علی تم کو میری بارگاہ رسالت میں حاصل ہو رہا ہے لہٰذا یہ تمہارے لئے بہت خوشی کا مقام ہے۔ چنانچہ زبان رسالت سے یہ پیغام مسرت سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قلب حزیں کو تسکین حاصل ہو گئی۔

روافض کا ایک شبہ:۔ حضرات! اس حدیث سے روافض اکثر یہ دلیل لاتے ہیں کہ دیکھ لیجئے۔ حضور اقدس ﷺ نے "حضرت علی کو خلیفہ بلا فصل" بنا دیا۔ جس طرح کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے "خلیفہ بلا فصل" تھے۔ مگر عزیزان گرامی! ظاہر ہے کہ حضرت علی کی خلافت بلا فصل کی یہ ایسی ہی دلیل ہے جیسے کسی نے کہا تھا، کہ الف، بے زبر "اب" اور غین، نے "غف" لہٰذا ثابت ہوا کہ میرا نام "محمد یوسف" خدا کی پناہ! ان علم کے تیموں کو اتنی بھی خبر نہیں کہ جنگ تبوک کے موقع پر حضرت علی کو "خلیفہ بنانے کا اس کے سوا اور کیا مطلب تھا کہ تم میری غیر موجودگی میں اہل مدینہ کی اسی طرح نگہداشت کرتے رہو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر تشریف لے جانے کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی نگہداشت کی تھی۔" اس لئے کون نہیں جانتا؟ کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہی ہو گئی تھی۔ اس لئے اس تشبیہ کا ہرگز ہرگز کبھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ حضرت ہارون علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے "خلیفہ بلا فصل" ہونے کا سوال ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مولائے کائنات کو جنگ تبوک کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف انتظامی معاملات کا خلیفہ بنایا تھا۔ باقی نمازوں کو امامت کے لئے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اب ظاہر ہے کہ اگر اس خلافت سے حضرت علی کی خلافت مطلقہ ہوتی۔ تو پھر امامت کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابن ام مکتوم کو کیوں اپنا خلیفہ بناتے؟ حضرت علی اگر خلیفہ مطلق ہوتے تو وہ نمازوں کے امام بھی ہوتے! پھر یاد رہے کہ اس طرح کی خلافت تو وقتاً فوقتاً دوسرے صحابہ کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی "غزوہ ذات الرقاع" اور "غزوہ غطفان" کے موقع پر آپ

نے مدینہ پر اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ تو کیا بھلا اس سے حضرت عثمان کی خلافت بلا فصل ثابت ہو گئی۔

رافضی مولوی اور ایک جاہل سنی:۔ حضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ روافض کی دلیلوں کو سن کر بلا ساختہ ہنسی آجاتی ہے کیونکہ میرے نزدیک مکڑی کے جالے کو تو کچھ اہمیت دی جا سکتی ہے لیکن ان لوگوں کی دلیلیں تو "تار عنکبوت" سے بھی زیادہ کمزور ہوا کرتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ علماء تو علماء اجی بالکل ان پڑھ جہلا بھی اپنی پھکڑ بازیوں سے ان لوگوں کی دلیلوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ صاحبو! مجھے اس وقت ایک رافضی مولوی اور ایک سنی جاہل کا مکالمہ یاد آگیا۔

رافضی مولوی کہنے لگا کہ اجی تم کو معلوم؟ حضرت شیخ سعدی تو "شیعہ" تھے۔ سنی جاہل بولا! کہ ہرگز نہیں۔ حضرت سعدی علیہ الرحمتہ تو پکے سنی تھے۔ رافضی مولوی تڑپ کر بولا کہ چپ رہو! تم ان کی کتاب "بوستان" اٹھا کر دیکھ لو! انہوں نے کیا لکھا ہے؟ وہ لکھتے ہیں کہ۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ کہ برقول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول من و دست و دامان آل رسول

دیکھ لو۔ صاف صاف لکھتے ہیں کہ خداوند! تو اولاد فاطمہ کے طفیل میں میرا ایمان پر خاتمہ فرما اور اے اللہ! تو میری دعا کو خواہ قبول فرما۔ خواہ رد فرما۔ مگر بہر حال میں ہوں اور میرا ہاتھ ہے اور آل رسول کا دامن۔

سنی جاہل کہنے لگا کہ سبحان اللہ! "مارے گھٹنا اور پھوٹے آنکھ" اس سے کیا ہوا؟ آل رسول اور اولاد فاطمہ کو تو ہم سنی بھی آپ لوگوں سے زیادہ مانتے ہیں پھر بھلا آل رسول کو ماننے سے حضرت سعدی شیعہ کیسے ہو گئے؟ اور بوستان میں آپ کو یہ نظر نہیں آیا؟ کہ حضرت سعدی نے "مداح صحابہ" کتنے زور کی لکھی ہے؟ روافضی مولوی چونچ پھاڑ کر بولا۔ ارے یہ کیا کہا؟ ارے "بوستان" میں "مدح صحابہ" کہاں ہے؟ سنی نے کہا کہ اماں! یہ تو وہی بات ہوئی کہ میٹھا میٹھا ہپ، ہپ اور کڑوا، کڑوا تھو تھو؟ سنئے بوستان میں شیخ سعدی لکھتے ہیں کہ۔

نخستین ابوبکر پیر مرید عمر پنجہ برپیچ دیو مرید
سوم شاہ عثمان، شب زندہ دار چہارم علی شاہ دلدل سوار

دیکھ لیجئے! چاروں خلفاء کی کیسی شاندار مدح فرمائی ہے؟ رافضی مولوی نے جل کر کہا کہ واہ

جی واہ! "نخستین ابو بکر پیر مرید" اس مصرع میں بھلا ابو بکر کی کون سی بڑی تعریف ہے؟ شیخ سعدی نے ان کو پیر مرید کہا ہے۔ یعنی ایک بوڑھے آدمی تھے جو حضور کے مرید ہو گئے تھے۔ سنی بولا۔ اچھا آگے بڑھیے، "عمر پنجہ بر پیچ دیو مرید" رافضی مولوی نے کہا کہ اس میں بھی عمر کی کون سی تعریف ہو گئی؟ یہی نا کہ حضرت عمر پنجہ بہت اچھا لڑانا جانتے تھے کہ شیطان کا پنجہ بھی موڑ دیا کرتے تھے۔ سنی نے کہا کہ اچھا، سوم شاہ عثمان شب زندہ دار کو ذرا پڑھیے؟ رافضی مولوی نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ واہ واہ! ارے یار اس میں بھلا کیا تعریف ہوئی؟ کہ "عثمان" ایک شاہ صاحب تھے جو راتوں کو جاگ کر چوکیداری کیا کرتے تھے۔ جب تینوں خلفاء کی تنقیص و توہین سن کر سنی کو غصہ آ گیا۔ تو جاہل تو تھا ہی بگڑ کر کہا اے کھٹل! پھر "چہارم علی شاہ دلدل سوار" میں بھی بھلا کون سی بڑی تعریف ہو گئی؟ کہ حضرت علی ایک شاہ جی تھے جو ٹٹو پر چڑھا کرتے تھے (توبہ نعوذ باللہ) اکھڑ جاہل کی پھکڑ بازی سن کر رافضی مولوی تھو تھنی لٹکائے وہاں سے رفو چکر ہو گئے!

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جنگ تبوک کے موقع پر جب مولائے کائنات نے نہایت تحسر اور افسوس کے لہجے میں یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں کی نگہداشت کے لئے اپنا خلیفہ بنا رہے ہیں؟ تو رحمت عالم ﷺ نے آپ کو تسلی اور دلداری کے لئے یہ فرمایا "اے علی! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تمہارا درجہ میری بارگاہ نبوت میں ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا۔"

حضرات! بلاشبہ اس حدیث سے حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یقیناً اس حدیث سے آپ کی خلافت بھی ثابت ہوتی ہے اور ہمارا یہی اعتقاد بھی ہے کہ حضرت مولائے کائنات یقیناً رحمت عالم ﷺ کے خلیفہ برحق ہیں۔ لیکن ہمارا اختلاف خلافت بلا فصل میں ہے کہ معاذ اللہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہم خلیفہ ہی نہیں تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب سے پہلے خلیفہ حضرت علی ہی ہیں۔ یقیناً ہمارے نزدیک یہ عقیدہ باطل ہے اور حدیث:-

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی

یعنی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے نزدیک ایسے ہے جیسا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔
سے ہرگز ہرگز کبھی خلافت بلافصل کا باطل عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

بیعت خلافت:۔ حضرات!ابن سعید کا قول ہے کہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دوسرے ہی دن حضرت مولیٰ کرم اللہ وجہہ کے دست حق پرست پر تمام ان صحابہ نے جو اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ بیعت کی اور آپ "امیر المومنین" ہو گئے۔ پھر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہم نے بصرہ پہنچ کر حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے لئے آپ سے " قاتلوں" کا مطالبہ شروع کر دیا اور ہزاروں انسان اسی مطالبہ میں شریک ہو گئے۔ جس وقت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ہوئی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے اور یہاں جمادی الآخر 36ھ میں "جنگ جمل" ہوئی۔ جس میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے۔ اور طرفین کے ہزاروں آدمی مقتول ہوئے۔ بصرہ میں آپ نے پندرہ روز قیام فرمایا۔ پھر کوفہ تشریف لائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کیا۔ بات طول پکڑ گئی اور جنگ کی نوبت بج گئی۔ چنانچہ آپ بھی اپنی فوج لے کر آگے بڑھے اور طرفین کی فوجوں کے درمیان کئی روز تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ یہ لڑائی "جنگ صفین" کے نام سے مشہور ہے جو صفر 37ھ میں ہوئی۔ پھر یہ جنگ ایک صلح پر ختم ہوئی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ "شام" کو اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ "کوفہ" کو واپس تشریف لائے۔ کوفہ آکر "خارجی" لوگ آپ کی اطاعت سے علیحدہ ہو گئے اور آپ کی خلافت کا انکار کر کے سرکشی شروع کر دی۔ بلکہ لشکر جمع کر کے آپ پر چڑھائی کر دی تو آپ نے ان خوارج کے مقابلہ کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زیر قیادت ایک لشکر بھیجا اور حضرت عبداللہ بن عباس خوارج پر غالب آئے اور ان میں سے بہت سے تائب ہو کر کوفہ واپس آگئے۔ لیکن بہت سے خوارج وہاں سے بھاگ کر نہروان چلے گئے اور وہاں جا کر مسلمانوں کی بستیوں پر حملے اور راہزنی کرنے لگے تو اس فتنہ کی مدافعت کے لئے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ 38ھ میں ایک فوج لے کر "نہروان" تشریف لے گئے اور ان خوارج کو نہایت تیزی کے ساتھ ختم کر ڈالا

اور انہیں مقتول خارجیوں میں "ذوالثدیہ" بھی مارا گیا جس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے خبر دی تھی کہ یہ وہ بدنصیب خارجی ہوگا جو خروج کرے گا اور اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کے مانند ہوگا اور مومنین کی بہترین جماعت اس کو قتل کرے گی۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی شہادت:۔ حضرات! اب آپ کی شہادت کا واقعہ بھی سن لیجئے جو تاریخ اسلام کا بہت ہی دردناک واقعہ ہے۔ تین خبیث قسم کے خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم، مرادی اور برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکیر تمیمی یہ تینوں مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی و حضرت معاویہ و حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم تینوں کو ایک معین تاریخ میں قتل کر دینا چاہئے۔ چنانچہ برک بن عبداللہ نے حضرت معاویہ کو اور عمر بن بکیر نے حضرت عمرو بن العاص کو اور عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی کو قتل کرنے کا عہد کیا اور مستدرک میں امام سدی سے یہ منقول ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم ایک خارجی عورت "قطام" پر عاشق ہو گیا اور اس خبیثہ کی شادی کا مہر تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک لونڈی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قتل کرنا قرار پایا۔ چنانچہ فرزوق شاعر نے کہا۔

فَلَمْ اَرَمَهْرًا سَاقَهٗ ذُوْ سَمَاحَةٍ كَمَهْرِ قَطَامٍ بَيِّنٍ غَيْرِ مُعْجَمٍ

ثَلٰثَةُ الَافٍ وَّعَبْدٌ وَّقَيْنَةٌ وَضَرْبُ عَلِيٍّ بِالْحَسَامِ الْمُصَمَّمِ

فَلَا مَهْرًا غَلٰى مِنْ عَلِيٍّ وَّاِنْ غَلَا وَلَا فَتْكَ اِلَّا دُوْنَ فَتْكِ ابْنِ مُلْجِمٍ

یعنی میں نے کسی جوانمرد کو ایسا مہر ادا کرتے نہیں دیکھا جیسا کہ "قطام" کا مہر مقرر ہوا۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک لونڈی اور حضرت علی کا قتل۔ تو حضرت علی کے قتل سے زیادہ گراں کوئی مہر نہیں ہو سکتا اور ابن ملجم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دھوکے سے قتل کیا۔ اس سے بڑھ کر کوئی قتل نہیں ہو سکتا۔ بہر حال ابن ملجم کو فہ پہنچا، اور 17 / رمضان 40ھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب معمول رات کے پچھلے حصہ میں بیدار ہوئے اور اپنے فرزند حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نور نظر! آج رات میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کی امت سے مجھے کوئی راحت نہیں ملی۔ تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ظالموں کے لئے بددعا کرو۔ تو میں نے یہ دعا مانگی ہے کہ یا اللہ! تو مجھے ان

لوگوں کے بدلے ان سے بہتر لوگوں کا ساتھ عطا فرما۔ اور ان لوگوں کو میری جگہ ایسا شخص عطا فرما جو ان لوگوں کے حق میں بہت ہی برا ہو۔ ابھی آپ صاحبزادے سے یہ فرما ہی رہے تھے کہ ابن نباح مؤذن نے آکر الصلوٰۃ کہا۔ یعنی نماز کو چلیے۔ چنانچہ آپ گھر سے لوگوں کو نماز کے لئے آواز دیتے ہوئے مسجد کو چلے، راستہ میں ابن ملجم چھپا ہوا تھا۔ اس نے دھوکہ سے ناگہاں آپ کی پیشانی پر ایسی تلوار ماری کہ آپ کا چہرہ مبارک کنپٹی تک کٹتا چلا گیا اور تلوار دماغ پر جا کر رکی۔ شمشیر لگتے ہیں آپ نے فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ فرمایا یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

پھر چاروں طرف سے لوگ اس بدبخت قاتل پر دوڑ پڑے اور آخر وہ بھاگتے ہوئے پکڑ لیا گیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس زخم کی حالت میں جمعہ اور شنبہ کے روز زندہ رہے اور شب یک شنبہ میں وفات پا گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

اور بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ 19/ رمضان جمعہ کی رات میں آپ زخمی ہوئے اور 21/ رمضان شب یک شنبہ 40ھ میں آپ کی شہادت ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت امام حسن و امام حسین و حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ کے دفن سے فارغ ہو کر حضرت امام حسن نے امیر المومنین کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھ پیر کاٹ کر ایک ٹوکرے میں ڈال دیا اور اس میں آگ لگا دی جس سے اس کی لاش جل کر راکھ ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء)

چار برس آٹھ ماہ نو دن آپ نے خلافت فرمائی اور تریسٹھ سال کی عمر میں شہادت فرمائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دردا کہ آفتاب سپہر کمال رفت　　دردا کہ شاہ مسند عز و جلال رفت

او بود جان عالم وچوں کرد انتقال　　جاں از تن خلائق ازیں انتقال رفت

برادران ملت! حضرات خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب اور ان کی مقدس سوانح حیات کا ایک نہایت ہی مختصر تذکرہ میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا اور یہ ایمان ہے کہ یہ چاروں خلفائے راشدین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے خلیفہ برحق اور سچے جانشین ہیں اور ان چاروں کی محبت و عظمت اور ان کی پیروی و اطاعت ہر امتی کے لئے لازم الایمان و واجب العمل

ہے۔ جیسا کہ حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ

یعنی تم لوگ میری سنت اور خلفاء الراشدین کی سنت پر عمل کرنے کو لازم پکڑو۔

بلاشبہ یہ آسمان ملت کے وہ روشن ستارے ہیں کہ قیامت تک "امت مسلمہ" ان سے ایمان کی روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ خداوند قدوس ہم تمام مومنین و مومنات کو پیارے مصطفیٰ ﷺ کے ان چار یار کی محبت و عظمت اور اتباع واطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بجاه سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلیٰ اله واصحابه وبارك وسلم .

....

اٹھارہواں وعظ

شہداء کربلا

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلحَمْد لِلّٰه الَّذِیْ اَکْرَمَ الشُّهَدَآءِ بِالْحَیٰوةِ الطَّیِّبَةِ وَالْبَاقِیَاتِ الصَّالِحَاتِ ط بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط وَاَکْرَمُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلٰی سَیِّدِ الْکَائِنَاتِ وَصَاحِبِ الشَّفَاعَاتِ ط وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الَّذِیْنَ هُمْ شُهَدَآءُ مُحَبَّتِهٖ بِاَحْسَنِ الطَّاعَاتِ ط وَنَالُوْا بِشَهَادَةِ رَسَالَتِهٖ جَنَانَ الْخُلْدِ وَعَلَی الدَّرَجَات ط

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۔ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔ (البقرہ)

از فرش تا عرش سما بلغ العلیٰ بکمالہٖ از فوق تا تحت الثریٰ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
خیر البشر، خیر الوریٰ، حسنت جمیع خصالہٖ حضرت محمد مصطفیٰ صلوٰ علیہ والہٖ

برادران ملت! پڑھیے بآواز بلند درود شریف!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرات گرامی!

میں آج فضائل اہل بیت اور شہدائے کربلا کے عنوان پر تقریر کی۔ سعادت حاصل چاہتا ہوں۔ اس لئے پہلے "شہداء کربلا" کے میر کارواں امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک منقبت پیش کرتا ہوں۔ بغور سماعت فرمایئے!

کیوں خدائی نہ ہو جان و دل سے قربان حسین

بوسہ گاہ مصطفیٰ ہے شہ رگ جان حسین
آج تک ہیں غیر قومیں بھی ثناء خوان حسین
اللہ،اللہ! کیا عظیم الشان ہے شان حسین

کام آئے بہر حق سب نونہالان حسین
ہو گیا نذر خزاں سارا گلستان حسین

مرحبا، یہ حق پرستی، یہ صداقت پروری
حضرت حر ہو گئے مقتل میں قربان حسین

جاں دی لیکن دیا ہرگز نہ دست حق پرست
اللہ ، اللہ! کس قدر محکم تھا ایمان حسین

رن میں آتے تھے نظر کشتوں کے پشتے ہر طرف
وارجب اعدا پہ کرتے تھے جوانان حسین

کوئی خطرہ ہی نہیں شاغل کو روز حشر کا
تاابد محفوظ ہے وہ زیر و امان حسین

حضرات گرامی!

میری انگوٹھی میں جو ایک نگینہ ہے یہ پہلے پتھر کا ایک ٹکڑا تھا۔ جس کی کوئی زیادہ قدر و قیمت نہیں تھی مگر یہ سینکڑوں بار کاٹا گیا تراشا گیا۔ گڑھا گیا۔ غرض بڑے بڑے ابتلاء اور امتحان کی منزلوں سے گزرا تو اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی۔ اور خداوند عالم نے اس کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ یہ انگوٹھی کا نہایت ہی حسین نگینہ بن گیا۔ اسی طرح یہ میری چھڑی پہلے ایک درخت کی شاخ تھی نہ اس میں کوئی خاص جاذبیت تھی نہ کوئی بڑی قدر و قیمت مگر اس کو کلہاڑی سے کاٹا گیا۔ پھر اس پر آرا چلایا گیا اور بسولے سے اس کو بار بار چھیلا گیا۔ پھر اس کے سینے پر سینکڑوں مرتبہ رندا چلایا گیا اور تیز دھار والے اوزاروں اور ہتھیاروں سے تراش خراش کر اس میں نقش و نگار بنائے گئے۔ غرض سینکڑوں ہزاروں زخم کھانے کے بعد اور طرح طرح کے مصائب و آلام کی گردش اور قسم قسم کے ابتلاء اور امتحان کی آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد اس کو یہ جلیل القدر مرتبہ ملا کہ یہ ایک عالم دین کے ہاتھ کا عصا ہے اور اس کی قدر و منزلت کا یہ عالم ہے کہ میں اس

کو ہاتھ میں لے کر منبر رسول پر وعظ بیان کرتا ہوں اور اس کا سہارا لے کر جامع مسجد کے منبر پر خطبہ پڑھتا ہوں۔

اسی طرح "سنگ سرمہ" پتھر ایک معمولی ٹکڑا ہوتا ہے مگر جب وہ سینکڑوں بار کوٹا اور ہزاروں بار پیسا جاتا ہے اور بار بار کھرل میں رگڑا جاتا ہے۔ غرض بڑی بڑی مصیبتوں اور بڑے بڑے ہوش ربا اور روح فرسا امتحان سے دوچار ہوتا ہے تو اس پتھر کے ٹکڑے کو اتنا بلند رتبہ نصیب ہو جاتا ہے کہ لوگ اس کو اپنی آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں اور انتہائی محبت اور پیار کے ساتھ لوگ اس کو سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں بٹھاتے ہیں! اسی طرح گیہوں کا جو دانہ مکان کے اندر سائے میں نہایت آرام و چین کے ساتھ کسی برتن میں پڑا رہتا ہے۔ وہ یا تو گل سڑ کے فنا ہو جاتا ہے یا کسی جاندار کی غذا بن کر نجاست کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن گیہوں کا وہ دانہ جو زمین میں بو دیا جاتا ہے اور وہ زمین کی گرمی سورج کی تپش اور بارش کی زحمت، طرح طرح کی تکلیفوں کے امتحان میں جھنجھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے تو اس کو یہ مرتبہ ملتا ہے کہ وہ ایک سرسبز و شاداب اور حسین پودا بن کر اگتا ہے اور وہ فرش زمین کے لئے زینت اور انسانوں کے لئے ذریعہ زندگی اور سامان معاش بن جاتا ہے اور وہ انسانوں کے لئے اتنا محبوب اور جاذب نظر ہو جاتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اس کا خادم بن کر کبھی اس کو پانی سے سیراب کرتا ہے اور کبھی اس کے اردگرد کی گھاسوں کی اکھاڑ کر اس کے صحن کی صفائی کرتا ہے اور دن رات پہرہ دار بن کر اس کی حفاظت کرتا ہے۔

برادران ملت! ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قانون فطرت اور دستور قدرت یہی ہے کہ اکثر جب بھی کسی کو کبھی کوئی بلند مرتبہ ملتا ہے تو وہ ضرور پہلے ابتلاء و آزمائش کے کٹھن امتحان کے دور سے گزرتا ہے اور بغیر مصائب و آلام کی مشقتوں کو جھیلے اور برداشت کئے ہوئے کسی کو بھی کوئی رتبہ اور مرتبہ نہیں ملا کرتا۔ یہی وہ مضمون ہے جس کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

اور یہی وجہ ہے کہ کسی عارف باللہ نے جب عبادت و ریاضت کی آزمائشوں کے امتحان میں ثابت قدم رہنے کے بعد جس وقت اس کو نعمت بقاء کی معراج ترقی نصیب ہوئی تو اس نے

تمام عالم انسانیت کو یہ درس دیا کہ ۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہئے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

برادران ملت! عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے:۔

"اَلْعَطَایَا عَلٰی قَدْرِ الْبَلَایَا"

یعنی جتنا بڑا امتحان اتنا ہی بڑا انعام۔

یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَآءً اَلْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ

یعنی سب سے زیادہ سخت اور بڑا امتحان حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہوا کرتا ہے۔

پھر ان کے بعد جو جس درجے کا بلند مرتبہ ہوگا اسی قدر سخت اور بڑا اس کا امتحان ہوگا کیوں نہ ہو کہ ۔

منزلِ عشق میں تسلیم و رضا مشکل ہے!!
جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

برادران ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت حق جل مجدہ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۔
اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ

(البقرۃ)

یعنی ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوروں اور پھلوں کے نقصان سے اور (اے محبوب) خوشخبری سنا دو ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ یہ کہیں کہ ہم اللہ

ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تو عزیزان گرامی! اب غور فرمایئے کہ چونکہ میرے آقا حضور تاجدار مدینہ ﷺ کے اہل بیت کا مرتبہ نہایت افضل و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے۔ اور خداوند قدوس ان نفوس قدسیہ کو بڑے بڑے اعزاز و اکرام کی سلطنتوں کا تاجدار بنانے والا ہے۔ اس لئے قانون قدرت کا یہی تقاضا ہے کہ ان پاک جانوں کو بھی ضرور ابتلاء اور امتحان کی منزلوں سے گزرنا ہوگا اور پھر جتنا بڑا امتحان ہوگا اتنے ہی بڑے انعام کے یہ مستحق اور حقدار ٹھہریں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرات اہل بیت نبوت کے مقدس شہزادوں کو میدان کربلا میں خوف بھوک، پیاس، اور نقصان جان و مال کے ایسے ایسے مصائب کرب و بلا کے ہوش ربا امتحان سے گزرنا پڑا۔ کہ اگر ہمالیہ کا پہاڑ بھی ہوتا تو اس کا دامن صبر تار تار ہو جاتا۔ مگر واہ رے! ان شہزادگان خاندان نبوت کا عزم و استقلال کہ ان مصائب و آلام کے کوہ شکن ہجوم میں بھی صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہے اور اس عظیم الشان امتحان میں کامیاب ہو گئے اور خداوند عالم نے ان کو "شہادت کبریٰ" کا انمول انعام عطا فرما کر اعزاز و اکرام کی اس بلند منزل پر پہنچا دیا کہ آسمانوں کی بلند رفعتیں اور آفتاب و ماہتاب کی عرش نما طلعتیں ان کے قدموں کی گرد راہ کو جھک جھک کر سلام کرتی ہیں! کیوں نہ ہو؟ کہ وہ نونہالان گلشن نبوت ہیں کہ جن کے خوف کے قطرے قطرے میں علی و نبی کا خون شامل ہے اور یہ سب کے سب محبوب خدا کے پیارے مولیٰ علی کے دلارے اور فاطمہ زہرا کی آنکھوں کے تارے ہیں۔

فضائل اہل بیت:۔ حضرات محترم! اللہ اکبر! اہل بیت نبوت کے مراتب علیا اور ان کے درجات کبریٰ کا ذکر آ گیا تو کچھ ذرا اس کا بیان بھی سن لیجئے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ "اہل بیت کے منازل درجات اور ان کے فضائل و کمالات کا کیا کہنا؟ خداوند قدوس جل و علا ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۔ (احزاب)

یعنی اے نبی کے گھر والو! بس خدا یہی چاہتا ہے کہ پلیدی کو تم سے دور فرمادے اور تمہیں خوب پاک اور ستھرا کر دے۔

حضرات! مسلم شریف کی روایت ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صبح کو ایک منقش کملی اوڑھ کر حضور سید عالم ﷺ کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے اور حضرت حسن اور حسین اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو اپنی کالی کالی رحمت والی کملی میں داخل فرمالیا پھر اپنے دست رحمت کو خداوند قدوس کی بارگاہ عظمت میں اٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ:۔

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وَخَآصَّتِيْ اَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا ۔

یعنی خداوند! یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص میں تو ان سے ہر ممکن برائی کو دور فرمادے اور انہیں خوب پاک اور ستھرا کر دے۔

رحمت عالم کی یہ پیاری دعا سن کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ وَاَنَا مِنْهُمْ یعنی میں بھی ان میں سے ہوں تو ارشاد فرمایا کہ اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ بیشک تم بہتری پر ہو۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور حضرت ام المومنین کے جواب میں فرمایا "بلی" یعنی کیوں نہیں؟

آیت مباہلہ:۔ حضرات! اسی طرح جب نجران کے عیسائی حضور ﷺ سے مناظرہ کرنے کے لئے مدینہ آئے تو آپ نے اپنے دلائل نبوت سے ان پر آفتاب کی طرح حق کو ظاہر فرما دیا۔ مگر پھر بھی وہ لوگ اپنی معاندانہ روش سے برابر جھگڑتے رہے تو حضرت حق جل جلالہٗ نے "مباہلہ" کی آیت نازل فرمائی اور حکم فرمایا کہ اے محبوب:۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔

(پ3: آل عمران آیت:61)

یعنی جو تم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں جب کہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا ہے تو اے محبوب ان سے فرمادو کہ آؤ ہم

بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑگڑا کر دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

حضرات! جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے نجران کے نصاریٰ کو میدان میں نکل کر مباہلہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ جب صبح کو نصرانیوں کا گروہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گود میں امام حسین ہیں اور دست اقدس میں امام حسن کا ہاتھ ہے اور حضرت علی و حضرت فاطمہ حضور کے پیچھے ہیں اور حضور ان سب سے فرمارہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب "آمین" کہنا، نجران کے سب سے بڑے پادری "عبدالمسیح" نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا کہ اے جماعت نصاریٰ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو ہٹادینے کی دعا کریں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے پہاڑ کو ہٹادے گا۔ لہٰذا ہرگز ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم سب ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ نجران کے نصرانیوں نے "جزیہ" دینا منظور کیا۔ مگر مباہلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نجران والوں پر عذاب بہت قریب آچکا تھا اگر وہ لوگ مجھ سے "مباہلہ" کرتے تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے اور قہر الٰہی کی آگ سے جنگل جل جاتے اور وہاں کے چرند و پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کے اندر تمام روئے زمین کے نصاریٰ ہلاک و برباد ہو جاتے۔

برادران ملت! غور فرمایئے کہ "مباہلہ" کے لئے یہ بات ٹھہری تھی کہ اے عیسائیو! تم اپنے بیٹوں کو لے کر میدان میں نکلو اور ہم اپنے بیٹوں کو تم اپنی عورتوں کو لے کر آؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم خود آؤ اور ہم خود آئیں۔ اس موقع پر جناب رحمت عالم ﷺ کی نگاہ نبوت نے تمام دنیائے اسلام میں سے جن پاک جانوں کو منتخب فرمایا وہ حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم قیامت تک "ابن رسول اللہ" کہلاتے رہیں گے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کو اپنا "بیٹا" فرمایا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص جنتی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب "مباہلہ" کے

لئے ان مقدس جانوں کو ساتھ لے کر حضور گھر سے باہر نکلے تو یہ فرمایا کہ:۔

اَللّٰھُمَّ ھٰۤؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ (مشکوٰۃ ص568)

یعنی اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

خطبہ غدیر خم:۔ حضرات! زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے "غدیر خم" کے تالاب کے پاس جو ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ اہم اعلان فرمایا کہ:۔

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ

یعنی میں جس کا دوست ہوں "علی" اس کے دوست ہیں۔

اسی خطبہ مبارک کا ایک نہایت ہی اہم جزویہ بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

وَاَنَا تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَحَدُھُمَا کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ الْھُدٰی وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ

یعنی اے لوگو! میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ان دونوں میں سے ایک تو کتاب اللہ (قرآن) ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے لہٰذا تم لوگ اللہ کی کتاب کو لے لو اور مضبوطی کے ساتھ اس پر عامل رہو!

ثُمَّ قَالَ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ (مشکوٰۃ ص568)

پھر یہ ارشاد فرمایا کہ دوسری بھاری چیز جو میں تم میں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ میرے اہل بیت ہیں اور میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔

مطلب یہ تھا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں تم سے میرے اہل بیت کا حق ادا کرنے میں بال برابر کوتاہی نہ ہونے پائے۔

حجۃ الوداع کا خطبہ:۔ حضرات! اسی طرح "حجۃ الوداع" کا خطبہ جس میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے مجمع میں آپ نے اپنے انتہائی اہم فرامین کا اعلان فرمایا۔ اس خطبہ میں بھی یہ

ارشاد فرمایاکہ:۔

يٰآيُّهَا النَّاسُ اِنِّي تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ (مشکوٰۃ ص569)

یعنی اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز تم کبھی گمراہ نہیں ہونگے۔ وہ کون کون چیزیں ہیں؟ سن لو، وہ اللہ کی کتاب ہے اور میری اولاد ہے جو میرے اہل بیت ہیں۔

حضرات! رحمت عالم کے یہ مقدس خطبات، حدیثیں اور قرآن مجید کی مقدس آیت ہمیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کر رہی ہیں کہ اہل بیت نبوت کا مقام عظمت نہایت ہی رفیع واعلیٰ ہے اور آفتاب نبوت کے ان چاند تاروں اور فاطمہ زہرا کے ان پیاروں اور دلاروں سے محبت اور حسن عقیدت رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اسی لئے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ انتہائی جوش محبت اور جذبہ عقیدت کے ساتھ اہل بیت نبوت کو مخاطب کر کے ان کی بارگاہ عزت میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ

امام شافعی کے دو شعر:۔

يَآ اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِي الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ

یعنی رسول اللہ کے اہل بیت! تمہاری محبت خدا کی طرف سے فرض ہے۔ اور خداوند قدوس نے یہ حکم قرآن میں نازل فرمایا ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ خارجیوں نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمتہ پر محض اتنی سی بات پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی کہ آپ اہل بیت نبوت سے انتہائی والہانہ محبت رکھتے تھے تو اس وقت آپ نے خم ٹھونک کر انتہائی عزم محکم کے ساتھ خارجیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّيْ رَافِضِيْ

یعنی اگر آل رسول کی محبت ہی کا نام تمہارے نزدیک رافضی ہونا ہے تو تمام دنیا کے جن و

انس گواہ ہو جائیں کہ اس معنی میں یقیناً میں "رافضی" ہوں۔

برادران ملت! ہم سنیوں کے مسلم الثبوت پیشوا اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز کے بھائی مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمتہ نے اپنے ایک قصیدہ میں کتنی شاندار اہل بیت کی مدح و ثناء فرمائی ہے۔ اس قصیدہ کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے!

کس زبان سے ہو بیان مدح و شان اہل بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوان اہل بیت

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیان
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت

ان کے گھر میں بے اجازت جبرائیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت

رزم کا میدان بنا ہے جلوہ گاہ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحان اہل بیت

کس مزے کی لذتیں ہیں آب تیغ یار میں!
خاک و خوں میں لوٹتے ہیں تشنگان اہل بیت

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میان اہل بیت

سر شہیدان محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدا نے قدر و شان اہل بیت

گھر لٹانا، سر کٹانا کوئی تجھ سے سیکھ لے
جان عالم ہو فدا! اے خاندان اہل بیت

اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لَعنَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ دشمنان اہل بیت

بے ادب گستاخ فرقے کو سنا دے اے حسن
اس طرح کہتے ہیں سنی "داستان اہل بیت"

حضرات گرامی! آپ سن چکے کہ حضور اکرم ﷺ نے بار بار حضرت علی، فاطمہ حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو اپنا اہل بیت فرمایا۔ سبحان اللہ! خاندان نبوت کے ان نونہالوں کی عظمت شان کا کیا کہنا؟ حضرت مولائے کائنات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:۔

حضرت علی:۔

عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ

یعنی حضرت علی مجھ سے ہیں اور میں حضرت علی سے ہوں۔

سبحان اللہ! مطلب یہ ہے کہ میرا گوشت ان کا گوشت ہے اور میرا خون ان کا خون ہے۔ اللہ اکبر! یہ ہے مولائے کائنات کا بارگاہ نبوت میں وہ کمال قرب کہ جس کی ندرت و لطافت کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو خداوند قدوس نے ایمانی نگاہ محبت اور عرفانی فہم و فراست سے نوازا ہے۔ اللہ اللہ!

مِنْ تبعیضیہ لا کر عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ

یعنی فرمایا کہ علی میرے بدن کا جزو ہیں اور میں علی کے بدن کا جزو ہوں!

اللہ اکبر! رحمت عالم کا کمال کرم تو دیکھو کہ علی کو اپنے بدن کا ٹکڑا اور اپنے کو علی کے بدن کا ٹکڑا فرمایا اور اعلان فرمایا کہ میرا دوست علی کا دوست اور علی کا دوست میرا دوست ہے اور میرا دشمن علی کا دشمن اور علی کا دشمن میرا دشمن ہے۔

برادران ملت! نبی و علی کا وہی معاملہ ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یعنی "میں" "تو" ہو گیا۔ "تو" "میں" ہو گیا۔ میں تیرا بدن ہو گیا اور تو میری جان ہو گیا۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں دوسری چیز ہوں اور تو دوسری چیز!

حضرت فاطمہ:۔ حضرات! اسی طرح حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل کے بارے میں کیا پوچھتے ہیں؟ یہ نور نبوت کا وہ ٹکڑا ہیں جن کے بارے میں صاف صاف فرمادیا کہ:۔

فَاطِمَۃُ بُضْعَۃٌ مِّنِّیْ مَنْ اٰذَاھَا فَقَدْ اٰذَانِیْ

یعنی فاطمہ میری بیٹی تو میرے بدن کی ایک بوٹی ہے جس نے اس کا دل

دکھایا اس نے مجھے دکھ پہنچا کر ایذاء دی۔

حضرات حسنین کریمین:۔ اسی طرح حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مراتب و درجات کا یہ عالم ہے کہ رحمت عالم کبھی ان دونوں کو اپنے سینہ نبوت سے چمٹا کر کبھی دوش انور پر بیٹھا کر یہ دعا فرماتے تھے کہ:۔

هٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا (مشکوٰۃ ص570)

یعنی یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔ لہٰذا تو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور تو ان لوگوں سے بھی محبت فرما جو ان دونوں سے محبت رکھیں۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ:۔

فَیَشُمُّهُمَا وَیَضُمُّهُمَا (ترمذی ج 2 ص 420) یعنی حضور اقدس ﷺ ان دونوں شہزادوں کو سونگھتے تھے اور اپنے سینے سے چمٹایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ! دنیا میں سب لوگ تو اپنے پیارے بچوں کو چومتے ہیں۔ مگر حضور اپنے ان پیاروں کے بارے میں بار بار یہ فرمادیا کہ هُمَا رَیْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا یعنی حسن و حسین دونوں میرے "پھول" ہیں جو خدا نے مجھے دنیا میں عطا فرمائے ہیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ پھول سونگھے جاتے ہیں۔ پھول چومے نہیں جاتے۔ اس لئے حضور حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے دونوں پھولوں کو سونگھا کرتے تھے۔ سبحان اللہ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ۔

کیا بات ؟ رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

اچھی سواری پیارا سوار:۔ حضرات! ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت حسن کو کمال محبت سے اپنے دوش نبوت پر سوار کر کے چل رہے تھے کہ تو کسی صحابی نے یہ منظر دیکھ کر عرض کیا کہ:۔

نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَامُ.

یعنی اے بچے تیری سواری کتنی اچھی ہے؟

سبحان اللہ! تو سرکار دو جہاں نے فوراً ارشاد فرمایا کہ وَنِعْمَ الرَّاکِبُ هُوَ۔ یعنی اے میرے

صحابی! تونے یہ تو دیکھ لیا کہ سواری کتنی اچھی ہے؟ مگر یہ بھی تو دیکھ! کہ سوار کتنا پیارا ہے؟
(مشکوٰۃ ص 571)

حضرت امام حسن کی شہادت:۔ میرے بزرگو اور بھائیو! ریحانۃ الرسول اور خاتم الخلفاء حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ 15 / رمضان 3ھ کی شب میں مدینہ طیبہ کے اندر تولد ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے چند ماہ روز مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ پھر آپ نے تخت خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمادیا۔ اس کے بعد کسی خبیث نے آپ کو زہر کھلادیا۔ زہر کے اثر سے آپ کو اسہال کبدی لاحق ہوا اور آنتوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کر اسہال میں خارج ہونے لگے۔ اس سلسلے میں چالیس روز سخت تکلیف رہی اور 5 / ربیع الاول 49ھ میں آپ نے اس دار ناپائیدار سے مدینہ منورہ میں دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

اور جنت البقیع میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں جگر گوشہ رسول فرزند بتول مدفون ہیں۔ قریب وفات جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ اس کو قتل کروگے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بے شک! تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص پر میرا گمان ہے اگر واقعی وہی میرا قاتل ہے تو خداوند قہار و جبار منتقم حقیقی ہے وہی اس سے میرے خون کا انتقام لے گا۔ اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے کوئی بے گناہ مارا جائے۔ بہرحال کسی کو یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ آپ کا قاتل کون ہے؟ بعض مؤرخین نے یہ لکھ دیا ہے کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس آپ کی زوجہ نے یزید پلید کے حکم سے آپ کو زہر دیا اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اسی لالچ میں اس نے حضرت امام حسن کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی صحیح سند موجود نہیں ہے۔ اس لئے بغیر کسی صحیح سند کے کسی مسلمان پر امام کے قتل کا الزام لگانا بھلا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟

حضرات! اہل بیت کو قاتل کا علم تھا نہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ دریافت کرنے پر بھی قاتل کا نام نہیں بتایا اور حضرات حسنین کے صاحب زادوں نے اپنی آخری عمر تک

"جعدہ" سے کوئی شرعی مواخذہ بھی نہیں فرمایا۔ تو پھر "جعدہ" کو قاتل ٹھہرانے والا کون ہے؟ اس لئے تعجب نہیں کہ یہ خارجیوں کا ایک بدترین تبرا ہو کہ وہ حضرت امام کی بیوی کو غیر کے ساتھ سازباز کرنے کی تہمت لگا رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

....

زمین کربلا کا خونی منظر

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی شہادت

حضرات گرامی!

سید الشہداء حضرت امام حسین شہید کربلا کی ولادت باسعادت 5/ شعبان 4ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی کنیت "ابو عبد اللہ" نام نامی "حسین" اور القاب "سبط رسول" "ریحانۃ الرسول" ہے۔

اللہ اکبر! جگر گوشہ رسول، فرزند بتول، راکب دوش پیمبر اور کربلا کے غازیوں کے امیر لشکر، امام عالی مقام، شہید کربلا، حضرت امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی عظمت و شان کس زبان کی طاقت ہے۔ بیان کر سکے۔

حضرات! مجھے اس وقت ایک "نظم" کے چند بند یاد آ گئے۔ جس کو میں حسینی سرکار میں بطور نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ بغور سنئے!

اور دہکتی ریت کے بستر پہ سویا وہ حسین　　جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین　　جس نے سب کچھ کھو کے بھی کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا!
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

شیر کے مانند جو مقتل میں آیا وہ حسین　　جو بہتر (72) زخم کھا کر مسکرایا وہ حسین
راہ حق میں جس نے اپنا سر کٹایا وہ حسین　　کربلا میں جس نے اپنا گھر لٹایا وہ حسین

زیر خنجر جس کا سجدہ عظمت اسلام ہے
جس کا ہر تیور رسول پاک کا پیغام ہے

اللہ اللہ! راکب دوش پیمبر وہ حسین فاطمہ کا نور دیدہ جان حیدر وہ حسین
عظمت و اخلاص و قربانی کا پیکر وہ حسین کربلا کے غازیوں کا میر لشکر وہ حسین

پرچم حق تا ابد جس کا سلامی ہو گیا
زندہ جاوید، جس کا نام نامی ہو گیا

دین کی خاطر تھی جس کی زندگانی وہ حسین کٹ گئی اسلام میں جس کی جوانی وہ حسین
خلد میں کی حق نے جس کی مہمانی وہ حسین مل گئی جس کو حیات جاودانی وہ حسین

نام نامی جس کا لوح دہر پر مرقوم ہے!
فرش سے تا عرش جس کی عظمتوں کی دھوم ہے

واقعات شہادت:۔ حضرات محترم! رجب 60ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بمقام دمشق لقوہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ آپ نے بوقت وفات یہ وصیت فرمائی کہ میرے پاس حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے پانچ تبرکات ہیں جن کو میں نے زندگی بھر اپنی جان سے زیادہ عزیز تر سمجھ کر اپنے خزانہ میں محفوظ رکھا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ازار مبارک، چادر اقدس، قمیص انور، موئے مبارک اور ناخن منور کے تراشے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور رحمت عالم کے تہبند شریف اور مقدس پیرہن کا کفن دیا جائے اور میرے اعضاء سجدہ اور آنکھوں میں موئے مبارک اور تراشہائے ناخن منور رکھ کر قبر میں لٹا کر ارحم الراحمین کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو دفن کیا۔

یزید پلید:۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کا ناخلف اور انتہائی شقی اور بد نصیب بیٹا "یزید" تخت سلطنت پر فرعون زمانہ بن کر بیٹھا اور اس نے اپنی بیعت لینے کے لئے اطراف سلطنت میں ہر طرف فرمان اور قاصد روانہ کئے۔

حضرات! یزید کون تھا اور کیسا تھا؟ معاذ اللہ! یزید بن معاویہ اموی وہ بد ترین شخص ہے جس کی پیشانی پر اہل بیت نبوت کے خون ناحق کا قیامت تک نہ مٹنے والا سیاہ داغ ہے۔ یہی وہ بد نصیب اور شقی القلب ظالم ہے جس پر قیامت تک تمام دنیائے اسلام تحقیر و ملامت کے پتھر برساتی

رہے گی۔

یہ ننگ خاندان بنی امیہ 25ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں میسون بنت بحدل کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ انتہائی بدشکل، موٹا بھدا، پورے بدن پر بال انتہائی بد خلق، بد مزاج، فاسق و فاجر، شرابی و بدکردار، ظالم و غدار اور انتہائی بے ادب و گستاخ تھا۔ محرمات کے ساتھ نکاح اور سود وغیرہ منہیات شرعیہ کو اس بے دین نے علانیہ رواج دیا۔ حضرت عبداللہ بن حنظلۃ الغسیل نے فرمایا کہ واللہ! ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا جب ہم کو یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں یزید کی بداعمالیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے ہمارے اوپر آسمان سے عذاب کے پتھر نہ برسنے لگیں (واقدی) اسی طرح ایک مرتبہ کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں یزید کو امیر المومنین کہہ دیا۔ تو آپ نے اس کو بیس درے مار کر سزا دی کہ یزید جیسے بدترین شخص کو "امیر المومنین" کہنا جرم عظیم ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص 231)

حضرت ابوہریرہ جوان صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں جو رحمت عالم کے رازدار اور صاحب اسرار ہیں آپ نے 59ھ میں یہ دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ رَاسِ السِّتِّیْنَ وَاِمَارَہِ الصِّبْیَانِ

یعنی یا اللہ! میں 60ھ کی شروعات اور لڑکوں کی حکومت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ 60ھ میں یزید کی حکومت ہوگی اور یہ بڑے فتنوں کا وقت ہوگا اس لئے آپ نے اس سے پناہ مانگی۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو گئی اور 59ھ ہی میں آپ وصال فرما گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

بہرکیف یزید پلید تخت سلطنت پر قابض ہونے کے بعد اس نے ہر طرف اپنی بیعت کے لئے حکم نامے اور قاصد بھیجے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو یزید نے یہ فرمان بھیجا کہ تم میرا یہ فرمان دیکھتے ہی سب خاص و عام اور عمائد مدینہ سے میری بیعت لو اور خاص کر حضرات امام حسین اور عبدالرحمٰن بن ابو بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ دینا اور سب سے پہلے ان لوگوں سے بیعت لینا۔ چنانچہ یزید کا فرمان ملتے ہی ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسین کو اپنے دارالامارۃ (گورنمنٹ ہاؤس) میں بلایا اور یزید کا فرمان

سنا کر آپ سے بیعت کا طالب ہوا۔ امام عالی مقام نے صاف صاف فرمادیا کہ یزید اپنے فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی وجہ سے ہر گز اس قابل نہیں ہے کہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ اس لئے میں ہر گز ہر گز کبھی بھی اس کی بیعت نہیں کر سکتا۔ سچ ہے ؎

آئین جوانمرداں حق گوئی بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جس وقت امام عالی مقام نے یزید کی بیعت سے انکار فرمادیا۔ تو ولید بن عقبہ نے آپ کو بہت نرمی کے ساتھ سمجھایا اور اس کے خطرناک انجام کی طرف توجہ دلائی۔ مگر آپ نے پورے عزم محکم کے ساتھ بیعت سے انکار فرمادیا تو ولید بن عقبہ نے آپ کو پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا اور عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! آپ اس معاملہ میں جلد بازی کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ فرمائیں بلکہ اس وقت آپ اپنے دولت خانہ پر تشریف لے جائیں اور اطمینان سے سوچ بچار کر کوئی فیصلہ فرمائیں اور کل اسی طرح پھر یہاں قدم رنجہ فرمائیں تو بہت بہتر ہو گا۔

حضرات! امام عالی مقام کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ بیعت کے انکار سے یزید نابکار انتہائی مشتعل ہو گا اور میری جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ لیکن فرزند رسول سے بھلا یہ کب ممکن تھا؟ کہ تقویٰ اور دیانت کو ٹھکرا کر محض اپنی جان بچانے کے لئے ایک فاسق نابکار اور فاجر بدکار کو خلافت کا حق دار تسلیم کر لیں اور مسلمانوں کی تباہی اور دین و ملت کی بربادی کا کچھ خیال نہ کریں۔

مسلمانو! اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر امام عالی مقام یزید کی بیعت فرمالیتے تو یقیناً یزید اس کو آپ کا ایک احسان عظیم سمجھ کر آپ کی انتہائی قدر و منزلت کرتا اور فرط محبت سے آپ کے قدم دھو دھو کر پیتا اور بنی امیہ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کی مقدس جوتیوں پر ڈال دیتا۔ آپ کو بے شمار مال و دولت بھی دیتا۔ بلکہ کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی پیش کر دیتا۔ مگر امام برحق کی حق پرست نگاہوں کے سامنے آفتاب بن کر یہ حقیقت چمک رہی تھی کہ اگر میں یزید کی بیعت کر لیتا ہوں تو نظام اسلام درہم برہم ہو کر ملت اسلامیہ میں ایسا عظیم فساد برپا ہو جائے گا جس کا دور کرنا ناممکن اور محال ہو جائے گا۔ دین مٹ جائے گا اور پرچم اسلام کی دھجیاں پارہ پارہ

ہو کر فضائے آسمان میں بکھر جائیں گے۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ جب آپ یزید کی بیعت فرما لیتے تو آپ کی بیعت یزید کی ہر بدکاری کے جواز کے لئے سند بن جاتی اور تمام مسلمان یہ سمجھ لیتے کہ یزید کا ہر عمل اسلام کے مطابق ہے۔ کیونکہ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ اگر یزید اسلام کے خلاف عمل کرتا تو بانی اسلام کے نور نظر اور ملت اسلام کے عظیم رہبر امام عالی مقام ہرگز کبھی اس کی بیعت نہ فرماتے۔ برادران اسلام! یہی وہ واحد سبب تھا کہ جگر گوشہ رسول و فرزند بتول نے بڑے بڑے آلام و مصائب کو برداشت فرمایا بلکہ اپنے پھولے پھلے گلشن کو اپنی نظروں کے سامنے ظلم وعدوان کی خزاں سے ویران و برباد ہوتے دیکھا بلکہ اپنے خون کی آخری قطرہ اور اپنی زندگی کی آخری سانس خدا کی راہ میں قربان کر کے ملت اسلامیہ کی ڈوبتی اور ڈگمگاتی کشتی کو گمراہیوں کے طوفان سے نکال کر ساحل نجات پر پہنچا دیا اور قیامت تک کے لئے اسلام کا پرچم سربلند ہو گیا۔

حضرات گرامی! یزید نے تمام اہل مدینہ میں سب سے پہلے امام عالی مقام ہی سے بیعت کا مطالبہ اس لئے کیا کہ اس کو یہ معلوم تھا اگر حضرت امام بیعت فرمالیں گے تو پھر روئے زمین میں کسی کو میری بیعت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہے گی لیکن حضرت امام عالی مقام کی استقامت اور انکار بیعت سے اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور یزید مارے غیظ و غضب کے آگ بگولہ ہو گیا اور یہاں تک اپنی خباثت پر اتر آیا کہ اس نے حاکم مدینہ ولید کو یہ فرمان بھیج دیا اگر امام حسین میری بیعت سے انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر میرے یہاں روانہ کر دے۔ جب اس مضمون کے چند حکم نامے سے متواتر ولید کے پاس پہنچے تو ولید نے مجبور ہو کر امام عالی مقام کو یزید پلید کے اس ناپاک منصوبہ سے آگاہ کیا۔ آپ نے مخلصین صحابہ سے مشورہ کیا تو لوگوں نے آپ کو یہ صلاح دی کہ ایسے ماحول میں آپ کا مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلا جانا زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ آپ نے اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے مکہ مکرمہ کی روانگی کا عزم فرمالیا۔ سامان باندھے جانے لگے۔ اونٹوں پر کجاوے کس ڈالے گئے اور اہل نبوت کا یہ مقدس قافلہ مدینۃ الرسول کی جدائی کے صدمہ سے روتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل پڑا۔ اور امام عالی مقام اپنے نانا جان کے روضہ اقدس پر آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے۔

برادران ملت! اس روح فرسا منظر کے تصور سے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں صدمات

کا ایک ایسا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے کہ بدن کے رونگٹے رونگٹے میں اضطراب و بے قراری آنکھوں میں گریہ وزاری اور اشکباری کا ایک طوفانی سیلاب امنڈ پڑتا ہے کہ اللہ! اللہ! کیا آفتاب و ماہتاب کی آنکھیں کبھی وہ منحوس دن بھی دیکھیں گی؟ کہ رسول کی آغوش نبوت کا پالا حضرت علی اور حضرت سیدہ فاطمہ کی آنکھوں کا اجالا۔ حسین سید اعلیٰ اس طرح مدینہ سے نکالا جائے گا! مسلمانو! آہ آہ ایک وہ دن تھا کہ ان کے نانا جان نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سر فراز فرمایا تھا تو اہل مدینہ کے بوڑھے اور جوان جھوم جھوم کر یہ استقبالیہ نظم گاتے تھے ۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعٰى لِلّٰهِ دَاعِ

اور مدینہ کی ننھی ننھی بچیاں فرط مسرت میں اپنی باریک سریلی آواز سے یہ نغمہ گاتی تھیں

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارِ

یعنی ہم بنی نجار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں ہیں۔ واہ رے! ہمارے اچھے دن! کہ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو جائیں گے۔ ہر طرف فرح و سرور کا بول بالا اور مدینہ میں اجالا تھا۔ اور آج وہ دن ہے کہ اہل مدینہ کا ہر چھوٹا بڑا اپنے پیارے رسول کی یادگار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مدینہ سے رخصت ہوتا دیکھ کر بے قرار اور رنج و غم سے اشکبار ہے اور مدینہ کے ہر گھر میں رنج و غم کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیر نظر آرہا ہے۔ افسوس! ۔

مر دارد دے است ندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر آہے کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

یعنی اس تصور جانکاہ سے میرے دل میں ایسا درد ہے کہ اگر بیان کروں تو زبان جل جائے گی اور اگر آہ کھینچتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ میری ہڈیوں کا مغز جل کر خاک ہو جائے گا۔

روضہ منورہ پر امام کا آخری سلام:۔ بہر حال برادران ملت! حضرت امام عالی مقام اپنے کاشانہ اقدس سے نکل کر اپنے نانا جان کے آخری سلام کے لئے حاضر ہو رہے ہیں۔ ۔

مزار مصطفیٰ پر شام ہوتے ہی امام آئے اجازت کی غرض سے آخری کرنے سلام آئے

کہا رو کر سلام اے تاجدار عالم امکاں　　سلام اے سرور عالم اے سرور ذیشاں
ذرا دیکھو تو چہرے سے اٹھا کر گوشہ داماں　　حسین ابن علی پر تنگ ہیں طیبہ کی اب گلیاں

یزیدی دور ہے اسلام ہے سرکار خطرے میں
نواسہ آپ کا اس وقت ہے دشمن کے نرغے میں

حضرات گرامی!

4/ شعبان 60ھ کو جمعہ کی رات میں مدینہ منورہ سے آپ مکہ مکرمہ کے لئے اپنے اہل و عیال اور خدام کے ہمراہ روانہ ہو گئے جب آپ کی سواری چلی تو راہ میں جو لوگ ملتے حیرت سے سوال کرتے کہ یا ابن رسول اللہ! مدینہ چھوڑ کر کہاں کی تیاری ہے؟ آپ یہ سن کر فراق رسول میں زار زار روتے اور اپنے دل بے قرار کا حال زار سنا کر دوسروں کو بھی رلاتے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو تمام باشندگان حرم، بوڑھے اور جوان خوشی میں یہ ترانہ پڑھتے ہوئے استقبال کے لئے دوڑ پڑے

جن سے روشن ہے مدینہ میں وہ قمر آتے ہیں
جن کا معدن ہے نجف میں وہ گہر آتے ہیں!!

حضرت سرور عالم کے پسر آتے ہیں
سیدہ فاطمہ کے لخت جگر آتے ہیں

پھر آپ مکہ مکرمہ پہنچ کر بقیہ شعبان اور رمضان و شوال و ذیقعدہ نہایت ہی امن و امان کے ساتھ رہے اور اہل مکہ آپ کے فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے۔ سعید بن عاص جو یزید کی جانب سے مکہ مکرمہ کا گورنر تھا۔ اس نے بھی آپ کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں کی۔ لیکن اس نے مکہ مکرمہ میں آپ کی تشریف آوری اور اہل مکہ کی آپ کے ساتھ بے پناہ عقیدت کی اطلاع یزید کے پاس روانہ کر دی جس سے یزید اور بھی زیادہ برہم ہو گیا۔

کوفیوں کی ڈیڑھ سو عرضیاں:۔ برادران اسلام! یزید کی انتہائی کوششوں کے باوجود صرف اہل شام نے یزید کی بیعت کی اہل عراق خصوصاً کوفہ والے حضرت امام حسین کی خدمت میں درخواستیں بھیج رہے تھے اور آپ کی تشریف آوری اور آپ کی بیعت کے لئے انتہائی

مشتاق و تمنائی تھے مگر امام عالی مقام ہمیشہ انکار فرماتے رہے۔ چنانچہ اہل عراق کی تمام جماعتوں کے سرداروں اور سرکردہ لوگوں نے آپ کی خدمت میں خطوط اور عرضیاں روانہ کیں۔ تقریباً ڈیڑھ سو خطوط اور التجا نامے اس مضمون کے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے کہ اے ابن رسول اللہ! ہم "شیعان علی" ہیں اور آپ کے والد بزرگوار، شیر خدا، دلدل سوار کے انتہائی فرمانبردار و جانثار ہیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے ہم یزید پلید جیسے فاسق و بدکار کے مظالم میں گرفتار ہیں۔ ہم یزید کی گمراہیوں اور اس کی غیر شرعی حکومت سے بیزار اور آپ کی بیعت و اطاعت کے لئے بے قرار ہیں۔ آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لا کر ہمیں یزید کی ظالمانہ سلطنت کے ظلم و استبداد سے نجات دلائیں اور اپنے نانا جان کی امت کو ایک گمراہ اور ظالم و فاسق کی بیعت و اطاعت سے بچالیں۔ ہم چشم براہ ہو کر آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور عہد و اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنی جان و مال کے ساتھ آپ کے وفادار و جانثار رہیں گے۔ آپ فرزند رسول اور جگر بند علی و بتول ہیں۔ امت کی ہدایت و دستگیری آپ کا منصب ہے۔ لہٰذا تشریف لا کر ہماری ہدایت و دستگیری فرمائیے۔

اسی طرح کی درخواستوں اور التجا ناموں کے تسلسل نے امام عالی مقام کے سامنے ایک بہت ہی اہم اور قابل توجہ مسئلہ پیدا کر دیا۔ جس سے اغماض و اعراض کرنا ممکن نہ تھا۔

امام کیوں کوفہ گئے ؟:۔ یہ وہ مسئلہ تھا کہ اگر کوئی قوم کسی ظالم و فاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو اور وہ کسی ایسے شخص سے بیعت کی درخواست کرے جو ہر اعتبار سے اہل اور بیعت و اطاعت کا حق دار ہو اور وہ شخص اس قوم کی استدعا اور درخواست کو ٹھکرا دے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ شخص اس قوم کو اسی ظالم و فاسق کے حوالہ کرنا چاہتا ہے۔ اب غور فرمائیے کہ امام جو ہر طرح امیر المومنین ہونے کے اہل اور مستحق تھے اگر اس وقت کوفیوں کی ان درخواستوں کو قبول نہ فرماتے تو قیامت کے دن دربار خداوندی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا امام کے پاس کیا جواب ہوتا؟ کہ یا اللہ! ہم نے ہر چند امام سے بیعت کی درخواست کی لیکن امام برحق نے ہماری عرضیوں کو ٹھکرا دیا۔ اس لئے ہمیں یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنی پڑی۔

حضرات! یہ ایک ایسا مسئلہ امام کے سامنے درپیش ہو گیا کہ اس مسئلہ کا بجز اس کے کوئی حل ہی نہیں تھا کہ امام عالی مقام کوفیوں کی درخواست منظور فرما کر کوفہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ

جب بڑے بڑے اصحاب کبار مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوسعید، حضرت ابوواقد لیثی وغیرہم رضی اللہ عنہم نے آپ کو کوفہ کے سفر سے منع فرمایا تو آپ نے ان کے سامنے یہی مسئلہ پیش فرمایا کہ آخر اہل کوفہ کی استدعا کو رد کرنے کے لئے میرے پاس، عذر شرعی کیا ہے؟ الغرض! برادران ملت! حضرت امام کے سامنے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ آن پڑا تھا۔ ایک طرف جلیل القدر صحابہ کا اسرار تھا کہ آپ ہرگز کوفہ تشریف نہ لے جائیں دوسری طرف کوفیوں کی درخواست رد کرنے کے لئے آپ کے پاس کوئی عذر شرعی نہ تھا اس لئے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلے حضرت مسلم بن عقیل کو بھیجا جائے۔ اگر کوفیوں نے بدعہدی و بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی واطمینان دلایا جاسکے گا۔

حضرت مسلم کی روانگی:۔ چنانچہ امام عالی مقام نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کے نام یہ فرمان والاشان تحریر فرمایا۔ اے اہل کوفہ! میں تمہارے بے پناہ اصرار سے متاثر ہو کر حضرت مسلم بن عقیل کو اپنا نائب بنا کر روانہ کرتا ہوں! اگر تم لوگوں نے اپنے قول پر ثابت قدم رہ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور انہوں نے مجھ کو تمہاری وفاداری و جاں نثاری کی اطلاع دے دی تو فوراً ہی میں بھی کوفہ کا عزم سفر کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت مسلم اپنے دو بچوں محمد اور ابراہیم کو ہمراہ لے کر کوفہ روانہ ہوگئے۔ اور کوفہ پہنچ کر مختار بن عبید کے مکان پر قیام فرمایا اور اس میں شبہ نہیں کہ کوفیوں نے آپ کا بہت ہی شاندار استقبال کیا نیز بے پناہ جذبہ عقیدت و جوش محبت کا اظہار کیا یہاں تک کہ چالیس ہزار کوفیوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی اور ان لوگوں کے جوش و خروش کے اس عالم میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لشکر سیلاب کی طرح بڑھ کر یزیدی سلطنت کو غارت و برباد کردے گا اور یزید کو جان بچانے کے لئے کوئی راہ نہیں ملے گی چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل نے کوفہ اور اہل عراق کی عقیدت و بیعت سے مطمئن ہو کر امام عالی مقام کی خدمت میں یہ عریضہ لکھ کر بھیج دیا! چالیس ہزار افراد نے میرے ہاتھ پر بیعت کرکے آپ کی جاں نثاری و وفاداری کا عہد کرلیا ہے۔ لہٰذا جلد از جلد آپ کوفہ تشریف لائیں تاکہ جلد سے جلد خدا کے بندوں کو ظالم یزید کے شر سے نجات دلائی جائے اور آپ کی خلافت حقہ کا پرچم سربلند کرکے خدا کی زمین کو عدل د

انصاف سے بھر دیا جائے۔

کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر صحابی رضی اللہ عنہ باجودیکہ یزید کے گورنر تھے مگر چونکہ اہل بیت کے محب تھے اس لئے انہوں نے معمولی طور پر اہل کوفہ کو حضرت مسلم کی بیعت سے منع کر کے ضابطہ کی کارروائی پوری کر دی اور اس معاملہ میں کسی قسم کی مداخلت نہیں فرمائی اور اس طرح خاموش ہو کر بیٹھ رہے کہ یزید کو بھی ان واقعات کی اطلاع نہیں دی۔ مگر یزید کے خاص جاسوس مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید بن عقبہ نے یزید کو یہ اطلاع کر دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ تشریف لائے ہیں اور ہزاروں آدمی ان کے ہاتھ پر امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے ہیں۔ لیکن کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر نے کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی ہے۔ یزید یہ خط پڑھ کر غیظ و غضب میں جل بھن گیا اور فوراً کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کی معزولی کا فرمان لکھا اور بصرہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ عبیداللہ بن زیاد انتہائی ظالم اور بلا کا فریبی و مکار تھا۔ اس نے اپنی فوج کو تو قادسیہ میں چھوڑا اور خود حجازی لباس پہن کر چند آدمیوں کے ہمراہ خاموشی کے ساتھ رات کی تاریکی میں کوفہ پہنچا اور دارالامارۃ (گورنمنٹ ہاؤس) میں داخل ہو گیا۔ رات بھر یزید کے گرگوں سے پوری رپورٹ سن کر صبح کو ابن زیاد نے کوفہ کے تمام رؤسا اور عمائدین کو انتہائی فریب اور چالاکی سے قلعہ کے اندر بلا کر قلعہ کا پھاٹک بند کر لیا اور انہیں حکومت کا فرمان پڑھ کر سنایا اور خوب خوب ڈرایا دھمکایا۔ پھر اس نے محمد بن اشعث کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ حضرت مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ اس وقت حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ محمد بن اشعث نے ہانی بن عروہ کو فوراً گرفتار کر کے قلعہ میں بھیج دیا۔ اس وقت حضرت مسلم بن عقیل نے اپنے متوسلین کو پکارا۔ تو دم زدن میں چالیس ہزار کا لشکر آپ کے سامنے حاضر ہو گیا اور ابن زیاد کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ اگر حضرت مسلم بن عقیل حملہ کا حکم فرما دیتے تو چند منٹوں میں قلعہ فتح ہو جاتا اور ابن زیاد گرفتار ہو کر پابزنجیر آپ کا قیدی بن جاتا اور یہی لشکر طوفان کی طرح بڑھ کر یزید کے تخت و تاج کو بھی اپنے قدموں کا فٹ بال بنا کر یزیدی سلطنت کا نام و نشان مٹا دیتا۔ مگر برادران ملت! سچی بات اور واقعی حقیقت تو یہی ہے۔

لاکھ تدبیر کرے بندہ تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

حضرت مسلم بن عقیل نے قلعہ کا محاصرہ تو کر لیا مگر لشکر کو حملہ کا حکم نہیں دیا بلکہ ایک رحم دل اور عادل بادشاہ کی طرح آپ مصالحت کی گفتگو کا انتظار فرمانے لگے۔ ابن زیاد جو انتہائی مکار و کیاد تھا اس نے اس وقفہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اتنی دیر میں اس نے کوفہ کے رؤسا اور عمائدین کو مجبور کر دیا کہ وہ قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر اپنے عزیزوں اور زیر اثر لوگوں کو حضرت مسلم بن عقیل کی نصرت وحمایت سے علیحدہ کر دیں۔ یہ رؤسا اور عمائد پہلے ہی سے قلعہ کے اندر قید تھے۔ ابن زیاد نے ان لوگوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے مسلم بن عقیل کی جماعت کو نہ منتشر کیا تو میں تم لوگوں کو اسی قلعہ کے اندر انتہائی بے دردی کے ساتھ ذبح کر ڈالوں گا اور پھر یزید شامیوں کا لشکر جرار بھیج کر تمہارے بچے بچے کو قتل اور تمہاری بستیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالے گا!

کوفیوں کی بے وفائی:۔ حضرات! ابن زیاد کی یہ دھمکی سن کر عراق کے سرداروں اور سورماؤں کا حال پتلا ہو گیا اور سب کے سب لرزہ براندام ہو کر ہانپتے کانپتے قلعہ کی فصیل پر آئے اور رو رو کر اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور حاشیہ برداروں سے کہنے لگے کہ للہ! ہم پر رحم کرو اور حضرت مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دو! دیکھ لو! ہم اس وقت ابن زیاد کی قید میں ہیں اگر تم لوگوں نے اس قلعہ کو فتح بھی کر لیا تو تمہارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ابن زیاد ہمارے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ پھر یزید خاموش نہیں بیٹھے گا بلکہ اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے گا اور تمہارے ایک ایک بچے کو قتل کر کے تمہارا نام و نشان مٹا دے گا۔ لہٰذا اپنے انجام پر نظر ڈالو۔ ہمارے حال پر رحم کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔

حضرات! افسوس! کہ ابھی ابھی جو لشکر جناب مسلم بن عقیل کے چشم و ابرو کے اشارے پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ وہ اپنے سرداروں کی اتنی ہی تقریر سن کر منتشر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ جب حضرت مسلم بن عقیل نے مغرب کی نماز شروع کی تو صرف پانچ سو آدمی رہ گئے تھے جو آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے لیکن جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ بھی فرار ہو چکے تھے اور آپ کے ننھے ننھے دو بچوں کے سوا ایک آدمی بھی

آپ کے ساتھ نہ تھا۔ کوفہ کی مسجد، غربت و مسافرت کا عالم کوئی حال پوچھنے والا نہیں۔ حیران ہیں کہ کدھر جائیں؟ کہاں قیام کریں؟ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کہاں کھلائیں؟ کہاں سلائیں؟ افسوس کہ کوفہ کے اتنے بڑے شہر میں بنی ہاشم کے اتنے بڑے معزز مہمان کے لئے کوئی اپنا دروازہ تک کھولنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس بے کسی و بے بسی کے عالم میں جب کہ نہ کوئی یار و مددگار ہے نہ مونس و غمخوار۔ بار بار آپ کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد آتی تھی اور یہ سوچ سوچ کر صدمات سے آپ کے سینے میں دل پاش پاش ہو جاتا تھا۔ ہائے افسوس! میں نے امام عالی مقام کو یہ خط لکھ دیا ہے کہ چالیس ہزار جاں نثاروں کا لشکر تیار ہے آپ فوراً کوفہ تشریف لائے۔ یقیناً جگر گوشہ رسول، فرزند بتول میرا خط پڑھ کر مع اہل و عیال کوفہ کے لئے روانہ ہو چکے ہوں گے اور یہاں کوفیوں کی بدعہدی کا یہ حال ہے کہ اناج کا ایک دانہ اور پانی کا ایک قطرہ دینا تو بہت بڑی بات ہے کوئی بات کرنے والا نہیں اور میرے ہاتھ پر اپنی جان و مال فدا کرنے کا عہد اور بیعت کرنے والے ہی اب ابن زیاد کے ساتھ ساز باز کر کے میرے قتل کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ہائے گلشن زہرا کا سب سے حسین پھول حسین فرزند رسول بے خبری میں کوفہ پہنچ کر ان غداروں کے نرغے میں کیسے کیسے مظالم کی باد صرصر کا نشانہ بنے گا۔ یہ سوچ سوچ کر دل زخمی اور جگر گھائل ہو رہا تھا۔ اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں آپ کو پیاس لگی۔ سامنے ایک مکان نظر آیا جہاں "طوعہ" نامی ایک عورت کھڑی تھی۔ آپ نے اس سے پانی مانگا۔ اس نیک بندی نے آپ کو پہچانا اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے گھر میں بٹھا کر پانی پلایا۔ اتنے میں عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ کے کوتوال "عمر بن حریث" اور "محمد بن اشعث" کو آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ ان گستاخوں کی بے ادبی پر آپ کو ہاشمی جلال آ گیا۔ اور اپنی تلوار لے کر ان ظالموں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور آپ کے شیرانہ حملوں سے بہت سے سپاہی زخمی ہوئے اور بعض مارے بھی گئے۔ یہ دیکھ کر ہاشمی جوان کی شمشیر بے نیام قہر الٰہی کا پیغام بن کر سینکڑوں کوفیوں کو لقمہ اجل بنا ڈالے گی اور فوج کا یہ چھوٹا سا دستہ ہرگز ہرگز کبھی حضرت مسلم کو گرفتار نہ کر سکے گا تو فریب کا پتلا محمد بن اشعث یہ چال چل گیا کہ امن و صلح کا اعلان کر دیا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ جنگ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ہم آپ سے جنگ کے لئے نہیں آئے ہم تو صرف اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ آپ گورنمنٹ ہاؤس میں تشریف

لے چلیں اور عبید اللہ بن زیاد سے گفتگو کر کے معاملہ طے فرمالیں۔ حضرت مسلم نے جواب دیا کہ میں بھی جنگ نہیں چاہتا اس وقت تو میں کیا جنگ کروں گا؟ جب چالیس ہزار کا لشکر میرے ساتھ تھا۔ اس وقت بھی میں نے لڑنے کا ارادہ نہیں کیا اور گفتگوئے مصالحت کا انتظار کرتا رہا میں خود خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور میں بخوشی ابن زیاد سے گفتگو کر کے اتمام حجت کے لئے تیار ہوں۔

حضرت مسلم کی شہادت:۔ چنانچہ یہ دونوں مکار حضرت مسلم بن عقیل اور ان کے دونوں فرزندوں کو انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ لے کر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابن زیاد بدنہاد نے پہلے ہی سے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ ننگی تلواریں کھینچے کھڑے رہو اور جوں ہی حضرت مسلم قلعہ کے دروازے میں داخل ہوں فوراً انہیں دھوکے سے قتل کر ڈالو۔ چنانچہ بہت سے شقی دروازے کے دونوں جانب ننگی شمشیریں لئے کھڑے تھے اور جیسے ہی حضرت مسلم بن عقیل قلعہ کے پھاٹک میں داخل ہوئے سفاکوں نے اچانک آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ آپ اس وقت قرآن کی آیت تلاوت فرمارہے تھے۔ اور قبل اس کے کہ آپ اپنی تلوار کو نیام سے نکال کر حملہ فرمائیں کسی بدبخت نے ایسی تلوار ماری کہ آپ شہید ہو گئے۔

پھر آپ کے دونوں صاحبزادوں کو بھی ظالموں نے اپنی تیغ ستم سے شہید کر دیا اور آپ کے مہربان و میزبان ہانی بن عروہ کو بھی قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا اور ان سب شہداء کرام کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھرا کر خوب خوب اپنی بے حیائی و شقاوت و سنگدلی و مہمان کشی کا مظاہرہ کیا۔

برادران ملت!

کوفہ والوں کی اس بدعہدی، دغا بازی، اور بے وفائی پر قیامت تک آنے والی نسل انسانی نفرت و ملامت کرتی رہے گی کہ ایسے معزز و محترم مہمان کو جسے بڑی بڑی تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ ڈیڑھ سو عرضیاں بھیج کر بلایا اور پھر اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی نصرت و حمایت کا عہد محکم کیا اور پھر اس طرح اسے بے کسی و بے بسی کے عالم میں خونخوار دشمنوں کے حوالہ کر دیا کہ وہ اس کے ننھے ننھے بچے ان کوفیوں کے سامنے تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ اور یہ بے حیا و بے غیرت قوم ان مظلوموں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوچہ و بازار میں پھرانے کا تماشہ دیکھتی رہی!

حضرات گرامی! حضرت مسلم بن عقیل اور ان کے فرزندوں کی شہادت 3/ذوالحجہ 60ھ کو ہوئی اور یہی وہ تاریخ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مسلم کا خط پڑھ کر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے کوفہ کو روانہ ہوتے ہیں اور امام عالی مقام کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ وہاں حضرت مسلم پر خط تحریر کرنے کے بعد کیا گزری؟

حضرت امام کوفہ روانہ ہوئے:۔ حضرات گرامی! میں عرض کر چکا کہ حضرت مسلم کا خط ملاحظہ فرمالینے کے بعد کوفیوں کی دعوت قبول فرمالینے میں تشویش و تردد کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ اور چالیس ہزار انسانوں کے حلقہ ارادت میں داخل ہو جانے اور بیعت کر لینے کے بعد کسی قسم کے خوف و ہراس کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور کوفہ کے "شیعان علی" کے عذر اور بے وفائی کا بظاہر کوئی شبہہ تک نہ تھا اس لئے حضرت امام نے سفر کوفہ کا عزم فرمالیا اور 3/ذوالحجہ 60ھ کو اپنے اہل و عیال اور عزیزوں اور رفیقوں اور غلاموں کو ساتھ لے کر کل بیاسی آدمیوں کے قافلہ سالار بن کر آپ مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس مقدس قافلہ میں ستر یا بہتر سوار اور باقی پیادہ پا تھے۔

حضرات! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مسلم کے خط سے پورا پورا اطمینان ہو چکا تھا مگر پھر بھی اکابر صحابہ آپ کو اصرار کے ساتھ اس سفر سے روک رہے تھے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو آپ کو اس سفر سے روکنے کے لئے انتہائی اصرار بلیغ کر رہے تھے اور یہ سب کے سب آخر تک یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ کوفہ تشریف نہ لے جائیں۔ لیکن حضرت امام عالی مقام ان مخلص صحابہ کی استدعا قبول فرمانے سے مجبور تھے کیونکہ آپ کو یہ خیال تھا کہ چالیس ہزار عقیدت مندوں کی مخلصانہ التجاؤں کو جو دین کی حمایت و پاسداری کے جذبات سے بھری ہوئی ہیں۔ ٹھکرا دینا اہل بیت نبوت کے بلند اخلاق کے شایان شان نہیں ہے۔ پھر حضرت مسلم بن عقیل کے دعوت نامہ کو رد کرنا اور ان کی پر خلوص استدعا کو بے اتفاقی کی نظر سے دیکھنا بھی ہر گز ہر گز امام عالی مقام کو گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت امام نے حضرات صحابہ کرام کی استدعا کو قبول فرمانے سے معذرت فرمادی اور صحابہ کرام نے روتے ہوئے آپ کو رخصت فرمایا۔

برادران ملت!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کو کوفیوں کی بدعہدی کا تجربہ تھا۔ اس لئے وہ ان کی طرف سے ہرگز مطمئن نہ تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک فرمایا کہ اے امام! اگر آپ کسی کی بات نہیں مانتے اور کوفہ کے سفر پر آپ کو اصرار ہی ہے تو کم سے کم میری اتنی ہی عرضداشت قبول فرمالیجئے کہ عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیے۔ مگر آپ اس پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ برادران ملت! اصل بات تو یہ ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا مٹنے والا نہیں۔ بہت ہی سچ کہا ہے کسی شاعر نے ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر، ساری عمر گو سیتی رہے

امام عالی مقام کی تقدیر میں تو غربت و مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں میدان کربلا کے اندر شہادت لکھی ہوئی تھی۔ اس لئے بھلا آپ کوفہ کیوں نہ تشریف لے جاتے۔ آپ کو تو شہادت کی کشش کھینچے لئے جارہی تھی۔ اور حضرت امام کا اس وقت وہی حال تھا جو کسی نے کہا ہے ؎

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
عشق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

برادران اسلام! بہرحال حضرت امام اپنے بیاسی انسانوں کے مختصر قافلہ کے ساتھ کوفہ روانہ ہوگئے۔ اس مقدس قافلہ میں اہل بیت نبوت کے کون کون شہزادے تھے؟ میں چاہتا ہوں کہ ان کی فہرست بھی سنادوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ خاندان نبوت کے کیسے کیسے روشن ستارے کربلا کی زمین میں غروب ہوئے اور کیسے کیسے انمول لعل و گوہر اس دشت کربلا میں مدفون ہوئے۔

کربلا جانے والے اہل بیت:۔ میرے بزرگو اور بھائیو! اس سفر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تین فرزند ہمراہ تھے۔ حضرت علی اوسط جن کا لقب زین العابدین ہے۔ یہ حضرت شہربانو کے بطن سے تھے۔ ان کی عمر اس وقت بائیس سال کی تھی اور بیمار تھے۔ امام عالی مقام کے دوسرے صاحبزادے علی اکبر جو لیلی بنت ابی مرہ کے شکم سے تھے۔ ان کی عمر اٹھارہ

برس کی تھی یہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام عالی مقام کے تیسرے فرزند علی اصغر جن کی والدہ بنی قضاعہ میں سے تھیں یہ شیر خوار بچے تھے۔ حضرت امام کی ایک صاحبزادی حضرت سکینہ بھی ساتھ تھیں جن کی عمر سات برس کی تھی اور ان کی والدہ کا نام رباب بنت امرالقیس تھا۔ حضرت امام کی دو بیویاں تھیں ایک حضرت شہر بانو دوسری حضرت علی اصغر کی والدہ، ان کے علاوہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے چار نوجوان فرزند حضرت قاسم بن حسن، حضرت عبداللہ بن حسن، حضرت عمر بن حسن، حضرت ابو بکر بن حسن بھی امام عالی مقام کے ہمراہ تھے اور یہ سب کربلا میں شہید ہوئے اور حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پانچ فرزند حضرت عباس بن علی، حضرت عثمان بن علی، حضرت عبداللہ بن علی، حضرت محمد بن علی، حضرت جعفر بن علی بھی ہمراہ تھے اور سب جام شہادت سے سیراب ہوئے اور حضرت عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں حضرت مسلم بن عقیل تو اپنے دو فرزندوں محمد اور ابراہیم کے ساتھ کوفہ ہی میں شہید ہو چکے تھے لیکن تین فرزند حضرت عبداللہ بن عقیل، حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل، حضرت جعفر بن عقیل، برادران اسلام! مسلم بن عقیل کربلا میں حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ اسی طرح حضرت امام کے دو بھانجے حضرت محمد بن عبداللہ اور حضرت عون بن عبداللہ جو امام عالی مقام کی حقیقی بہن حضرت زینب بنت علی کے صاحب زادگان ہیں کربلا میں یہ دونوں بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ عورتوں میں سے حضرت امام کی بہن حضرت زینب اور دوسرے شہدائے اہل بیت کی بیویاں بھی ہمراہ تھیں۔ اہل بیت میں سے سترہ حضرات امام عالی مقام کے ساتھ رتبہ شہادت سے مشرف ہوئے اور حضرت امام زین العابدین (بیمار) اور دوسرے کم عمر شہزادگان مثلاً عمر بن حسن اور محمد بن عمر بن علی قیدی بنائے گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (سوانح کربلا)

برادران اسلام!

حضرات حضرت امام عالی مقام بہت تیزی کے ساتھ سفر فرما رہے تھے جب آپ ایک مشہور منزل "ذات عرق" پر پہنچے تو "بشیر بن غالب اسدی" سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ حضرت امام نے ان سے کوفہ کا حال دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ "اہل کوفہ کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور خدا جو

چاہتا ہے کرتا ہے "اور آگے بڑھے تو مشہور شاعر "فرزوق" سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی یہی جواب دیا۔ بہر حال حضرت امام نے اپنا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ "بطن الرتمہ" کے مقام پر عبید اللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ یہ اہل بیت کے بہت ہی جاں نثار اور شیدائی تھے۔ انہوں نے حضرت امام کو انتہائی اصرار کے ساتھ اس سفر سے منع کیا اور عرض کیا کہ آپ اہل کوفہ پر ہرگز ہرگز اعتماد نہ فرمائیں۔ کوفہ میں اب تک یزید کا گورنر موجود ہے اور وہاں آپ کا تشریف لے جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ مگر امام عالی مقام نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو مکہ مکرمہ میں حضرات صحابہ کرام کو دیا تھا اور یہ فرما کر آپ آگے بڑھ گئے کہ لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا یعنی ہمیں وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقرر فرمادی ہے۔

حضرت مسلم کی شہادت کی خبر:۔ الغرض حضرت امام منزل بہ منزل سفر فرماتے ہوئے چلے جارہے تھے اور اب تک کوفہ میں امام مسلم کی شہادت، اور وہاں کے انقلابی حالات سے بالکل ہی بے خبر تھے کہ ایک دم ناگہاں منزل "ثعلبیہ" پر "بکر اسدی" سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آرہے تھے۔ انہوں نے قدمبوس ہو کر کوفہ کے تازہ ترین حالات سے حضرت امام کو آگاہ کیا اور حضرت مسلم اور ان کے فرزندوں کی شہادت کے عبرت خیز اور دردناک حالات کو مفصل طور پر بیان کیا۔ حضرت امام کوفیوں کی غداری اور عہد شکنی کی داستان سن کر حیران رہ گئے اور شدت غم سے دل مسوس کر بے چین و بے قرار ہو گئے۔ اتنے میں حضرت مسلم شہید کی ایک چھوٹی بچی جو اس سفر میں ساتھ تھیں۔ حضرت امام کے سامنے آگئیں۔ حضرت امام نے انہیں انتہائی محبت و شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا اور ان کے سر پر دست شفقت پھیرنے لگے اور بے اختیار آنسوؤں کی دھار آپ کے مقدس رخسار پر جاری ہو گئی۔ وہ شہزادی ان قرائن سے تاڑ گئیں اور عرض کرنے لگیں کہ چچا جان آج تو آپ میرے سر پر اس طرح ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ جس طرح یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے میں آپ کو پروردگار کی قسم دلاتی ہوں سچ سچ بتایئے؟ کیا میرے بابا جان شہید تو نہیں ہو گئے؟ بچی کے اس سوال پر حضرت امام کا دامن صبر تار تار ہو گیا اور آپ بے اختیار شدت غم سے بے قرار ہو کر زار زار رونے لگے اور تمام اہل بیت نبوت آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ نے حضرت مسلم اور ان کے فرزندوں کی شہادت اور کوفیوں کی بدعہدی کا سارا حال سنایا یہ سن کر بعض لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابن

رسول اللہ! اللہ! آپ اپنے اور اپنے اہل بیت پر رحم فرمائیں اور یہیں سے واپس تشریف لے چلیں۔ چنانچہ حضرت امام نے واپسی کا ارادہ فرمالیا مگر حضرت مسلم کے بھائیوں نے رو رو کر عرض کیا کہ اے امام! اب بھائی کی ایسی دردناک اور مظلومانہ شہادت کے بعد ہم لوگ زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ واللہ! ہم تو ضرور کوفہ جائیں گے۔ اور اپنے بھائی اور بھتیجوں کے خون ناحق کا بدلہ لیں گے یا خود بھی شہید ہو کر خلد بریں میں اپنے بچھڑے ہوئے بھائی سے جاملیں گے۔ یہ سن کر امام عالی مقام نے فرمایا کہ بہت اچھا! اگر تم لوگوں کی یہی خوشی ہے کہ تو چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں جو تمہارا حال ہو گا وہ میرا حال بھی ہو گا۔ کیونکہ تمہارے بعد میری زندگی بے لطف اور میرا جینا وبال ہو گا۔ چنانچہ قافلہ آگے چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب کوفہ دو منزل باقی رہ گیا تو ناگہاں یہ نظر آیا۔

حر اور ایک ہزار سوار:۔ کوفہ کا ایک مشہور بہادر اور جنگجو شہسوار حر بن یزید ریاحی ایک ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ آپ کا راستہ روک کر کھڑا ہوا ہے، حر نے حضرت امام کو سلام کیا اور یہ عرض کیا کہ اے فرزند رسول! مجھے کوفہ کے یزیدی گورنر عبید اللہ بن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ معذرت بھی پیش کی کہ خدا گواہ ہے کہ میں بادل نخواستہ آیا ہوں اور مجھے آپ کی مقدس جناب میں بال برابر جرأت و گستاخی بھی انتہائی ناگوار ہے لیکن میں اس ظالم کے حکم سے مجبور ولاچار ہوں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ اے حر! میں اس شہر میں خود بخود نہیں آیا ہوں بلکہ اہل کوفہ نے مجھے ڈیڑھ سو خطوط لکھ کر بلایا ہے اور یہ خطوط اکثر ان ہی لوگوں کے دستخط اور مہر سے لکھے گئے ہیں جو اس وقت تمہارے اس لشکر میں میری گرفتاری کے لئے آئے ہیں۔ حر نے قسم کھا کر کہ واللہ! مجھ کو اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے کہ آپ کے پاس کب خطوط بھیجے گئے؟ اور کن کن لوگوں نے خطوط بھیجے؟ اور میں نہ آپ کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ واپس لوٹا سکتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت امام نے خطوط کا تھیلا الٹ دیا اور فرمایا کہ دیکھ لو! یہ خطوط کا انبار ہے ان کو پڑھ لو۔ ان کی مہریں دیکھ لو! پھر آپ نے نام لے لے کر پکارا کہ اے شیث بن ربعی، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث! سچ سچ بولو! کیا تم لوگوں نے عرضیاں لکھ لکھ کر اور قسمیں دے دے کر مجھے نہیں بلایا ہے؟ امام کی پکار سن کر یہ سب بے حیا اور نابکار شرم سے گردنیں جھکائے کھڑے رہے اور کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد

حضرت امام نے اتمام حجت کے لئے یہ بھی فرمایا کہ بہر حال اے کوفیو! اگر تم لوگ اپنے عہد پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر میں قدم رکھوں۔ ورنہ میں اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ میں یہیں سے اپنے وطن کو واپس چلا جاؤں۔

حضرات! ابھی حر سے حضرت امام کی گفتگو جاری ہی تھی کہ ایک دم نہایت ہی تیزی کے ساتھ ایک سانڈنی سوار آیا اور عبیداللہ بن زیاد کا یہ خط حر کو دیا کہ جس مقام پر تمہیں میرا یہ خط ملے تم حضرت امام کو اسی مقام پر روک لو نہ انہیں کوفہ شہر میں داخل ہونے دو اور نہ وطن واپس لوٹنے دو۔ خط پڑھ کر حر نے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! دیکھ لیجئے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے عبیداللہ بن زیاد کا کس قدر اصرار ہے؟ اس لئے اب میں بالکل ہی مجبور و لاچار ہوں کہ میں آپ کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتا۔ حر نے یہ کہا لیکن شدت غم سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آواز بھرانے لگی۔

برادران ملت!

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حر کے دل میں اہل بیت کی بے پناہ عظمت تھی۔ چنانچہ وہ نمازوں میں برابر حضرت امام ہی کی اقتدا کرتا رہا۔ لیکن وہ ابن زیاد بد نہاد کے ظلم و استبداد سے لاچار اور مجبور تھا اور اس کو یہ بھی ڈر تھا کہ اگر بال برابر بھی وہ حضرت امام کے ساتھ کوئی رعایت کرتا تو ایک ہزار لشکر کی موجودگی میں یہ راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا اور اگر ابن زیاد کو پتا چل جاتا تو وہ حر اور اس کے پورے خاندان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا۔ اسی خوف سے حر اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہاں تک کہ جگر گوشہ رسول فرزند بتول کو کوفہ کی راہ سے ہٹ کر کربلا کی اس بے آب و گیاہ سرزمین میں اترنا پڑا۔ جہاں سر چھپانے کو درخت کا ایک پتہ اور پیاس بجھانے کو پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں تھا۔

حضرت امام کربلا میں:۔ حضرات! 2 محرم 61ھ کی تاریخ اسلامی میں وہ ناقابل فراموش تاریخ ہے کہ اسی تاریخ میں ابن رسول اللہ نے اپنے اہل بیت کے ایک مختصر سے قافلہ کے ساتھ کربلا میں نزول فرمایا۔ حضرت امام نے اس مقام کا نام دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس میدان کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی حضرت امام کا ماتھا ٹھنکا۔ کیونکہ بچپن ہی سے آپ کی شہادت کی شہرت تھی۔ اور حضرات امام کو خوب معلوم تھا کہ کربلا کا میدان ہی وہ خوفناک بیابان

ہے جہاں اہل بیت نبوت کا مقدس خون نہایت بے دردی کے ساتھ بہایا جائے گا اور اس بیان کا ریگزار شہدائے اہل بیت کے خون سے رنگین و لالہ زار بنایا جائے گا۔

برادران ملت!۔

ابھی حضرت امام کربلا کے میدان میں اطمینان سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے اور آپ کا سارا سامان یوں ہی بے ترتیب ادھر ادھر پڑا ہوا تھا کہ ایک دم کوفہ سے عبیداللہ بن زیاد کا قاصد یہ خط لے کر پہنچتا ہے کہ "آپ یزید کی بیعت کیجئے یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیے" حضرت امام نے یہ خط پڑھ کر حقارت کے ساتھ زمین پر ڈال دیا اور فرمایا کہ "میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے۔"

برادران اسلام!

کیا ستم ہے؟ کہ ڈیڑھ سو خطوط بھیج کر آپ کو بلایا تو اس لئے گیا ہے کہ اہل کوفہ و عراق آپ کے دست حق پرست پر بیعت کریں گے۔ لیکن جب وہ معزز مہمان سفر کی مشقتیں برداشت کر کے تشریف لاتے ہیں تو ان کا حق مہمانی اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ زہر میں بجھائے ہوئے نیزے اور چمکتی ہوئی برہنہ تلواریں دکھا کر انہیں یزید پلید جیسے عیب مجسم کی بیعت پر مجبور کیا جا رہا ہے جس کی بیعت کسی طرح امام کے لئے جائز ہی نہیں تھی۔ اللہ اکبر! ان کوفیوں پر دغا اور دشمنان بے حیا کو ذرا بھی غیرت نہیں آئی کہ جس مہمان مکرم کو ہزاروں تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ بلایا ہے اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ مسلمانو! غالباً دنیا میں ایسے عظیم الشان مہمان کے ساتھ اتنے بڑے ظلم و عدوان کا بدترین سلوک نہ کبھی ہوا ہے نہ آئندہ کبھی ہوگا جو فاطمہ کے لعل اور علی کے نونہال کے ساتھ کوفیان بدخصال نے روا رکھا۔ حضرت امام کو ان غداروں کی بدعہدی پر انتہائی حیرت تھی۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے۔ حضرات! ابن زیاد حضرت امام کا جواب سن کر اور زیادہ آتش غیظ و غضب میں جل کر کباب ہو گیا اور انتہائی طیش میں آکر لشکروں کو تیاری کا حکم دے دیا اور عمر بن سعد کو اس لشکر جرار کا سپہ سالار بنا کر زمین کربلا کی طرف مارچ کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔

ابن سعد:۔ حضرات! ابن سعد ایک جنتی صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیٹا تھا اور وہ اہل

بیت کی عظمت و جلالت سے خوب واقف تھا۔ اس لئے وہ اس فوج کی سپہ سالاری سے پہلو تہی کرنے لگا۔ بلکہ صاف انکار کر دیا کہ میں فرزند رسول کے خون ناحق سے اپنے دامن کو داغدار نہیں کر سکتا۔ مگر ابن زیاد نے اس کو مجبور کر دیا کہ یا تو وہ ایران کی گورنری سے دست بردار ہو جائے یا حضرت امام سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

حضرات گرامی! حرص دنیا اور حکومت کی طمع وہ بری بلا ہے کہ جب یہ عفریت بن کر کسی کے سر پر سوار ہوتی ہے تو وہ کتنا ہی بڑا استقامت کا پہاڑ کیوں نہ ہو مگر اس کے قدم کو متزلزل ہی کر دیتی ہے۔ چنانچہ ابن سعد ایران کی گورنری کے لالچ میں باوجود ناگوار سمجھنے کے حیدر کرار کے گوہر آبدار، جوانان جنت کے سردار، حسین نامدار کا گلا کاٹنے کے لئے تیار ہو گیا اور پانچ ہزار پیادہ و سوار کی فوج جفاکار کا سپہ سالار بن کر کربلا کے میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گیا اور ساتویں محرم کے دن کربلا میں پہنچ کر دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ کیا اور اپنا فوجی مرکز قائم کیا اور پانچ سو مسلح سواروں کا دریائے فرات کے کنارے پہرہ بٹھا دیا کہ خبردار خبردار! پانی کا ایک قطرہ بھی ساقی کوثر کے فرزند اور اہل بیت کے خیمہ اطہر کے اندر پہنچنے نہ پائے اور ابن زیاد بد نہاد برابر کوفہ سے فوجیں روانہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ابن زیاد کے پاس بائیس ہزار پیادہ و سوار جمع ہو گئے۔

(سوانح کربلا)

برادران اسلام! کتنی حیرت کا مقام ہے کہ حضرت امام کے ساتھ کل بیاسی انسانوں کا قافلہ ہے۔ ان میں عورتیں بھی ہیں اور بچے بھی، بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی، ان ہی بیاسی مسافروں میں عابد بیمار بھی ہیں اور اصغر شیر خوار بھی۔ یہ لوگ جنگ کے ارادے سے بھی نہیں آئے ہیں اور ان لوگوں کے پاس سامان جنگ اور کافی ہتھیار بھی نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے مقابلہ کے لئے بائیس ہزار کا لشکر تیار کر کے بھیجا جاتا ہے مگر اس پر بھی کوفہ کے بڑے بڑے دلاوروں اور جنگ آزما بہادروں کے دل لرز رہے ہیں اور وہ خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو رہے ہیں۔

برادران ملت!

کیوں نہ ہو؟ ان روباہ صفت کوفیوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج ہم کس سے جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں؟ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آج فاتح خیبر علی حیدر، اسد اللہ

الغالب، علی بن ابی طالب کی کچھار کے شیر ان حق سے مقابلہ ہے اور انہیں اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ ؎

علی کا گھر بھی وہ گھر ہے کہ جس گھر کا ہر ایک بچہ
جہاں پیدا ہوا شیر خدا معلوم ہوتا ہے

اہل بیت پر پانی بند:۔ حضرات! ان دنیا کے کتوں کو اچھی طرح تجربہ تھا کہ ہم ان خدا کے شیروں کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان ظالموں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ پہلے ان شیر خدا کے شیروں پر پانی بند کر کے انہیں پیاس کی شدت سے نڈھال کر دیا جائے اور جب یہ بالکل ہی مضمحل اور جاں بلب ہو جائیں تو ان سے جنگ شروع کی جائے۔ اسی لئے ابن سعد نے حکم دے دیا کہ دریائے فرات کا ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا پانی یہود و نصاریٰ نوش کر سکتے ہیں۔ کفار و مشرکین اس سے سیراب ہو سکتے ہیں۔ کتے اور خنزیر بھی پی سکتے ہیں مگر ساقی کوثر کے نونہال اور فاطمہ کے لال کو ایک قطرہ بھی نہ دیا جائے۔ اللہ اکبر ؎

تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت سے تڑپے بے زبان اہل بیت

برادران ملت! کیا تاریخ اسلام کا یہ قیامت نما سانحہ کبھی بھی نسل انسانی فراموش کر سکتی ہے؟ کہ دریا کے کنارے ساقی کوثر کے پیارے فاطمہ زہرا کی آنکھوں کے تارے پانی کے ایک ایک قطرے کے لئے ترستے اور تڑپتے تھے۔ اللہ اللہ! کتنا ہوش ربا اور روح فرسا وہ منظر ہو گا؟ کہ گلشن فاطمہ کا سب سے ننھا پودا دودھ پیتا بچہ "علی اصغر" ماں کی گود میں بھوک پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ تین دن کی بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے۔ بھوکا پیاسا بچہ بار بار ماں کے سینے میں منہ لگاتا ہے مگر جب اسے دودھ کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں ہوتا تو وہ کبھی بلک بلک کر زار زار روتا ہے اور کبھی بسور بسور کر منہ بگاڑتا ہے۔ کبھی حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنی ماں کا اداس چہرہ دیکھتا ہے کبھی ماں کی گود میں مچل مچل کر اپنی سوکھی زبان اپنے ہونٹوں پر پھیرتا ہے۔ بے زبان بچہ بول نہیں سکتا مگر حیران ہے کہ میری ماں کے سینے میں جو رحمت کے دو چشمے تھے وہ آج کیوں خشک ہو گئے؟ میں پہلے اسی سینے سے منہ لگاتا تھا تو میرا منہ دودھ سے بھر جاتا تھا۔ مگر آج کیا ہو گیا کہ ان دودھ کے چشموں سے مجھے ایک قطرہ بھی دودھ

نہیں مل رہا ہے؟ اللہ۔ اللہ! ریگستانی میدان، چلچلاتی ہوئی دھوپ، گرم گرم ریت، جھلتی ہوئی لو کے تھپیڑے علی اصغر شیر خوار کے پتلے پتلے نرم ونازک گلابی ہونٹ جن کی نزاکت پر گلاب کی ننھی ننھی پنکھڑیاں قربان ہوتی تھیں۔ آج اس قیامت نما گرمی کی شدت اور پیاس کی تپش سے خشک ہو کر کالے پڑ گئے اور یہ نور کی تصویر پیاس کی شدت سے جاں بلب ہے۔ ماں تا کی ماری دکھیاری ماں جو خود بھی بھوک پیاس سے مضمحل تھی اپنے اس نور نظر کی بے قراری اور گریہ وزاری کو دیکھ کر اور بھی زیادہ بے تاب ہو جاتی تھی اور بار بار اس کے سینے میں صدمات سے شیشہ دل پاش پاش ہو جاتا تھا مگر صبر وشکر کے سوا ان استقامت کے مجسموں کی زبان پر کوئی دوسرا لفظ نہیں آتا تھا۔ اللہ۔ اللہ!

وہ جلتی ریت کی گرمی وہ دھوپ اور پیاس کی شدت
کریں صبر و تحمل، میر کوثر ایسے ہوتے ہیں!

حضرت امام کی استقامت:۔ الغرض دوسری محرم سے دسویں محرم تک اسی طرح اہل بیت کا یہ مظلوم قافلہ کربلا میں مقیم رہا اور روزانہ ابن زیاد کا قاصد یہی پیغام لاتا رہا کہ اے امام، اگر آپ اپنا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر رکھ کر اس کی بیعت فرمالیں۔ تو یہ بائیس ہزار کا لشکر جو آپ کے خون کا پیاسا کھڑا ہے آپ کے قدم دھو دھو کر پیئے گا۔ اور یزید آپ کی مقدس جوتیوں کو اپنا تاج بنا کر اپنے خزانوں کی کنجیاں آپ کے قدموں پر ڈال دے گا آپ کو عزت و دولت ملے گی۔ کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی ملے گی اور اے امام، اگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی تو آپ اور آپ کے اہل بیت کے مقدس خون سے کربلا کی زمین رنگین بنادی جائے گی۔ آپ کے ننھے ننھے بچے قتل کر دیئے جائیں گے اور آپ کی گود کے پالے نونہالوں کو آپ کی نظروں کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا اور پھر ان شہیدوں کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کی ہڈیوں کو چکنا چور کر دیا جائے گا اور ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوفہ اور دمشق کے بازاروں میں پھرایا جائے گا اور ان کی لاشیں کربلا کی زمین میں بے گور و کفن پڑی رہیں گی۔ کوفہ کے غنڈے آپ کے خیمہ کو لوٹ کر جلا دیں گے اور اہل بیت کی شہزادیوں اور حضرت فاطمہ زہرا کی ان عفت مآب بیٹیوں کو جنہیں آفتاب و ماہتاب کی نگاہیں بھی احترام کے سبب اچھی طرح نہیں دیکھ سکتی تھیں بے پردہ اونٹوں پر بٹھا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک چلنے

پر مجبور کیا جائے گا۔

الغرض حضرت امام کو اس قدر لالچ دی گئی اور حرص و طمع کے ایسے ایسے سنہرے اور دل کش مناظر امام کے سامنے پیش کئے گئے کہ اگر ہمالیہ بھی ہوتا تو اس کے پائے استقامت میں لغزش آ جاتی اور اس قدر ڈرایا کہ اور ایسی ایسی خوفناک دھمکیوں سے مرعوب کیا گیا کہ اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ مارے دہشت کے ان ظالموں کے سامنے سر نیاز جھکا دیتا۔ مگر برادران ملت فرزند فاطمہ زہرا جن کے خون کے قطرے قطرے میں رسول خدا کا خون شامل تھا وہ ان آفات و مصائب کے ہجوم میں بھی عزم و استقلال کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے اور نقصان جان و مال کے بڑے بڑے طوفان میں بھی ان کے پائے استقامت کو لغزش و جنبش نہیں ہوئی اور آپ ہمیشہ یہی جواب دیتے رہے کہ اے کوفیو۔ اور یزیدیو! میں اس وقت ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہوا ہوں کہ جہاں سے دو راستے نکلتے ہیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ میں یزید کی بیعت کر لوں تو یہ صحیح ہے کہ مجھے عزت و دولت اور کسی صوبے کی گورنری ضرور ملے گی اور یزید میرا ممنون احسان ہو کر مجھ پر جان و مال سے قربان ہو جائے گا۔ لیکن اس کا انجام یہ ہو گا کہ میرا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر پہنچتے ہی دین محمدی کا پرچم سرنگوں ہو جائے گا اور اسلام کا وہ درخت جس کو میرے نانا جان نے صحابہ کے خون سے سینچ سینچ کر ہرا ابھرا کیا ہے۔ ایک دم اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بے دینیوں کی باد صرصر سے تاخت و تاراج ہو جائیں گے اور عظمت اسلام فنا اور شوکت دین مٹ جائے گی اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں یزید کی بیعت نہ کروں تو یہ بالکل صحیح ہے کہ میں اور میرے اہل بیت انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے جائیں گے اور پھر ان شہیدوں کی مقدس لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند کر ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوچہ و بازار میں گشت کرایا جائے گا اور اہل بیت اطہار کو بے پناہ مصائب اور نقصان جان و مال سے دوچار ہونا پڑے گا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پرچم اسلام کی عظمت کا نشان بلند سے بلند تر ہو جائے گا اور شہداء کربلا کے خون سے سیراب ہو کر اسلام کا ہرا ابھرا درخت اس قدر سرسبز و شاداب ہو جائے گا کہ قیامت تک الحاد و بے دینی کی کوئی خزاں اس کے موسم بہار کو نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکے گی! لہٰذا اے یزیدیو! میرا آخری فیصلہ یہی ہے کہ ہم خود بہتر (72) زخم کھا کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑیں گے مگر ہم کسی حال میں بھی اسلام

کے پرچم عظمت کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے کٹ جائیں گے مگر ہم قرآن کا ایک لفظ بھی کٹنے نہیں دیں گے ہم خود مٹ جائیں گے مگر فرمان مصطفیٰ کا ایک زیر وزبر بھی مٹنے نہیں دیں گے اور آخری دم تک ہمارا یہی نعرہ اور اعلان رہے گا۔

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر نہ ہوگا یہ ہم سے ہرگز نبی کا جاہ و جلال دیں گے

چنانچہ کربلا کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ فاطمہ کے لال نے دنیا کی دولت و حکومت پر ٹھوکر مار کر راہ حق میں آنے والی تمام مصیبتوں کا خوشدلی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنا گلا کٹانا۔ اور گھر لٹانا گوارا کر لیا۔ مگر یزید پلید کی بیعت کر کے اسلام کے دامن تقدس کو داغ دار کرنا منظور نہیں فرمایا۔ سبحان اللہ

گھر لٹانا سر کٹانا کوئی تجھ سے سیکھ لے
جان عالم ہو فدا! اے خاندان اہل بیت

برادران ملت! اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت امام نے اس جنگ کو ٹالنے کی انتہائی جدوجہد فرمائی لیکن جفاکار و ستم کار قوم نے مصالحت کی کوئی بات ہی منظور نہیں کی اور حضرت امام کو یقین ہو گیا کہ اب اس جنگ کو دفع کرنے کا کوئی طریقہ باقی ہی نہیں رہ گیا کیونکہ یہ لوگ نہ شہر کوفہ میں داخل ہونے دیتے ہیں نہ یزید کے پاس لے جانے پر رضامند ہوتے ہیں نہ وطن جانے دیتے ہیں نہ ملک چھوڑنے پر ان کو تسلی ہوتی ہے اس وقت مجبوراً حضرت امام نے اپنے خیمہ کے گرد ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ خندق کھودی گئی اور صرف ایک راستہ رکھا گیا جہاں سے نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کیا جائے اور خندق میں آگ جلا دی تاکہ اہل خیمہ دشمنوں کی یلغار سے محفوظ رہیں۔

دسویں محرم کا قیامت نما دن:۔ حضرات! دسویں محرم 61ھ جمعہ کا آشوب دن آ گیا اور دنیا سے سفر کرنے والے غریب الوطن مسافروں نے اپنی زندگی کی آخری نماز فجر ادا کی ادھر سورج طلوع ہوا ادھر ابن سعد نے اپنے بائیس ہزار لشکر کو ان غیر یبان بے وطن کا خون بہانے کے لئے میدان میں لا کر جنگ کا نقارہ بجا دیا اور خود پہلا تیر چلا کر جنگ کی ابتداء کر دی اور یہ اعلان کر دیا کہ اے اہل شام و عراق! گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی جگر گوشہ رسول و

فرزند بتول پر چلایا ہے۔

حضرات! حضرت امام یہ منظر دیکھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر اتمام حجت کے لئے میدان کارزار میں تشریف لائے اور خون ناحق کا عذاب سنا کر اور اپنے حسب ونسب اور فضائل کا بیان کر کے ستمگاروں کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش فرمائی لیکن حضرت امام کا خطبہ ابھی تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ ستم شعاروں نے شور وغل مچانا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ اے امام! ہم آپکے فضائل سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے۔ اس وقت تو جنگ کے لئے آپ کسی کو میدان میں بھیجئے۔

کربلا میں حسینی کرامات:۔ حضرات! ظالموں کا یہ گستاخانہ جواب سن کر حضرت امام اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے اتنے میں یزیدی لشکر کا ایک بے باک مالک بن عروہ گھوڑا کدا کر سامنے آ گیا۔ اور اس نے جب خیمہ کے گرد آگ دیکھی تو انتہائی بے ادبی کے ساتھ یہ کہا کہ اے حسین! تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگا لی؟ حضرت امام نے فرمایا:۔

"كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ"

یعنی اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے کیا تیرا گمان یہ ہے کہ میں جہنم میں جاؤں گا۔

امام کے جانثاروں میں سے حضرت مسلم بن عوسجہ نے انتہائی طیش میں آ کر اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت طلب کی۔ مگر حضرت امام نے فرمایا کہ نہیں نہیں! ہماری طرف سے ہرگز کوئی جنگ کی ابتداء نہ کرے تاکہ ہمارے خون ناحق کا پورا پورا وبال ان ظالموں کی گردن پر رہے۔ لیکن حضرت امام نے مجروح دل سے یہ دعا مانگی کہ خداوندا تو اس بدنصیب کو نار دوزخ سے پہلے ہی آگ کے عذاب میں مبتلا کر۔ چنانچہ فوراً ہی مالک بن عروہ کا گھوڑا پھسلا اور یہ اس طرح گرا کہ گھوڑے کی رکاب میں اس کا پاؤں الجھ گیا اور گھوڑا اس کو گھسیٹتے ہوئے خندق کی طرف لے کر بھاگا اور یہ خندق کی آگ میں گر کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور دریدہ دہن نے یہ کہہ دیا کہ "اے حسین تم کو رسول خدا سے کیا نسبت؟" اس لفظ سے حضرت امام کا جگر شق ہو گیا اور آپ نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تو فوراً اس بے باک کو اپنے قہر میں گرفتار کر۔ چنانچہ ایک دم اس خبیث کو بیت الخلاء کی

حاجت ہو گئی اور یہ ننگا ہو کر ایک جھاڑی میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھا۔ اچانک ایک سیاہ زہریلے سانپ نے اس کو ڈنگ مارا اور یہ درد سے بلبلاتا ہوا نجاست میں لت پھت ہو کر بھاگا اور لشکر کے سامنے تڑپ تڑپ کر ذلت و رسوائی کی موت مر گیا۔

اسی طرح ایک بدلگام مزنی نے نہایت گستاخی کے ساتھ یہ کہا کہ "اے حسین دیکھ لو دریائے فرات موجیں مار رہا ہے مگر تم کو اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔ اور تم پیاسے مر جاؤ گے۔" حضرت امام نے اس کے لئے یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اَمِتْهُ عَطْشَانًا.

یعنی اے اللہ! اس کو پیاسا مار۔

چنانچہ ایک دم مزنی کا گھوڑا بھاگ نکلا اور یہ اس کو پکڑنے کے لئے دوڑا تو اس پر پیاس کا انتہائی غلبہ ہوا۔ مگر جب پانی پیتا تھا تو ایک قطرہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ یہاں تک کہ پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

حضرات گرامی!

چاہئے تو یہ تھا کہ امام عالی مقام کی ان ایمان افروز کرامتوں کو دیکھ کر ظالموں کا سینہ لرز جاتا اور وہ اس سے عبرت پکڑ کر امام کے خون ناحق سے باز آجاتے مگر یہ شرارت کے مجسمے جن کے سروں پر حرص دنیا عفریت بن کر مسلط ہو چکی تھی۔ ان عبرت آموز کرامات سے کوئی سبق نہ لے سکے اور زیادہ گستاخی و بے باکی کے شیطان مجسم بن کر رجز گاتے ہوئے ہتھیار چمکا چمکا کر حضرت امام سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں نکل آئے۔

لیکن حضرت امام اور ان کے جاں نثار ساتھی بھی ان کی کثرت اور شیطانی طاقت سے نہ ڈرے نہ جھجکے بلکہ سب کے سب خوف و ہراس سے بے نیاز ہو کر جذبہ شہادت سے سرشار اور خدا کی راہ میں اپنا سر کٹانے کے لئے بے قرار تھے۔ چنانچہ خاندان اہل بیت کے جواناں اور حیدر کرار کی کچھار کے شیروں نے انتہائی دلیری کے ساتھ آگے بڑھ کر اس طرح داد شجاعت دینے کا عزم کر لیا ۔

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

مگر قرب وجوار کے وہ جانثار جو اس حادثہ کی خبر پا کر حاضر دربار ہو گئے تھے وہ حضرت امام کے قدموں پر گر کر مچل گئے اور عرض کیا اے ابن رسول اللہ! یہ ناممکن ہے کہ جب تک ہم میں سے ایک جاں نثار بھی باقی ہے اہل بیت نبوت کا خون زمین پر گر پڑے۔ اس لئے پہلے ہم اپنا سر آپ کے قدموں پر قربان کریں گے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ان وفاشعاروں نے میدان جنگ میں نکل کر ایسی شجاعت و جاں نثاری کا مظاہرہ کیا کہ دشمنوں کے دلوں پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے یہ تمام جاں نثار راہ خدا میں اپنی جانیں قربان کر کے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

حضرات! ان وفادار جانثاروں کے نام اور ان کی جانبازیوں اور سر فروشیوں کے تذکرے تاریخ کی کتابوں میں اس طرح نقش وفا بن کر چمک رہے ہیں کہ قیامت تک گردش لیل و نہار ان کو محو نہیں کر سکتی اگر میں ان جانبازوں کا ذکر شروع کر دوں تو تقریر بہت ہی طویل ہو جائے گی۔ لیکن بہرحال پھر بھی ان میں سے چند باوفاؤں کا ذکر سن لیجئے۔

عبداللہ کلبی:۔ حضرات! لشکر اعداء میں سب سے پہلے جو دو شقی القلب حضرت امام سے لڑنے کے لئے نکلے وہ دونوں عبید اللہ بن زیاد کے غلام تھے۔ ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام سالم تھا۔ یہ دونوں بدنصیب اپنی صفوں سے نکل کر مبارز طلب کرنے لگے۔ ان دونوں کی صورت دیکھ کر حضرت عبداللہ کلبی جوش جہاد میں آپے سے باہر ہو گئے اور حضرت امام سے اجازت لے کر ان دونوں کے مقابلہ کے لئے نکل پڑے۔ یسار نے بڑھ کر آپ پر تلوار کا وار کیا مگر آپ نے ایک دم کمال ہنر مندی سے ایسا پینترا بدلا کہ دشمن کا وار خالی گیا اور پھر پلٹ کر شمشیر آبدار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ خبیث خون میں لت پت ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ سالم اپنے ساتھی کو اس طرح قتل ہوتا دیکھ کر غصہ میں سرخ ہو گیا اور جھلا کر آپ پر تلوار سے حملہ کیا آپ نے اس کے اس وار کو بائیں ہاتھ پر روکا تو آپ کی انگلیاں اڑ گئیں۔ مگر آپ نے بھی جھپٹ کر اس کو ایسی شمشیر ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ عبداللہ کلبی اپنی بیوی کے ساتھ جانثاری کے لئے آئے تھے ان کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ میرے شوہر کی انگلیوں سے خون کے فوارے جاری ہیں تو وہ بھی جوش جہاد میں بے خود ہو گئیں اور خیمہ کی ایک چوب ہاتھ میں لے کر میدان میں نکل پڑیں اور اپنے شوہر کو جوش دلاتے ہوئے کہنے لگیں کہ شاباش میرے پیارے

شوہر! شاباش میں تیرے قربان! میرے سر تاج تم جلدی جلدی ان یزیدی طاغوتوں کو موت کے گھاٹ اتار کر آل نبی پر قربان ہو جاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ شہادت کی تمنا میں میدان جنگ کے اندر نکل پڑی ہوں یہ کہہ کر دشمنوں کی طرف دوڑ پڑیں۔ لیکن امام نے فرمایا کہ اے بی بی! تم آگے نہ بڑھو۔ تم عورت ہو میں ہرگز ہرگز تمہیں میدان جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ فرمان شاہی سن کر یہ بی بی صاحبہ مجبوراً واپس آ گئیں مگر حضرت عبداللہ کلبی آخری دم تک انتہائی جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ لڑتے رہے اور بہت سے یزیدیوں کو موت کی آغوش میں سلا کر خود بھی عروس شہادت سے ہم آغوش ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

مسلم بن عوسجہ:۔ اسی طرح مسلم بن عوسجہ جو حضرت شیر خدا علی مرتضٰی علی رضی اللہ عنہ کے خالص شاگرد اور اہل بیت کے انتہائی وفادار جانثار تھے اور جوش جہاد اور جذبہ شہادت سے سرشار تھے۔ حضرت امام کے قدموں کا بوسہ لے کر میدان کارزار میں نکلے تو ایک انتہائی مغرور پہلوان آپ سے جنگ کے لئے تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا اور آپ پر تلوار سے قاتلانہ وار کیا۔ لیکن آپ نے اس کے وار کو رد کر کے اس کے سینے میں اس طرح نیزہ مارا کہ پشت سے پار ہو گیا اور اس کو نیزہ کی نوک پر اٹھا کر اس زور سے زمین پر ٹپکا کہ اس کے سر کا بھیجا پاش پاش ہو کر بکھر گیا۔ پھر آگے پیچھے کئی جنگ آزما شہسوار فیل مست کی طرح آپ سے ٹکرائے مگر جب آپ کی براق تلوار کا ہاتھ بڑھا تو آپ نے سب کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور آپ کی ہیبت و شجاعت سے دشمنوں کی فوج زیر و زبر ہونے لگی اور پورے لشکر میں تہلکہ مچ گیا۔ آخر ابن سعد نے اپنی فوج کو للکارا کہ اے بزدلو! تمہیں شرم نہیں آتی؟ کہ ایک آدمی کو تم لوگ قتل نہیں کر سکتے۔ مجبوراً اس نے فوج کے ایک دستہ کو حکم دیا کہ تم لوگ چاروں طرف سے یلغار کر کے اس کو محاصرہ میں لے لو اور پھر سب کے سب یکبارگی حملہ کر کے اس کا سر کاٹ لو۔ چنانچہ روبارہ صفت کوفیوں نے اس شیر حق کو نرغے میں لے لیا اور تیر و تلوار اور نیزوں کی مار سے اس شہسوار کو گھوڑے سے گرا دیا اور آپ کو گھوڑے سے گرتا ہوا دیکھ کر حضرت امام اور حبیب بن مظاہر فوراً دوڑ پڑے اور سرہانے کھڑے ہو کر پکارا کہ مسلم بن عوسجہ! شہادت مبارک! اے مجاہد جانباز! گھبراؤ نہیں۔ تمہارے بہت سے ساتھی جنت میں پہنچ

چکے ہیں اور ہم بھی بہت جلد تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ مسلم بن عوسجہ میں ذرا ذرا سی جان باقی تھی امام کی آواز سن کر آپ نے آنکھیں کھول دیں اور جب دیکھا کہ ابن رسول اللہ سرہانے کھڑے ہیں تو لبوں پر مسکراہٹ کے آثار نمودار ہوئے اور ایک دم روح پرواز کر گئی۔

نشان مرد مومن باتو گویم!
چو مرگ آید تبسم برلب او

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس جوش جہاد پر قربان جایئے اور اس ذوق شہادت کی لذت کا کیا کہنا؟

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جان سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

وہب بن عبداللہ:۔ حضرات! اسی طرح حضرت وہب بن عبداللہ کلبی کی مجاہدانہ سر فروشی کی داستان بھی قیامت تک فراموش نہیں کی جا سکتی یہ قبیلہ بنی کلب کے بہت ہی حسین اور خوبصورت نوجوان تھے اور ان کی شادی کو ابھی صرف سترہ روز ہی ہوئے تھے ان کی ماں نے کہا کہ بیٹا! آج میرے رسول کا پیارا نواسہ اور حضرت خاتون جنت بی بی فاطمہ کا نور نظر بے یار و مددگار دشمنوں کے نرغے میں گرفتار اور رنج و غم کا شکار ہے اے بیٹا! اس لئے میری تمنا ہے کہ تیرا وہ خون جو میرے دودھ سے بنا ہے آج اس کا ایک ایک قطرہ راہ حق میں بہا کر تو اپنی جان اہل بیت پر قربان کر کے میری مغفرت کا سامان کر دے۔ چنانچہ وہب بن عبداللہ اپنی والدہ اور اپنی نئی نویلی دلہن کو ساتھ لے کر کربلا میں آئے اور حضرت امام سے اجازت لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور کوندتی ہوئی بجلی کی طرح میدان جنگ میں پہنچ گئے اور مجاہدانہ لہجے میں جھوم جھوم کر رجز کا یہ شعر پڑھنے لگے۔

حُسَيْنٌ اَمِيْرٌ وَّنِعْمَ الْاَمِيْر
لَهٗ لَمْعَةٌ كَالسِّرَاجِ الْمُنِيْر

یعنی اے یزیدیو! سن لو۔ میرا اعلان ہے کہ یزید "امیر المومنین" نہیں ہے۔ بلکہ "امیر المومنین" حسین ہیں اور وہ بہترین امیر المومنین ہیں ان کی چمک دمک روشن چراغ کی طرح منور ہے۔ یزیدی فوج کے بڑے بڑے سورما اور جنگجو بہادر آپ کے مقابلہ کے لئے آئے مگر جو

بھی سامنے آیا آپ نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور بہت سے ظالموں کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنی ماں اور بیوی کے پاس آئے۔ یہ دونوں جناب وہب بن عبداللہ کی مجاہدانہ جانبازیوں کا نظارہ دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ آپ نے عرض کیا کہ اے میری مقدس ماں! اب تو آپ مجھ سے خوش ہو گئیں؟ ماں نے دل کھول کر دعائیں دیں اور کہا کہ بیٹا! میں تجھ سے خوش تو ہو گئی لیکن میرے لال! میری خوشی کی معراج تو جب ہو گی کہ میدان جنگ میں دشمنوں کی ضرب سے تیرا جسم چھلنی ہو جائے اور تو سرخ پوش دولہا بن کر عروس شہادت کی آغوش میں جنتی مہمان اور میرے لئے رسول عربی کی شفاعت کا سامان بن جائے پھر وہب بن عبداللہ نے اپنی روتی ہوئی نئی نویلی دلہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ اتنے میں دشمن کی صفوں میں سے محکم بن طفیل ایک نامی گرامی شامی پہلوان مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا نکلا اور "ھل من مبارز" کہہ کر جناب وہب کو جنگ کی دعوت دینے لگا۔ حضرت وہب اس کی آواز سن کر فوراً ہی گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنی مقدس ماں اور پیاری دلہن کو آخری سلام کر کے شیر نر کی طرح میدان جنگ کی طرف بڑھے اور محکم بن طفیل کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ محکم بن طفیل اپنے انتہائی غرور کے نشہ میں سرشار تھا۔ اتراتا ہوا آگے بڑھا اور انتہائی لاپرواہی کے ساتھ جناب وہب پر تلوار کا وار کیا۔ مگر جناب وہب نے انتہائی پھرتی اور چابکدستی کے ساتھ اس کو نیزہ مار کر نیزہ کی انی پر اٹھا لیا اور اس زور سے زمین پر پٹکا کہ اس کی ہڈیاں چکناچور ہو گئیں یہ دیکھ کر اشقیاء کے لشکر پر ایسی ہیبت اور سراسیمگی چھا گئی کہ یزیدی لشکر کا دل دہل گیا۔ چنانچہ حضرت وہب نیزہ ہلا ہلا کر بار بار یزیدی سورماؤں کو للکارتے اور جنگ کی دعوت دیتے تھے مگر ان بزدلوں میں سے کسی کی تاب اور ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آپ کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلتا۔ ادھر جناب وہب شوق شہادت میں اس قدر وارفتہ ہو رہے تھے کہ دم بھر کے لئے قرار نہیں تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ کوئی بھی میرے مقابلہ کے لئے میدان میں نہیں نکلتا تو آپ خود ہی دشمنوں کو للکارتے ہوئے بھوکے شیر کی طرح دشمنوں پر حملہ آور ہو گئے اور اس زور کا مجاہدانہ حملہ کیا کہ دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے قلب لشکر تک پہنچ گئے اور اپنے نیزے کی مار سے بڑے بڑے بہادروں کو چھید کر چھلنی بنا ڈالا۔ یہاں تک کہ آپ کا نیزہ ٹوٹ گیا پھر آپ نے بپھر کر میان سے تلوار نکالی اور اپنی شمشیر آبدار کی مار سے بہت سے ظالموں کو کھیرے

اور ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آپ جوش جہاد میں انتہائی جانبازی کے ساتھ تلوار چلا رہے تھے کہ اچانک کسی خبیث نے نشانہ باندھ کر آپ کے گھوڑے کی پیشانی پر ایسا تیر مارا کہ گھوڑا نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا اور آپ پیادہ ہو گئے۔ اتنے میں ابن سعد نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اس کا محاصرہ کر لو۔ چنانچہ ہر طرف سے اشقیا نے دھاوا کر کے اس بہادر مجاہد کو گھیر لیا اور چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے اور اس طرح نیزہ و تلوار سے لگا تار حملہ کرنے لگے کہ آپ لاچار ہو کر زمین پر گر پڑے اور ایک شقی نے آگے بڑھ کر آپ کا سر کاٹ لیا اور حضرت امام کے سامنے پھینک دیا۔ وہب کی ماں نے دوڑ کر اپنے بیٹے کے سر کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور انتہائی پیار اور محبت کے ساتھ پیشانی چوم کر اپنے کلیجے سے لگا لیا۔ شیر دل ماں بار بار اپنے مجاہد اور شہید بیٹے کے سر کو بوسہ دیتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ اے میرے سپوت بیٹے، اے میرے بہادر بیٹے، خدا گواہ ہے کہ آج تو نے میرے دودھ کا حق ادا کر دیا۔ اے بیٹا تجھے مبارک ہو، خدا علیم ہے کہ آج تیری ماں تجھ سے خوش ہو گئی۔ پھر ماں نے اپنے بیٹے کا سر دلہن کی گود میں رکھ دیا اور کہا کہ بیٹی! تجھے مبارک ہو کہ جب میدان محشر میں خدا کا منادی تجھے ایک شہید کی بیوہ کہہ کر پکارے گا تو اس وقت تیرا سر فخر سے اونچا ہو جائے گا کہ تو اس مجاہد جانثار کی رفیق زندگی ہے جو تیرے بستر عروسی سے اٹھ کر آیا اور خدا کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر اور اپنے خون میں نہا کر سرخ پوش دولہا بن کر شہادت کی دلہن سے ہم آغوش ہو گیا۔ دلہن نے والہانہ جوش محبت کے ساتھ اپنے سر تاج کے سر کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ مگر اس کے گورے گورے گال اور کالے کالے حسین بالوں کو خاک و خون میں لت پت دیکھ کر اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور شدت غم سے اس کا حال اس قدر نڈھال ہو گیا کہ گرم گرم آنسوؤں کی دھار اس کے رخسار پر بہنے لگی اور باوجود ضبط کے ایک چیخ نکل گئی اور زبان حال سے اس کے شوہر کے کٹے ہوئے سر سے یہ کہا کہ ؎

رفتی مرا خبر نہ کردی
بر بیکسی ما نظر نہ کردی

پھر ایک مرد آہ کے ساتھ اس کا طائر روح پرواز کر کے اپنے دولہا کے ساتھ ہم آغوش ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت حر کی جانبازی:۔ حضرات گرامی! کربلا کے ان جانثاران اہل بیت میں جنہوں نے دنیا کی دولت و عزت کو ٹھوکر مار کر اپنی عزیز جانوں کو حضرت امام کے قدموں پر قربان کر کے دونوں جہاں میں سرخروئی حاصل کی ان میں حر بن یزید ریاحی کا نام نامی بھی قیامت تک فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حر یزیدی لشکر میں ایک دستہ کے سپہ سالار کی حیثیت سے کھڑے تھے مگر جس وقت ابن سعد نے اپنے لشکروں کو حضرت امام کی طرف یلغار کا حکم دیا تو ایک دم حر کے اپنے پر انتہائی پریشانی اور بے قراری کے آثار نمودار ہو گئے چہرہ زرد ہو گیا اور خوف وہراس سے قدم ڈگمگانے لگے۔ حضرت حر کے بھائی جناب مصعب بن یزید نے جب بھائی کا یہ حال دیکھا تو حیران ہو کر کہا کہ بھائی جان! آپ تو میدان کارزار کے بہت پرانے تجربہ کار شہسوار ہیں۔ میدان جنگ آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔ آپ نے تو اس سے پہلے بڑے بڑے خونی مناظر دیکھے ہیں۔ مگر آج آپ کا کیا حال ہے؟ کہ آپ پر اس قدر وحشت و دہشت سوار ہے کہ آپ انتہائی پریشان و بے قرار نظر آرہے ہیں۔ حر نے کہا کہ میرے پیارے بھائی! میں وہ بہادر نہیں کہ میدان جنگ دیکھ کر گھبرا جاؤں۔ میں تو ضرب و حرب کو بچوں کا کھیل سمجھتا ہوں۔ لیکن آج کی جنگ خدا گواہ ہے کہ یہ اللہ و رسول سے جنگ اور اپنی عاقبت سے لڑائی ہے اس لئے اس جنگ کے تصور ہی سے میرے سینے میں دل لرز رہا ہے اور میرے جسم کا رونگٹا رونگٹا لرزہ براندام ہو رہا ہے۔ بھائی مصعب! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ایک طرف جنت کے خوش رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ اور ایک طرف آتش جہنم شعلہ زن ہے اور میں اس وقت جنت و جہنم کے درمیان میں کھڑا ہوں!

حضرت حر نے بھائی کو یہ جواب دے کر ابن سعد کو پکارا اور کہا کہ کیا واقعی تو ابن رسول اللہ کو قتل کر ڈالے گا؟ ابن سعد نے کہا کہ ہاں بے شک صرف امام حسین ہی کو نہیں بلکہ میں تو گلشن نبوت کے ایک ایک پھول کو مسل ڈالوں گا اور اہل بیت کے ایک ایک بچے کو ذبح کر کے دم لوں گا۔ حضرت حر نے کہا کہ کیا تجھے حضرت امام کی پیش کی ہوئی مصالحت کی شرطیں منظور نہیں؟ ابن سعد نے جھلا کر کہا کہ بالکل نہیں۔ اب تو حضرت امام سے جنگ کے سوا کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ ابن سعد کا یہ شرارت آمیز جواب سن کر حضرت حر کے دل میں ایک دم حقانیت کے

سینکڑوں چراغ روشن ہو گئے اور آپ نے تڑپ کر فرمایا کہ اے مردود تو کل قیامت کے دن خدا کے سامنے کیا جواب دے گا؟ اور رسول خدا کو کیا منہ دکھائے گا؟ خدا کی قسم! اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں جب بھی میں ابن رسول اللہ اور نور چشم حیدر کرار پر تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ حر نے یہ کہا اور ایک دم گھوڑا کدا کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور قدم بوس ہو کر عرض کرنے لگا کہ اے جگر گوشہ رسول و فرزند بتول! میں وہی روسیاہ ہوں جس نے آپ کا راستہ روکا تھا۔ مگر خدا کی قسم! مجھے یہ وہم بھی نہیں تھا کہ یہاں تک نوبت پہنچے گی اور یہ بدبخت اشقیاء آپ کا سر کاٹنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن بہر حال میں اب تائب ہو کر بارگاہ عالی میں حاضر ہو گیا ہوں۔ للہ! حضور والا میرے جرموں کو اپنے دامن عفو و کرم میں چھپا کر اب مجھے اہل بیت پر جان قربان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ حضرت امام نے حر کو اپنے قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور یہ بشارت دی کہ میں نے تیری خطا معاف کر دی اور میری دعا ہے کہ خداوند ستار و غفار بھی تیری توبہ کو قبول فرمائے حر حضرت امام کی زبان سے یہ مژدہ جانفزا سن کر باغ باغ ہو گیا اور جنگ کی اجازت پا کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا اور گھوڑا چمکا کر بجلی کی طرح دشمنان اہل بیت کی صفوں پر قہر الٰہی بن کر جھپٹا۔ حر کے بھائی مصعب نے یہ دیکھا کہ میرا بھائی نعمت دارین سے سرفراز اور دولت کونین سے مالا مال ہو گیا تو اس کے دل میں بھی حقانیت کا ولولہ اور حق شناسی و حق پرستی کا جذبہ و جوش پیدا ہو گیا اور وہ بھی گھوڑا دوڑا کر بھائی کی طرف بڑھا۔ یزیدیوں نے یہ سمجھا کر بھائی سے لڑنے کے لئے جا رہا ہے۔ لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مصعب جناب حر سے یہ کہنے لگا کہ میرے بھائی! خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرے لئے خضر راہ بن گیا اور تو نے بہت بڑی ہلاکت سے مجھے نجات دلائی۔ میرے بھائی میں بھی تیرے ساتھ اہل بیت کی عظمت پر اپنی جان قربان کر کے دونوں جہاں کی سلطنت عزت کا سلطان بننے کی تمنا رکھتا ہوں۔ حر نے خوش ہو کر اپنے بھائی مصعب کو گلے سے لگا لیا اور دونوں بھائی یزیدی لشکر کے سامنے سینہ تان کر جوش جہاد میں بھرے ہوئے کھڑے ہو گئے اور پہلے حر نے میدان میں نکل کر رجز کا یہ شعر پڑھا ۔

اَنَا الْحُرُّ وَاَنَا مُقْرِی الضَّیْفِ

اَضْرِبُ فِیْ اَعْنَاقِکُمْ بِالسَّیْفِ

میں حر ہوں اور مہمان نواز ہوں   میں تلوار سے تمہاری گردنیں اڑا دوں گا

ابن سعد اپنے لشکر کے ایک سپہ سالار یعنی حر کی شیرانہ گرجدار آواز سن کر گھبرا گیا اور اس نے بہت کچھ سوچ بچار کر کے ایک بہت ہی نامی پہلوان یعنی شیطان صفت صفوان کو بھیجا کہ حر کو سمجھا بجھا کر میرے پاس لے آ اور اگر وہ نہ مانے تو اس کا سر کاٹ لے۔ چنانچہ صفوان چلا گیا اور حر کے پاس آکر کہنے لگا کہ اے حر! ہم تیری عقل ودانائی پر ناز کرتے تھے۔ مگر آج ہمیں تیری نادانی پر ماتم کرتے ہیں کہ تو نے اس لشکر جرار سے نکل کر اور یزید کے گراں قدر انعام واکرام کو ٹھکرا کر ان چند بے کس مسافروں کا ساتھ دیا ہے جن کے توشہ دانوں میں روٹی کا ایک ٹکڑا اور جن کی مشکوں میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ افسوس! تیری عقل کہاں ماری گئی حر نے تڑپ کر جواب دیا کہ مردود! میں نادانی نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ تم لوگ اپنی حماقت اور نادانی کا ماتم کرو کہ تم لوگوں نے طاہر کو چھوڑ کر نجس کو قبول کیا اور دنیائے فانی کے چند درہم ودینار کے بدلے عالم باقی کی انمول اور لازوال نعمتوں کو بیچ ڈالا۔ اے ظالمو! تم میں سے کون نہیں جانتا کہ رحمت عالم ﷺ نے حضرت امام حسین کو اپنا پھول فرمایا ہے مگر تم لوگ گلشن رسالت کے اس پھول کو مسل کر پامال کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہو لیکن یاد رکھو کہ جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے میں گلشن نبوت کے اس پھول پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ میں یزید کے انعام واکرام کے خزانوں کو ٹھوکر مارتا ہوں۔ مجھے تو نعلین مصطفیٰ کو اپنے سر کا تاج بنانے کی تمنا ہے۔ تم دریائے فرات کے پانی پر ناز کرتے ہو میں ساقی کوثر کے مقدس ہاتھوں سے کوثر و سلسبیل کا جام پینے کا امیدوار ہوں "صفوان" نے بہت کچھ چرب زبانی سے کام لیا مگر اس نے جب دیکھ لیا کہ حضرت حر کا سینہ اہل بیت کی محبت کا سفینہ بن چکا ہے اور کوئی لالچ اس کے قدم کو جادہ مستقیم سے برگشتہ نہیں کر سکتی تو اس نے دھوکہ سے جناب حر کے سینہ پر ایک تیر مار دیا۔ جناب حر تیر کھا کر زخمی شیر کی طرح صفوان پر نیزہ سے حملہ آور ہوئے اور نیزہ کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ اس کے سینے میں مارا کہ سینہ کو چھیدتا ہوا پشت کے پار ہو گیا اور اس کو گھوڑے کی زین سے نیزے پر اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹکا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوراً ہی مر گیا۔ صفوان کے تین بھائی جو بہت ہی نامور جنگ جو تھے اپنے بھائی کو یوں قتل ہوتا دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے۔ اور پہلے دو بھائی حر کے مقابلے پر آئے اور دونوں نے حر پر بیک وقت حملہ کر دیا۔

مگر حر نے شمشیر آبدار کی مجاہدانہ مار سے دونوں کا سر اڑا دیا۔ تیسرا بھائی بھاگ نکلا۔ لیکن حر نے گھوڑا دوڑا کر اس کا تعاقب کیا اور بھاگتے ہوئے اس کی پیٹھ میں ایسا نیزہ مارا کہ سینے سے پار ہو گیا وہ غش کھا کر گھوڑے سے گر پڑا اور حر نے شمشیر کی ایک ضرب سے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ صفوان اور اس کے تینوں بھائیوں کو قتل کر کے جناب حر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے ابن رسول اللہ! کیا اب آپ مجھ سے راضی ہو گئے۔ حضرت امام نے فرمایا کہ "نَعَمْ اَنْتَ حُرٌّ" ہاں بے شک میں تجھ سے خوش ہوں اور تجھے یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ تو جہنم سے آزاد ہے۔ جناب حر یہ بشارت سن کر فرط مسرت سے جھوم اٹھے اور پھر میدان میں آ کر جانبازی سے لڑنے لگے اور بہت سے ظالموں کو قتل کر کے پھر امام کے سامنے آئے اور سوکھی زبان دکھا کر عرض کرنے لگے کہ امام اب تشنہ کامی حد سے بڑھ چکی ہے اور پیاس کی شدت نا قابل برداشت ہو چکی ہے۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ حر! میرے عزیز حر! ذرا دیر اور صبر کرو اور راہ حق میں اپنا سر کٹا کر حضور ساقی کوثر کے مقدس ہاتھوں سے جام کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ۔ حر یہ خوشخبری سن کر پھر میدان جنگ میں جام شہادت کی تمنا میں سرفروشانہ جنگ کرنے لگے اور لشکر اعدا پر آپ کی شجاعت کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ گئے۔ لیکن ابن سعد نے جب اپنے لشکریوں کو ڈانٹا کہ تم لوگ ایک سپاہی کو قتل نہیں کر سکتے؟ تو بہت سے سفاکوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور آپ پر اس قدر تیر برسانے لگے کہ آپ کا گھوڑا زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑا اور آپ پیدل ایک جم غفیر سے تنہا لڑنے لگے۔ چاروں طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے اور بہت سے پیادے اور سوار نیزہ و تلوار سے آپ پر وار کر رہے ہیں۔ مگر آپ عزم واستقامت کا کوہ گراں بار بنے ہوئے میدان میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ ایک سفاک ظالم نے آپ پر ایسا نیزہ چلایا کہ آپ اس کی کاری زخم کی تاب نہ لا سکے اور ایک جانثار وفادار کی طرح داد شجاعت دے کر جگر گوشہ رسول و فرزند بتول کی نصرت و حمایت میں اپنی جان قربان کر کے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ امام عالی مقام حر کو میدان جنگ سے اٹھا کر لائے اور اپنے زانوئے اقدس پر ان کا سر رکھ کر اپنے دامن اطہر سے ان کے چہرے کے گرد و غبار کو صاف کرنے لگے۔ حر میں ابھی ذرا سی جان باقی تھی۔ آنکھیں کھول دیں اور جب یہ دیکھا کہ میرا سر فرزند رسول کی گود میں ہے تو اپنے مقدر کی خوش بختی پر

ناز کرتے ہوئے فردوس بریں کو روانہ ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت امام حر کی وفاداری اور جانثاری کو یاد کر کے روتے تھے اور یوں فرماتے جاتے تھے کہ۔

وَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بْنُ رِيَاحِيْ ۔۔۔ صَبُوْرٌ عِنْدَ مُشْتَبَكِ الرِّمَاحِ

یعنی حر بن یزید ریاحی بہت ہی اچھا حر ہے ۔۔۔ جو نیزوں کے جمگھٹے میں بھی ۔۔۔ رہا

وَنِعْمَ الْحُرُّاِذْ نَادٰی حُسَيْنًا ۔۔۔ وَجَادَ بِنَفْسِہٖ عِنْدَ الصَّبَاحِ

اور حر کتنا اچھا ہے کہ اس نے حسین کو پکارا ۔۔۔ اور صبح کے وقت اس نے اپنی جان کی سخاوت کر دی

حر کی شہادت کے بعد ان کے بھائی مصعب اور حر کے فرزند علی بن حر اور حر کے غلام نمرہ یہ تینوں بھی انتہائی جانبازی کے ساتھ یزیدی لشکر سے لڑتے ہوئے جام شہادت سے سیر اب ہو گئے۔

الغرض اسی طرح اہل بیت کے تمام رفقاء و جانثاران نوبت بہ نوبت میدان جنگ میں داد شجاعت دے کر اپنی جانیں قربان کر چکے اور پچاس سے زیادہ جانثاران اہل بیت شہید ہو چکے۔ اب صرف خاندان اہل بیت باقی رہ گئے ہیں اور دشمنان خونخوار انہیں کے خون کے پیاسے ہیں اور جو جوانان اہل بیت بھی گو مٹھی بھر ہیں۔ مگر یزیدیوں کے لشکر جرار کے سامنے عزم و استقامت کا ناقابل تسخیر پہاڑ بن کر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ہر جوان شوق شہادت میں امام کی نصرت و حمایت پر والہ وار نثار ہونے پر تیار ہے۔ نہ کسی کا حوصلہ پست ہے نہ کوئی جنگ سے فرار کا خواستگار ہے۔ ہر ایک کی یہ تمنا ہے اور ہر ایک کا یہی اصرار ہے کہ پہلے جانثاری کا ان کو موقع دیا جائے۔ چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت نبوت کے نوجوانوں نے خاک کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت اور جانثاری کے جو نقوش بنائے ہیں قیامت تک گردش لیل و نہار اس کو مٹا نہیں سکتی۔ خاندان اسد اللہ الغالب کے شیران حق نے اپنے مجاہدانہ حملوں سے کربلا کی زمین کو زیر و زبر کر دیا۔ اور ان کی اسد واللہی تلواروں کی ضرب سے بڑے بڑے بہادروں کے سینوں میں دل لرزنے لگے، ہاشمی جوانوں نے کربلا کی تشنہ زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا۔ ان کی تیغ بے نیام دشمنوں کے لئے موت کا پیغام اور ان کے نیزہ و سنان ظالموں کے حق میں قضا کا فرمان تھے۔ جدھر رخ کرتے دشمنوں کی صفیں درہم برہم ہو جاتیں اور یہ قلب لشکر تک پہنچ کر اس طرح دشمنوں کا قتل عام کرتے تھے کہ گویا سوار مقتولوں کے

سمندر میں تیر رہا ہے۔اسی طرح ہر ہاشمی جوان اپنی جانبازی اور شجاعت کے جوہر دکھا کر اور سینکڑوں بدباطنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر امام عالی مقام پر اپنی جان قربان کر کے شہید ہوتا رہا۔ یزیدی یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے انہیں مار ڈالا اور یہ لوگ مر گئے لیکن زمین کربلا کا ذرہ ذرہ اور ساری خدائی پکار رہی تھی اور خود خدا یہ اعلان فرما تا رہا تھا:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

یعنی کبھی کوئی اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لائے کہ یہ لوگ مر گئے۔ بلکہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔

سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا علامہ ابوالضیا ضیاء النوری نے

مجاہدوں کی بات بھی ضیا عجیب بات ہے
حیات بھی حیات ہے ممات بھی حیات ہے

حضرات گرامی! یوں تو خاندان اہل بیت کے ہر ایک جوان نے اس حق و باطل کے عظیم معرکہ میں انتہائی جذبہ وایمانی و جوش اسلامی کے ساتھ اپنی قیمتی جان کو قربان کر کے دونوں جہاں کی سرخروئی حاصل کی اور ایسی سرفروشی و جانبازی کے ساتھ دشمنان دین کا مقابلہ کیا کہ کربلا کی زمین کا ذرہ ذرہ تحسین و آفرین کا نعرہ بلند کرنے لگا۔ مگر میں اس وقت چند شہداء اہل بیت کی شہادتوں کے تفصیلی مناظر کی بھی چند جھلکیاں آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں تاکہ آپ بھی اس کو سن کر اپنی اسلامی رگوں کے قطرات خون میں جذبہ ایمانی کی حرارت محسوس کرنے لگیں!

حضرت قاسم:۔ حضرات! آپ نے جناب قاسم بن حسن کا نام نامی سنا ہوگا یہ اہل بیت کے بہت سے جوانوں کی شہادت کے بعد حضرت امام سے جنگ کی اجازت طلب کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ حضرت امام کے حقیقی بھتیجے یعنی حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند اور حضرت امام عالی مقام کی دختر نیک اختر بی بی سکینہ سے ان کی نسبت بھی طے ہو چکی ہے۔ چھوٹا سا قد، نوجوانی کا عالم، سبزہ آغاز، ایک پیکر حسن و جمال ہے جو حضرت امام سے گردن کٹانے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ امام عالی مقام نے محبت بھری نظروں سے بھتیجے اور ہونے والے داماد کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا۔ قلب میں ایک ٹھیس لگی اور دل کے جذبات آنسو

بن کر پلکوں پر نمودار ہو گئے۔ فرمایا بیٹا قاسم تم میرے مرحوم بھائی کی نشانی اور یادگار ہو۔ بھائی مرحوم مجھے داغ مفارقت دے گئے اب ان کی یاد آنے پر تمہیں کو دیکھ کر میں تسلی حاصل کرتا ہوں۔ بھلا مجھے کب اور کس طرح یہ گوارا ہو سکتا ہے؟ کہ تم میرے سامنے خاک و خون میں تڑپتے ہوئے گلا کٹاؤ اور میں دیکھتا رہوں۔ بیٹا! میں اس صدمہ جانگاہ کو برداشت کرنے کی تاب و طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے میں تمہیں جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ لیکن جناب قاسم کی بے قراری اور گریہ وزاری دیکھ کر اور ان کے اصرار سے مجبور ہو کر بالآخر حضرت امام نے انہیں میدان جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت قاسم شوق شہادت میں اس قدر وارفتہ تھے کہ اجازت پاتے ہی خوشی سے اچھل پڑے اور جلدی جلدی جنگی لباس پہن کر اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پہلے خیمہ میں تشریف لے گئے اور سب اہل خیمہ کو آخری سلام کر کے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ مامتا کی ماری ماں، جاں چھڑکنے والی پھوپھی اور دلہن بننے کی آس لگانے والی منگیتر بی بی سکینہ نے دنیا سے سفر کرنے والے مسافر کا آخری دیدار کیا اور جوش غم سے سب کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں کہ اب چند منٹوں میں یہ نور کی تصویر خاک و خون میں مل جانے والی ہے۔

جب امام عالی مقام کو آخری سلام کر کے روانہ ہونے لگے تو حضرت امام نے آگے بڑھ کر نہایت گرمجوشی کے ساتھ بھتیجے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور دعائیں دے کر وداع فرمایا۔ جناب قاسم حضرت امام سے رخصت ہو کر جوش جہاد میں بھرے ہوئے گھوڑا دوڑا کر اشقیاء کی صفوں کے سامنے پہنچ گئے اور رجز کے چند اشعار پڑھ کر فرمایا کہ اے یزیدیو! اب جس کے سر پر موت سوار ہو وہ میرے سامنے آئے اور میری شمشیر آبدار کی اسد اللہی مار سے اپنے خون میں نہائے شہزادے کی اس ہاشمی للکار سے گروہ اشقیاء پر ایسی ہیبت سوار ہو گئی کہ باوجود بار بار کی پکار اور للکار کے کسی میں یہ جرأت و ہمت نہیں ہوئی کہ آپ کے سامنے آتا۔ ابن سعد نے جب یہ دیکھا کہ یزیدی لشکر میں سے کوئی بھی حضرت قاسم کے مقابلہ کے لئے نہیں نکلتا تو اس نے ازرق شامی سپہ سالار کو پکارا جو یزید کی طرف سے سالانہ دس ہزار دینار تنخواہ پاتا تھا۔ جب ازرق شامی ابن سعد کے پاس پہنچا تو ابن سعد نے کہا کہ اے ازرق! دیکھ بڑی دیر سے یہ نوجوان مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے۔ مگر ہمارے لشکر میں سے کسی کی بھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس کے چیلنج کا جواب

دے سکے۔اس لئے اب میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو ایک ہزار سوار لے کر اس کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکل پڑ۔ ازرق نے غضب ناک ہو کر کہا اے ابن سعد تجھے شرم نہیں آتی؟ کہ تو مجھ جیسے نامی گرامی پہلوان کو جس کی ہیبت سے مصر و شام کی زمین دہل رہی ہو ایک ایسے کمسن لڑکے سے لڑنے کے لئے بھیج رہا ہے جس کے منہ سے ماں کے دودھ کی بو آرہی ہے۔ اے ابن سعد! سارا مصر و شام جانتا ہے کہ میں اکیلا ایک ہزار بہادران نامدار کا مقابلہ کرتا ہوں کیا آج میں ایک بچے کے مقابلہ میں جا کر اپنی ناک کٹا دوں؟ اگر میں نے اس بچے کو قتل کر دیا جب بھی میں بدنام ہو جاؤں گا کہ میں نے ایک بچے سے جنگ کی۔ خدا کی قسم! اگر تو میرے جسم کے پرزے پرزے اڑا دے گا۔ جب بھی میں ایک بچے کے خون سے اپنی تلوار کو آلودہ نہیں کروں گا۔ ابن سعد نے کہا کہ اے ازرق! ارے تو کس گھمنڈ میں ہے؟ تو ان کی کمسنی اور نازک بدنی کو مت دیکھ۔ افسوس! تو انہیں پہچانتا نہیں کہ یہ کون ہیں؟ ارے یہ شیر دل حضرت امام حسن مجتبیٰ کے فرزند ارجمند اور فاتح خیبر علی حیدر کے پوتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر یہ بھوکے پیاسے نہ ہوتے تو یہ اکیلے ہی قہر الٰہی کی بجلی بن کر ہمارے پورے لشکر کے خرمن زندگی کو خاکستر بنا ڈالتے جب ابن سعد نے لگاتار اصرار سے ازرق شامی کو مجبور کر دیا تو اس نے کہا کہ اے ابن سعد! خواہ کچھ بھی ہو جائے مگر میں اس بچے سے تو نہیں لڑوں گا لیکن تیری خواہش ہے تو اس جنگ میں چار فرزند موجود ہیں جو شجاعت و دلاوری میں شہرۂ آفاق ہیں میں ان میں سے ایک کو بھیج دیتا ہوں۔ وہ چند منٹوں میں اس کا سر کاٹ کر لائے گا۔ چنانچہ ازرق کا ایک بیٹا صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر، اپنی قیمتی تلوار چمکاتا ہوں اور بادل کی طرح گرجتا اور ڈراتا ہوا میدان میں نکلا۔ حضرت قاسم نے اس کو آتا دیکھ کر نہایت بے خوفی کے ساتھ یہ فرمایا کہ افسوس! تیرے باپ کو تجھ پر رحم نہیں آیا؟ کہ تجھ کو میری تلوار کا لقمہ بننے کے لئے میدان میں بھیج دیا؟ اچھا آگے بڑھ۔ چنانچہ جیسے ہی وہ حملہ کے لئے آگے بڑھا۔ حضرت قاسم نے اپنا خنجر اس کے شکم میں جھونک دیا اور وہ اس زخم کی تاب نہ لا کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑا۔ پھر آپ نے نہایت ہی پھرتی اور چابک دستی کے ساتھ جھپٹ کر اس کی تلوار چھین لی اور اس کے لمبے لمبے بالوں کو پکڑ کر جو گھوڑا دوڑایا تو وہ گھسیٹتے گھسیٹتے مر گیا۔ پھر آپ نے اس کی لاش کو گھوڑے کی ٹاپوں سے روند کر اس کی ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا۔ ازرق کا دوسرا بیٹا اپنے بھائی کو اس طرح قتل ہوتا

دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا اور دیوانہ وار آگے بڑھ کر ایک دم جناب قاسم پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ حضرت قاسم نے مڑ کر ایسا پینترا بدلہ کہ دشمن کا وار خالی گیا اور آپ نے پلٹ کر اس کے پہلو میں ایسا نیزہ مارا کہ ادھر سے ادھر پار ہو گیا اور وہ وہیں گھوڑے سے گر کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر ازرق کا تیسرا بیٹا حملہ کے لئے جھپٹا۔ تو آپ نے اس کو بھی ایک نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔ اب ازرق کا چوتھا بیٹا اپنے تینوں بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے پاگلوں کی طرح تلوار گھماتا ہوا دوڑ پڑا اور منہ میں جھاگ بھر کر گالیاں دینے لگا۔ حضرت قاسم نے فرمایا کہ بدلگام! ہوش میں آ۔ عورتوں کی طرح گالیاں اور کوسنے دینا مردوں کی شان نہیں ہے۔ اگر جرأت ہے تو آگے بڑھ کر حملہ کر وہ کہنے لگا کہ قاسم! تم نے میرے تین بھائیوں کو قتل کر دیا۔ خدا کی قسم! جب تک میں تمہیں قتل کر کے اپنے بھائی کا بدلہ نہ لے لوں گا مجھے قرار نصیب نہیں ہو سکتا۔ حضرت قاسم نے ہنس کر فرمایا کہ مت گھبرا۔ میں تجھے قرار دینے اور تجھ کو تیرے بھائیوں کے پاس پہنچا دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ کہا اور تلوار کا ایک بھرپور جچا تلا ہاتھ مارا مغرور کا سیدھا ہاتھ کٹ کر دور جا پڑا اور وہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ آپ نے للکارتے ہوئے اس کا تعاقب فرمایا۔ مگر وہ اپنے لشکر میں جا گھسا اور زخم کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے گر پڑا اور مر گیا۔

ازرق اپنے چار ہونہار اور مشہور شہسوار بیٹوں کو اس طرح ذلت کے ساتھ قتل ہوتا دیکھ کر غیظ و غضب میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور منہ میں جھاگ بھر کر غصہ میں دانت پیستے ہوئے اور جھلاہٹ میں داڑھی کے بال نوچتے ہوئے گھوڑا کدا کر میدان میں نکل پڑا اور کہنے لگا کہ بچے! تم نے بچوں کو تو مار لیا لیکن اب تجھ کو مجھ سے پالا پڑا ہے۔ سنبھل جا! کہ اب تیری زندگی کے صرف چند ہی لمحات باقی رہ گئے ہیں۔ جناب قاسم نے حقارت کے ساتھ اس کو جواب دیا کہ ازرق! ذرا ہوش کی دوا کر۔ تو شامیوں کے لئے طاقت کا پہاڑ ہو گا ابھی تک تو نے ہاشمی کچھار کے شیروں کو نہیں دیکھا ہے۔ ہماری رگوں میں حیدر کرار کا خون ہے۔ ہماری نگاہ قہر و جلال کے سامنے تو ایک مکھی اور مچھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ازرق یہ خون کھولا دینے والا طعنہ سن کر اور بھی آگ بگولا ہو گیا اور نیزہ بازی شروع کر دی۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ برابر کی چوٹیں ہیں تو غضب ناک ہو کر تلوار نکال لی۔ حضرت قاسم نے بھی تلوار کھینچ لی اور آگے بڑھے تو ازرق نے آنکھیں پھاڑ کر غور سے دیکھا اور حیران ہو کر پوچھا کہ قاسم! یہ تلوار تو میرے لڑکے کی ہے یہ

تمہارے ہاتھ کہاں سے آ گئی؟ حضرت قاسم نے ہنس کر فرمایا کہ ہاں تیرا بیٹا اپنی یادگار کے طور پر یہ تلوار مجھے اس لئے دے گیا ہے تاکہ اسی سے میں تجھے موت کا ذائقہ چکھا کر تجھے تیرے بیٹوں کے پاس پہنچا دوں۔ ازرق یہ سن کر فرط غضب سے بپھر گیا اور جوں ہی حملہ کے لئے تلوار اٹھائی۔ حضرت قاسم نے فرمایا کہ ازرق! سنبھل۔ ہم تجھے بڑا تجربہ کار شہسوار سمجھتے تھے مگر تم تو بالکل ہی اناڑی ہو۔ تم کو اپنے گھوڑے کی پیٹی کا بھی دھیان نہیں کہ وہ ڈھیلی ہو چکی ہے؟ ازرق جلدی سے جھک کر گھوڑے کے تنگ کو دیکھنے لگا اتنے میں حضرت قاسم نے اس کی کمر پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور آپ اچھل کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ "یا عماہ العطش العطش" چچا جان! پیاس پیاس! امام تشنہ کام نے فرمایا کہ نور نظر! ذرا دیر اور صبر کرو۔ عنقریب تم نانا جان کے مقدس ہاتھوں سے جام کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ گے۔ چچا جان کا فرمان سن کر حضرت قاسم پھر میدان کی طرف پلٹ پڑے اور یہ دیکھا کہ ابن سعد قلب لشکر میں کھڑا ہو کر یزیدی فوجوں کی کمان کر رہا ہے۔ آپ نے سوچا کہ کیوں نہ اس خبیث کو قتل کر کے سرخرو ہو جاؤں چنانچہ برق خاطف کی طرح گھوڑا چمکا کر قلب لشکر میں پہنچ گئے مگر دشمنوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا اور چاروں طرف سے آپ پر نیزہ و تلوار کی بوچھاڑ شروع کر دی یہاں تک کہ 27 زخم کھا کر آپ نڈھال ہو گئے اور گھوڑے سے گر پڑے۔ شیبت بن سعد منحوس نے آپ کے سینہ پر ایک نیزہ مارا اس وقت آپ نے "یا عماہ ادرکنی" فرمایا۔ یعنی اے چچا جان! میری خبر گیری فرمایئے۔ حضرت امام بھتیجے کی دردناک پکار سن کر دوڑ پڑے اور دیکھا کہ پیکر نور خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہے امام نے مقدس لاش کو انتہائی محبت سے گود میں رکھ لیا اور چہرہ پر نور سے خاک و خون کے دھبوں کو صاف کرنے لگے۔ اتنے میں قاسم جانباز نے آنکھیں کھول دیں اور اپنا سر امام کی آغوش رحمت میں دیکھ کر فرط مسرت سے مسکرائے اور ایک دم اپنی نقد جان خلاق ہر دو جہاں کے نام پر قربان کر کے دارالجناں کے مہمان بن گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

برادران ملت!

اسی طرح حضرت قاسم کے تینوں بھائی عبداللہ بن حسن اور عمر بن حسن اور ابوبکر بن

حسن بھی انتہائی جانبازی کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے!

حضرت عباس بن علی:۔ برادران ملت! اب وہ وقت آ گیا کہ اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند جناب عباس علمدار حضرت امام سے میدان کارزار کی اجازت طلب کر رہے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ بھائی جان! سب بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں نے بھوکے پیاسے جام شہادت نوش کر لیا۔ لیکن اب ننھے ننھے بچوں کا پیاس سے تڑپنا اور ان کا بلکنا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ للہ! اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی جان پر کھیل کر ایک مشک پانی لاؤں اور ان پیاسوں کو سیراب کروں۔ حضرت امام زار زار رونے لگے اور فرمایا کہ بھائی عباس میرے علمدار تم ہی ہو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارے بعد میرا علم کون اٹھائے گا؟ اور قلب مجروح پر مرہم کون لگائے گا؟ حضرت عباس نے روتے ہوئے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! میری جان آپ پر قربان۔ خدا کی قسم! اب زندگی میں کوئی مزا باقی نہیں رہا یہ سر گردن پر ایک بار گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور میں دنیا سے بالکل تنگ آ چکا ہوں۔ بس اب میری آخری تمنا ہی ہے کہ ساقی کوثر کے دلاروں کو چند گھونٹ دریائے فرات کا پانی پلا کر میں بھی جلد سے جلد بھائیوں اور بھتیجوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ حضرت عباس کے اصرار سے مجبور ہو کر حضرت امام نے اجازت دے دی۔

حضرات! جناب عباس بہت طاقتور بہادر اور انتہائی تجربہ کار شہسوار تھے اور کیوں نہ ہو؟ کہ آپ حیدر کرار کی قوت بازو کے وارث نامدار تھے۔ جس وقت آپ ایک مشک کاندھے پر لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور مصری تلوار چمکاتے ہوئے رزم گاہ میں تشریف لائے تو سرزمین کربلا کا ذرہ ذرہ پکار اٹھا ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے   رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے   ہر قصر سلاطین زمین کانپ رہا ہے

شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبرائیل اتر آئے سمیٹے ہوئے پر کو

کیا شان ہے؟ اللہ رے ضیاء رخ انور   کیا نور ہے جس نور سے ڈھالیں تھیں منور
بس دامن صحرا پہ گری نور کی چادر   جن آنکھیں بچھانے لگے ہر ایک قدم پر

دکھلائی جوانی کی چلن جب کبھی رک کر
سینہ سے لگایا فلک پیر نے جھک کر

میدان میں آکر آپ نے اپنی گرجدار آواز سے فرمایا کہ اے کوفیان بے وفا اور اے شامیان پر دغا! تم لوگوں نے جگر گوشہ رسول و فرزند بتول کو ڈیڑھ سو عرضیاں بھیج کر مہمان بلایا اور جب وہ مقدس مہمان سفر کی مشقتیں برداشت کر کے تمہاری زمین میں رونق افروز ہوئے تو

مسافروں کو نہ دی ایک بوند پانی کی
بلا کے گھر میں غرض خوب مہمانی کی

اے ظالمو! میں اب بھی کہتا ہوں کہ تم لوگ حضرت امام کے خون ناحق سے باز آجاؤ اور ساقی کوثر کے پیارے بچوں کو اس طرح پیاس سے نہ تڑپاؤ۔ تم لوگ نواسہ رسول اور گلشن فاطمہ کے سب سے ننھے اور نازک پھول یعنی علی اصغر کی پیاس پر رحم کھاؤ کہ وہ نور کی صورت اور حسن و جمال کا نرم و نازک پیکر پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر بھوکی پیاسی ماں کی گود میں دم توڑ رہا ہے۔ کم از کم اتنا پانی تو دے دو کہ گلشن نبوت کا یہ ننھا پودا تو سیراب ہو جائے۔

حضرات گرامی! بے رحم کوفیوں اور شامیوں کے سینوں کے دل کی جگہ شاید پتھر کا کوئی ٹکڑا تھا کہ جناب عباس کی تقریر سن کر ذرا بھی انہیں رحم نہیں آیا۔ بلکہ ابن سعد اور شمر و شیث چلا چلا کر کہنے لگا کہ اے عباس! جب تک حسین بن علی یزید کی بیعت نہ کریں گے خدا کی قسم! ہم ہرگز ہرگز ان کے خیمہ میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں جانے دیں گے۔ بلکہ اسی طرح اہل بیت کے ایک ایک بچے کو بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالیں گے حضرت عباس دشمنوں کا یہ ظالمانہ جواب سن کر جوش جہاد میں بے خود ہو گئے اور گھوڑا چمکا کر بجلی کی طرح خنجر آبدار اور چمکتی تلوار دھواں دھار چلاتے ہوئے اور گروہ اشقیاء کو موت کی آغوش میں سلاتے ہوئے آگے بڑھے۔ ابن سعد نے جب آپ کو آتے دیکھا تو گھبرا کے چلانے لگا کہ خبردار! میرے سپاہیو! بہت ہی چاک و چوبند اور ہوشیار رہنا۔ اس لئے کہ

آتا ہے خبردار! اب عباس علم دار — ناگاہ زمین رن کی ہوئی مطلع انوار
ہر چار طرف سے یہ اٹھا غلغلہ اک بار — ہوشیار، خبردار، خبردار، خبردار

اے صلی علیٰ کیا پسر شیر خدا ہے
یہ شیر خدا گر نہیں، شمشیر خدا ہے

صحرا ہوا پر نور زہے طلعت عباس   لرزہ ہے دلیروں میں زہے ہیبت عباس
ملتا ہے مزہ دل کو زہے صورت عباس   کیا حسن ہے؟ کیا جاہ؟ زہے شوکت عباس

بازوئے حسین آتا ہے شمشیر زنی کو
یا شیر خدا آتے ہیں، خیبر شکنی کو

الغرض عباس علمدار اپنے صبار فتار گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنان ستم شعار کی صفوں کے سامنے سینہ تان کر مجاہدانہ شان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور نیزہ ہلا ہلا کر فرمانے لگے

اعداء کو سنا کر کہا کون آتا ہے؟ دیکھیں   نیزہ کو ہلا کر کہا، کون آتا ہے دیکھیں
تیروں کو ملا کر کہا، کون آتا ہے؟ دیکھیں   شمشیر دکھا کر کہا، کون آتا ہے دیکھیں

ہم شیر ہیں، ہم کو کوئی للکار سکے گا
تلواریں تو کیسی؟ کوئی دم مار سکے گا

ہاں مجھ کو رکھو یاد، میں حیدر کا پسر ہوں   اور باغ نبوت کے شجر کا میں ثمر ہوں
میں دیدہ ہمت کے لئے نور نظر ہوں   پیاسا ہوں مگر ساقی کوثر کا پسر ہوں!

واللہ! میری ضرب طمانچہ ہے بلا کا
دلبند ہوں میں شیر خدا شیر خدا کا

ہوشیار ہو! میں فاتح خیبر کا پسر ہوں   سقائے حرم ساقی کوثر کا پسر ہوں
میں شیر خدا قاتل عنتر کا پسر ہوں   عباس مرا نام ہے حیدر کا پسر ہوں

پانی کے لئے آتا ہوں، تم روک تو دیکھو
شیروں کی لڑائی ہے ذرا ٹوک تو دیکھو

حضرت عباس نے یہ کہا اور گھوڑا دوڑا کر دشمنوں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے ہوئے اس زور شور سے آگے بڑھے کہ گرد و غبار کے بادل میں یزیدی لشکر کا دل بادل درہم برہم ہو گیا اور باوجودیکہ دشمنان کو رباطن چرخ شجاعت کے اس روشن ستارہ کو چاروں طرف سے بادلوں کی طرح گھیر کر نیزہ تلوار کا مینہ برسا رہے تھے مگر پھر بھی یہ حیدر کرار کی گود کا پالا شہسوار کئی ہزار

پیادہ وسوار کو مارتے کاٹتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے پہنچ گیا اور مشک کو پانی سے بھر لیا اس زبردست حملہ آور دھاڑ کی وجہ سے آپ پر بے انتہا پیاس کا غلبہ ہو گیا۔ چنانچہ شدت تشنگی سے بے تاب ہو کر آپ نے چلو بھر پانی ہاتھ میں لے کر چاہا کہ پی لیں تاکہ تازہ دم ہو کر اعداء سے لڑتے ہوئے پانی کی مشک خیمہ اہل بیت میں پہنچادیں مگر جوں ہی پانی منہ کے قریب لے گئے۔ عابد بیمار اور علی اصغر کی شیر خوار کی پیاس یاد آگئی۔ آپ کی غیرت ایمانی نے یہ قبول نہیں کیا کہ ساقی کوثر کے بیٹے تو پیاس سے تڑپتے رہیں اور میں پانی سے سیر اب ہو جاؤں۔ چنانچہ فوراً ہی آپ نے چلو کا پانی پھینک دیا اور فرمایا کہ اے دریائے فرات! گواہ رہنا کہ تیرا ایک ایک قطرہ اس وقت تک مجھ پر حرام ہے جب تک کہ میں ساقی کوثر کے دلاروں کو بھر بھر پیٹ پانی نہ پلا لوں۔ یہ کہا اور مشک کو داہنے کاندھے پر لٹکا کر خیمہ کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ ابن سعد نے اپنے لشکر کو للکار کر کہا کہ خبردار۔ ہوشیار اگر یہ مشک خیمہ اہل بیت میں پہنچ گئی اور شیر خدا کے شیروں کو پانی مل گیا تو تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہے گا جس کے بچے یتیم اور جس کی بیویاں بیوہ نہ ہو جائیں۔ یہ سنتے ہی سپاہ شام نے عباس تشنہ کام کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور تیر و تلوار کی بارش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ نوفل مردود نے پیچھے سے دھوکا دے کر ایسی تلوار چلائی کہ آپ کا داہنا بازو شہید ہو گیا اور آپ نے جھپٹ کر بائیں کاندھے پر مشک لٹکائی۔ پھر کسی ستم شعار نے ایسی تلوار ماری کہ آپ کا بایاں بازو بھی کٹ کر دور زمین پر گر پڑا۔ جب دونوں بازو کٹ گئے تو آپ نے جھک کر مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا اور گھوڑے کی رکاب سے دشمنوں کو ٹھوکر مارتے ہوئے خیمہ کی طرف بڑھتے چلے جارہے تھے کہ ناگہاں کسی ظالم نے ایسا تاک کر مشک پر تیر مارا کہ مشک میں سوراخ ہو گیا اور پانی گرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ جب خیمہ کے پاس پہنچے تو مشک میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں تھا اور جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ نڈھال ہو کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑے اور آخری وقت میں یہ کہہ کر حضرت امام کو پکارا کہ یا اخاہ ادرك اخاك یعنی اے بھائی جان! اپنے بھائی کی خبر لیجئے۔ حضرت امام اس آواز پر بے تابانہ دوڑ کر پہنچے تو کیا دیکھا؟ عباس علمدار خون میں نہائے ہوئے بہشت بریں کا سرخرو ستارہ بننے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت امام نے اس زور سے آہ کھینچی کہ کربلا کی زمین شدت غم سے دہل گئی اور آپ کو اپنی آغوش رحمت میں اٹھا کر خیمہ اطہر میں لائے اور زبان

مبارک پر غم میں ڈوبے ہوئے یہ کلمات تھے:۔

اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَھْرِیْ وَقَلَّتْ حِیْلَتِیْ.

یعنی اب میری کمر ٹوٹ گئی اور میرا کوئی سہارا نہ رہا۔

پھر آپ روتے ہوئے حضرت عباس کے خون آلود چہرے پر اپنا منہ رکھ کر اے بھائی اے بھائی کہہ کر پکارنے لگے۔

چلائے گر کے لاش پہ شبیر نامدار بھائی تمہاری نرگسی آنکھوں پہ میں نثار
اس نرغے میں بھی تھا تمہیں بھائی کا انتظار آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو مجھ کو بار بار

شاید زباں ہے بند جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

بے تاب ہے حسین، برادر! جواب دو اے میرے نوجوان، مرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبط پیمبر جواب دو اے نور چشم ساقی کوثر جواب دو

لکنت زبان خشک کو ہے، تشنہ کام ہیں
بھائی تمہارے سر کی قسم! ہم تمام ہیں

یہ بات سن کے نزع میں عباس تھر تھرائے قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پر بہہ کے آئے
دو بار سر پٹک کے پکارے کہ ہائے ہائے پرخون دہن حسین کے قدموں کے پاس لائے

ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا!
سر پاؤں پر دھرا رہا، اور دم نکل گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرات! اسی طرح حضرت عباس کے دوسرے بھائی یعنی عثمان بن علی و عبداللہ بن علی و محمد بن علی و جعفر بن علی سب یکے بعد دیگرے نہایت ہی جوش جہاد کے ساتھ لڑتے ہوئے راہ حق میں اپنا گلا کٹا کر شہید ہو گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

حضرت علی اکبر:۔ حضرات گرامی! اب امام کے سامنے آپ کے نور نظر حضرت علی اکبر حاضر ہیں اور میدان جنگ کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اللہ اکبر! عجیب وقت ہے کہ چہیتا بیٹا شفیق باپ سے سر کٹانے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔

اگر تو صاحب اولاد ہو گا
تجھے اولاد کا غم یاد ہو گا

عزیزان ملت!

در حقیقت حضرت امام کے لئے بڑے امتحان کا وقت تھا۔ اٹھارہ برس کا جوان بیٹا، بڑھاپے کا سہارا پیری کا عصا۔ اجازت دیں تو کس قلب و جگر سے؟ اور انہیں اجازت دیتے تو گلشن رسالت کا گل شاداب رنج و غم سے کملایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس آرزو مند شہادت کو شوق جہاد نے اس قدر وارفتہ بنا دیا تھا کہ اگر حضرت امام ان کو میدان جنگ میں جانے سے روک دیتے تو صدمات سے ان کے سینے میں شیشہ دل پاش پاش ہو جاتا۔ چار و ناچار حضرت امام کو اجازت دینی ہی پڑی۔

حضرات! حضرت علی اکبر کا لقب "شبیہ پیمبر" ہے۔ یعنی ان کی شکل و صورت اور چہرے کا نقشہ ہو بہو جمال مصطفیٰ علیہ کا آئینہ تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب دیدار محمدی کا شوق بے تاب کرتا تھا تو وہ دور دور سے سفر کر کے مدینہ منورہ آتے تھے اور علی اکبر کے چہرہ انور کا جمال دیکھ کر ان کے دلوں کو تسلی حاصل ہو جاتی تھی یہ نور کا پیکر اور تنویر مصطفیٰ کا مرقع، جس کے جمال صورت پر ہزاروں رعنائیاں تصدق اور جس کے قدموں پر نوجوانی کی لاکھوں بہاریں قربان ہو رہی تھیں، جس وقت میدان جنگ کا ارادہ کر کے روانہ ہونے لگا تو حضرت امام خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور تبرکات کا صندوق کھول کر بہترین تبرکات جو محفوظ تھے نکال کر لائے اور عروس شہادت کی گود میں قیامت تک سونے والے دولہا کو ان مقدس تبرکات سے آراستہ فرمادیا اور اپنے شہزادہ علی اکبر کو اس شان سے میدان میں بھیجا۔

قبائے رحمت عالم پہنائی جسم اطہر پر شہ خیبر کے پٹکے سے کمر باندھی گئی کس کر
سر انور پہ رکھا خود، اپنی زرہ پہنائی بڑھائی جوش و چار آئینہ سے شان رعنائی
سجائے دست و بازو نیزہ و شمشیر و خنجر سے
دعا مانگی اٹھا کر دست رحمت رب اکبر سے

الٰہی! یہ میرا لخت جگر ہے راحت جاں ہے یہ تیری راہ میں سو جاں سے اب ہونے کو قرباں ہے
خداوند جہاں! مقبول فرما میری قربانی عطا کر صبر اس کو جب ہو اس پر تیر بارانی

دعائیں دیں کہا نور نظر! جاؤ خدا حافظ

راہ حق میں عدو سے جنگ فرماؤ! خدا حافظ

غرض مقدس باپ کی پیاری پیاری دعاؤں سے دامن بھر کر یہ اسد اللہی شیر میدان میں آیا اور ذوالفقار حیدری چمکا کر مجاہدانہ لہجے میں رجز کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

اَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنِ بْنِ عَلِی

نَحْنُ اَھلِ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِیْ

یعنی اے گروہ اشقیاء! تم مجھے جان لو اور پہچان لو کہ میرا نام علی اکبر ہے اور میں امام حسین کا بیٹا ہوں اور امام حسین فاتح خیبر، علی حیدر کے نور نظر ہیں اور یاد رکھو کہ ہم "اہل بیت" ہیں اور سن لو کہ خدا کے اس آسمان کے نیچے اور خدا کی اس زمین کے اوپر خدا کے نبی کا ہم سے زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی نہیں ہے۔

شہزادہ نے جس وقت یہ رجز پڑھی تو آپ کی مجاہدانہ ہیبت سے ریگستان کربلا کا ذرہ ذرہ کانپ اٹھا اور کور باطن یزیدیوں کو جب شبیہ پیمبر علی اکبر کے چہرۂ انور پر جمال مصطفیٰ کی تجلیاں نظر پڑیں تو وہ محو حیرت بن کر ابن سعد سے پوچھنے لگے کہ یہ کون سوار آ گیا؟ جس کے حسن و جمال کی تجلیاں نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ ابن سعد نے کہا کہ یہ امام حسین کے فرزند ہیں جو جمال صورت میں ہم شکل مصطفیٰ اور جمال سیرت میں وارث علی مرتضیٰ ہیں۔ یہ سن کر یزیدی فوج میں ایک سناٹا چھا گیا اور ان کے ضمیر کی آواز نے انہیں جھنجھوڑ کہ اللہ اکبر! تنویر مصطفیٰ کی نورانی تصویر پر کون تلوار اٹھانے کی جرأت کر سکتا ہے؟ لیکن یزید پلید کے انعام و اکرام کی طمع کا بھوت ان کے سروں پر سوار تھا اور دنیا کی حرص نے انہیں اس قدر اندھا بنا دیا کہ وہ اہل بیت کی قدر و منزلت اور اپنے کرتوت کی شامت و نحوست کو جانتے ہوئے بھی اپنی شقاوت سے باز نہیں آئے۔ اور آل رسول کے خون ناحق کا نہ مٹنے والا دھبہ اپنی پیشانیوں پر لگا کر دونوں جہان کی روسیاہی میں گرفتار اور قہر قہار و غضب جبار کے سزاوار بنے! بہر کیف علی اکبر نے اعداء کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر ایک نعرہ مارا اور فرمایا کہ اے ستمگارو! اگر تمہیں آل رسول کے خون کی پیاس ہے تو تم میں جو سب سے زیادہ بہادر ہو اس کو میدان میں بھیجو اور تم کو زور بازوئے حیدر دیکھنا ہو تو میرے سامنے آؤ۔ شہزادۂ عالی وقار کی مجاہدانہ للکار سن کر لشکر اشرار سہم گیا اور

کسی میں بھی یہ ہمت و جرأت نہیں ہوئی کہ ذوالفقار حیدری کا سامنا کرتا۔ جب بار بار کی للکار کے باوجود کوئی خونخوار آگے نہیں بڑھا تو آپ نے فوراً گھوڑا کدا کر دشمنوں کی صفوں پر حملہ کر دیا اور جس طرف رخ کیا ستمگاروں کا آہنی لشکر کائی کی طرح پھٹتا چلا گیا ایک ایک وار میں کئی کئی دیو پیکر خونخواروں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر زمین پر ڈال دیا۔ کبھی لشکر کے میمنہ پر قہر الٰہی کی بجلی گرائی تو خوف و ہراس سے دلاروں کا لشکر زیر و زبر ہو گیا اور کبھی پلٹ کر فوج کے میسرہ پر عقاب کی طرح جھپٹے تو بہادروں کی صفوں کو درہم برہم کر ڈالا اور کبھی قلب لشکر میں غوطہ لگا کر نیزہ کی ضرب اور تلوار کی مار کا جوہر دکھایا تو گردن کشوں کے سر موسم خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ کر گرنے لگے۔ ہر طرف ایک شور برپا ہو گیا اور بڑے بڑے سورماؤں کے اوسان خطا اور بڑے بڑے جنگجو بہادروں کی ہمتیں شکستہ اور حوصلے پست ہو گئے۔ شیر حق کا حملہ نہ تھا بلکہ قہر الٰہی کا ایک عذاب عظیم تھا جو ان کے سروں پر برق خاطف بن کر مسلط ہو گیا تھا۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور کربلا کی زمین کو ظالموں کے خون سے رنگین بنا ڈالا۔ لیکن تیز دھوپ تپتا ہوا ریگستان، جھلسا دینے والی گرم گرم لو کے تھپیڑے میں دوڑ دھوپ اور حملوں کی شدت نے اس مجاہد جانباز کو پیاس سے بے قرار کر دیا۔ چنانچہ آپ پلٹ کر حضرت امام کی خدمت میں آئے اور مہربان باپ کو اپنی خشک زبان دکھا کر عرض کیا "یَا اَبَتَاہُ الْعَطَش" یعنی ابا جان! پیاس کا غلبہ ہے مگر یہاں پانی کہاں تھا؟ جو اس تشنہ شہادت کو سیراب کیا جاتا۔ شفیق باپ نے اپنی انگشتری عنایت فرمائی اور کہا کہ بیٹا! اس کو منہ میں رکھ لو۔ مقدس باپ کی مشفقانہ تسلی سے کچھ تسکین ہوئی تو پھر رزمگاہ کا رخ کیا اور فرمایا کہ اے گروہ اشرار! جس کے سر پر موت سوار ہو وہ میرے سامنے آئے اور ذوالفقار کی مار کا مزہ چکھ لے۔ آپ نے کئی بار للکار کر مبارز طلب فرمایا۔ مگر کسی بہادر کا قدم آگے نہیں بڑھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بھوکے شیر کے سامنے بکریوں کا ایک گلہ ہے جو جان کے خوف سے دم بخود اور لرزہ براندام ہے۔

یہ منظر دیکھ کر ابن سعد نے طارق پہلوان سے کہا کہ اے طارق! بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک اکیلا ہاشمی نوجوان میدان میں تم ہزاروں کو للکار رہا ہے۔ مگر تم میں کوئی بھی ایسا غیرت مند نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کرے۔ اے طارق! اگر تو آگے بڑھ کر اس نوجوان کا سر کاٹ لے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے عبداللہ بن زیاد سے موصل کی گورنری کا پروانہ دلا دوں گا۔ دنیا کا کتا

طارق گورنری کے لالچ میں فرزند رسول کا خون بہانے کے لئے دوڑ پڑا اور نیزہ تان کر حضرت علی اکبر پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ مگر اسد اللہی شجاعت کے وارث نے کمال ہنر مندی سے دشمن کے وار کو رد کر دیا اور خود آگے بڑھ کر طارق کے سینے میں ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پیٹھ سے پار ہو گیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے گرا اور گرتے ہی مر گیا اور شہزادہ نے اپنے گھوڑے کی ٹاپ سے اس کی لاش کو روند کر اس کی ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا۔ طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے اپنے باپ کو اس ذلت کے ساتھ قتل ہوتے دیکھا تو اس پر خون سوار ہو گیا اور وہ غصہ میں آگ بگولا ہو کر جھلایا ہوا آگے بڑھا اور مجنونوں کی طرح حضرت علی اکبر پر حملہ کرنے لگا مگر آپ نے ایک ہی نیزہ کی مار سے اس کو بھی اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق باپ اور بھائی کا انتقام لینے کے لئے شعلہ جوالہ کی طرح اچھلتا کودتا تلوار لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور حضرت علی اکبر پر چڑھ دوڑا۔ مگر آپ نے اس کا پٹکا پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گھوڑے سے گرنے لگا پھر آپ نے اس کو اس زور سے زمین پر پٹکا کہ اس کا دم نکل گیا اور حضرت علی اکبر کی ہیبت حیدری سے یزیدی لشکر میں زلزلہ آگیا۔ ابن سعد نے غصہ میں آکر مصراع بن غالب کو حملہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ نہایت ہی متکبرانہ انداز میں نیزہ ہلاتا ہوا آپ کی طرف بڑھا اور جیسے اس نے نیزہ تانا آپ نے نیزہ پر ایسی تلوار ماری کہ اس کا نیزہ قلم ہو گیا۔ اور پھر اس کے سر پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا سر دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ ابن سعد نے جب یہ دیکھا کہ اب کسی بہادر میں اس شیر حق کے مقابلہ کی تاب و ہمت نہیں ہے تو اس نے ایک بہادر پہلوان کو حکم دیا کہ وہ ایک ہزار سواروں کو ساتھ لے کر پہلے ان کا محاصرہ کرے پھر دور سے تیروں کی بارش کی جائے اور جب یہ شیر خدا کا شیر زخمی ہو کر مضمحل ہو جائے تو اس کو نیزوں سے چھید کر تلوار سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ستم شعاروں نے یکبارگی چاروں طرف سے گھیر اڈال کر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چکنا چور ہو کر چمن فاطمہ کا یہ غنچہ حسین اپنے خون میں نہا کر رنگین ہو گیا اور ابن نمیر نے آپ کے سینہ انور پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر تشریف لائے اور شفیق باپ کو پکارا "یَا اَبَتَاہُ اَدْرِکْنِی" ابا جان اپنے نور نظر کو سنبھالئے۔ شہزادہ کی پکار پر حضرت امام بے تابانہ گھوڑا دوڑا کر میدان میں پہنچے اور آپ کو اٹھا کر خیمہ میں لائے اور شبیہ پیمبر کے چہرۂ انور سے خون آلود غبار

اپنے دامن اطہر سے صاف کرنے لگے۔ اتنے میں علی اکبر نے آنکھیں کھول دیں اور آخری بار حضرت امام کا دیدار کر کے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور بہشت بریں کو روانہ ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت امام نے بادیدۂ تر لخت جگر کی لاش کو فرش زمین پر لیٹا کر زبان حال سے یہ فرمایا

جب خاک پر لٹا چکے لاش پسر امام　　تا دیر روئے پھر یہ زمین سے کیا کلام
میں ابن بوتراب ہوں مظلوم و تشنہ کام　　اور ہے یہ میرا لخت جگر بدر لالہ فام
ایذاء نہ دیجیو کہ مرا گلعذار ہے!
برچھی کے پھل سے اس کا کلیجہ فگار ہے

حسرت زدہ جہاں سے اٹھا ہے یہ مہ جبین　　سن سن کے اس کا واقعہ روئیں گے مومنین
تیغوں سے پاش پاش ہے سب جسم نازنین　　رکھ اس کو احتیاط سے دامن میں اے زمین
اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسین کی
اب ہے ترے سپرد امانت حسین کی

حضرت علی اصغر:۔ حضرات گرامی! ابھی امام عالی مقام علی اکبر کی لاش مبارک کو زمین پر لٹا کر اٹھے ہی تھے کہ حضرت امام کی بہن حضرت بی بی زینب حضرت امام کے شیر خوار بچے علی اصغر کو گود میں لئے ہوئے تشریف لائیں اور کہنے لگیں گے کہ بھائی حسین! اب ہم سے علی اصغر کی پیاس دیکھی نہیں جاتی بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے اور یہ شیر خوار بچہ پیاس سے بے تاب اور تشنگی کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہے۔ پھول جیسا حسین و رنگین چہرہ بھوک پیاس اور تپش سے مرجھا گیا ہے اور اس کے پتلے پتلے گلابی رنگ کے ہونٹ جس کی نزاکت و رنگینی پر گلاب کی کلیاں قربان ہوتی تھیں۔ پیاس کی شدت سے کالے پڑ گئے ہیں اس کا رونا بلکنا اور تڑپنا مچلنا دیکھنے کی اب ہمارے اندر تاب نہیں ہے۔ اس لئے بھائی جان! میری یہ رائے ہے کہ آپ اس ننھی سی جان کو میدان میں لے جا کر ستمگاروں کو دکھایئے۔ شاید ان سنگ دلوں کو اس بچے کی پیاس پر رحم آجائے اور وہ چند گھونٹ اس بچے کو پانی پلا دیں۔

بہن کے اصرار سے مجبور ہو کر امام عالی مقام اپنے نور نظر علی اصغر کو اپنی گود میں اٹھا کہ سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے کہ اے میرے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والو! میں اپنے تمام

شہزادگان اہل بیت کو تو تمہاری بے رحمی اور جور و جفا کی نذر کر چکا اب یہ میرا سب سے چھوٹا بچہ ہے جو گلشن رسول کا سب سے ننھا پودا ہے جو پیاس کی شدت سے دم توڑ رہا ہے۔ میرا یہ بے زبان بچہ اس نے اب تک کسی سے کوئی سوال نہیں کیا ہے۔ مگر آج یہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو تمہاری طرف پھیلا کر تم سے دریائے فرات کے چند گھونٹ پانی طلب کر رہا ہے اگر تمہارے دشمن ہیں تو ہم ہیں۔ تم ہمیں پانی مت دو۔ مگر اس نور کی تصویر اور حسن کی موت کی پیاس پر رحم کھاؤ اور خدا کے لئے تم میرے لال اور چمن فاطمہ کے نونہال کو چند گھونٹ دریائے فرات کا پانی پلا دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میدان محشر میں تمہیں اپنے نانا جان کے ہاتھ سے بھر بھر پیٹ کوثر و سلسبیل کا جام پلا دوں گا۔

برادران ملت!

ابھی حضرت امام کی دل دہلا دینے والی تقریر جاری ہی تھی کہ حرملہ بن کامل مردود نے زہر کا بجھایا ہوا تیر ایسا نشانہ باندھ کر مارا کہ علی اصغر کے خشک حلقوم کو چھیدتا ہوا حضرت امام کے بازو میں چبھ گیا۔ حضرت امام نے تیر کھینچ کر نکالا تو خون کا فوارہ علی اصغر کے گلے سے ابلنے لگا۔ پیاسے بچے نے فوراً ہی دم توڑ دیا اور ننھی سی لاش خون میں نہا گئی۔ حضرت امام نے حسرت بھری نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور ننھے شہید کی لاش کو اپنے کلیجے سے چمٹائے اور چادر میں چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ خیمہ کے دروازے پر حضرت امام کی بہن دوسری پردہ نشینیاں اہل بیت کے ساتھ امام کی آمد کا انتظار کر رہی تھیں۔ امام کو دور سے آتا دیکھ کر حضرت بی بی زینب حضرت بی بی سکینہ سے کہنے لگیں کہ بیٹی سکینہ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید علی اصغر کو پانی مل گیا اور پیاسا بچہ پانی سے سیراب ہو کر باپ کی گود میں سو گیا ہے۔ کیونکہ جب بچہ جا رہا تھا تو پیاس سے تڑپتا اور مچلتا ہوا گیا تھا۔ لیکن اب ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا۔ اور بڑے سکون سے باپ کی گود میں سوتا چلا آ رہا ہے۔ لیکن حضرت امام نے جب خیمہ میں پہنچ کر خون میں نہائی ہوئی ننھے شہید کی لاش کو چادر میں سے نکالا تو یہ منظر دیکھ کر مستورات حرم کی چیخ نکل گئی۔

پھر وہاں سے جو لاشہ لئے ہوئے شبیر   کھڑی تھیں ڈیوڑھی پہ اور رو رہی تھیں سب دیگر
قریب آ کے یہ بولے حسین پر تنویر   سدھارے اصغر بے شیر کھا کے حلق پہ تیر

تمہارا ماہ لقا، خون میں بھر گیا بانو!
تڑپ کے گود میں مرحوم، مر گیا بانو

حضرت امام نے ننھی سی لاش کو بہن کی گود میں دیا اور فرمایا کہ بہن زینب! صبر کرو اور شکر ادا کرو کہ خدا نے ہماری یہ سب سے چھوٹی قربانی بھی قبول فرمالی اور بہن زینب خدا کا سجدۂ شکر ادا کرو کہ مجاہدین کربلا کا سب سے ننھا سپاہی بھی اپنے خون کا آخری قطرہ راہ حق میں قربان کر کے دونوں جہان میں سرخرو ہو گیا۔ حضرت بی بی زینب نے علی اصغر کی لاش کو گود میں لیا اور کہنے لگیں کہ ہائے! میں اب اس کو کس طرح اس کی ماں کے پاس لے کر جاؤں؟ میں تو اس کو ابھی ابھی اس کی ماں سے یہ کہہ کر لائی تھی کہ میں تیرے بچے کو پانی پلانے کے لئے لے جارہی ہوں۔ حضرت زینب نے جس وقت ماں کی گود میں علی اصغر کی لاش کو دیا تو ماں نے ہائے میرا لال! کہہ کر لاش کو اپنے کلیجے سے لگا لیا اور روتے ہوئے کہا کہ بیٹا! ایک مرتبہ اور اپنی ماں کے سوکھے ہوئے پستان میں منہ لگالو۔ کیونکہ اب تم کو اپنے سینے سے لگانا مجھے کبھی نصیب نہیں ہو گا۔ ہائے افسوس!۔

کھل کے گل کچھ تو بہار جاں فزاد کھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

امام عالی مقام کی شہادت

ساعت آہ و بکاؤ بے قراری آ گئی ۔ سید مظلوم کی رن میں سواری آ گئی
ساتھ والے، بھائی بیٹے ہو چکے سب شہید ۔ اب امام بیکس و تنہا کی باری آ گئی!

حضرات! اب یہ وقت آ گیا ہے کہ تمام احباب اور جوانان اہل بیت شہید ہو چکے ہیں۔ حضرت امام عالی مقام اور ان کے ایک فرزند امام زین العابدین باقی رہ گئے ہیں جو بستر بیماری پر انتہائی ضعف و نقاہت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب حضرت امام نے تنہا جنگ میں جانے کا عزم فرمایا تو حضرت زین العابدین اپنی بیماری اور ناتوانی کے باوجود مجاہدانہ عزم کے ساتھ ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ اباجان! پہلے مجھے سر کٹانے کی اجازت دیجئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ بیٹا! میں تمہیں ہرگز کبھی میدان جنگ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ تمہارے سوا اب اہل بیت کی

ان مستورات کا کوئی محرم باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ان بیکسان غریب الوطن کو وطن تک کون پہنچائے گا اور ان کی نگہداشت اور خبر گیری کون کرے گا؟ میرے جد و پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں وہ کس کو سپرد کی جائیں گی؟ میری نسل اور حسینی سیدوں کا سلسلہ کس سے چلے گا؟ میرے بعد میرا جانشین تمہارے سوا اب کون ہو گا؟ بیٹا زین العابدین! یہ ساری امیدیں تمہاری ذات سے وابستہ ہیں لہٰذا اے جان پدر! تم ہرگز ہرگز میدان جنگ کا قصد نہ کرو اور دیکھو ضعف و ناتوانی سے تمہارے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ لہٰذا تم بستر پر لیٹ جاؤ۔ پھر آپ امام نے حضرت زین العابدین کو بہت سی وصیتیں فرمائی اور اپنے سینے کے باطنی علوم و اسرار سے انہیں سر فراز و فیض یاب فرما کر اپنا جانشین بنایا اور خود اس شان سے میدان کا قصد فرمایا کہ مصری قبا زیب تن فرمائی اور تبرکات میں سے حضور رحمت عالم ﷺ کا مقدس عمامہ سر پر باندھا اور حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی ڈھال پشت پر رکھی اور حیدر کرار کی تلوار ذوالفقار کا گلے میں ہار پہنا اور تمام اہل خیمہ کو صبر و شکر کی وصیت فرما کر اور سب کو اپنا آخری دیدار دکھا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

اللہ اکبر! اہل خیمہ نے اس ہوش ربا منظر کو کن آنکھوں سے دیکھا ہو گا؟ ناز کے پالے بچوں کے سروں پر شفقت پدری کا سایہ اٹھ رہا ہے اور مقدس بیویوں کا سہاگ رخصت ہو رہا ہے۔ غریب الوطن، بے کس مسافروں کا قافلہ حسرت بھری نگاہوں سے اپنے میر کارواں کے چہرے کا آخری نظارہ کر رہا ہے۔ پردہ نشینان حرم خوف و ہراس اور حسرت و یاس کی خاموش تصویریں بنی ہوئی کھڑی ہیں اور سب کی آنکھوں سے اشک غم کے موتی ٹپک ٹپک کر ان کے قدموں پر قربان ہو رہے ہیں حضرت امام نے سب کو خدا کے سپرد کیا اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کئی دن کی بھوک پیاس سے مضمحل اور بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں کے غم سے نڈھال ہیں اور سامنے ہزارہا خون کے پیاسے خونخواروں کا لشکر سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہے مگر حسین بن علی جن کی رگوں کے اندر خون کے قطرے قطرے میں رسول خدا کا خون شامل تھا ان مصائب و آلام کے ہجوم میں بھی صبر و تحمل اور عزم و استقامت کا پہاڑ بن کر خونخوار اشرار کے مقابل مجاہدانہ شان و شوکت کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور پہلے اپنی پر جلال آواز اور مجاہدانہ لہجے میں ایک ولولہ انگیز رجز پڑھی جس کے چند اشعار آپ بھی سن لیجئے۔ حضرت امام نے فرمایا۔

وَالِدِیْ شَمْسٌ وَّاُمِّیْ قَمَرٌ   وَاَنَا الْکَوْکَبُ ابْنُ النَّیِّرَیْنِ

میرے باپ سورج ہیں اور میری ماں چاند — اور میں ستارہ ہوں اور ان دونوں چاند و سورج کا بیٹا ہوں

مَنْ لَهُ جَدٌّ كَجَدِّيْ فِي الْوَرٰى — اُمٌّ كَاُمِّيْ فِيْ جَمِيْعِ الثَّقَلَيْنِ

تمام مخلوق میں کس کا نانا میرے نانا کی مثل ہے — اور تمام جن و انس میں کون ہے جسکی ماں میری جیسی ہو

فَاطِمَةُ الزَّهْرَآءُ اُمِّيْ وَاَبِيْ — فَارِسُ الْخَيْلِ وَرَامِي النَّبْلَتَيْنِ

فاطمہ زہرا میری ماں ہے اور میرے باپ دلدل — سوار اور ایک کمان سے دو تیر چلانے والے ہیں

هَازِمُ الْاَبْطَالِ فِيْ هَيْجَانِهٖ — يَوْمَ بَدْرٍ وَّاُحُدٍ وَّحُنَيْنٍ

میرے باپ نے بدر و احد اور حنین کی لڑائیوں میں — بڑے بڑے دلاوروں کو شکست دے دی ہے

پھر آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جس میں اپنے فضائل اور اپنی بے گناہی کو آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن و آشکار کر دیا۔ چنانچہ آپ نے کلمات طیبات کو سن کر یزیدی لشکر کے بہت سے لوگ متاثر ہو کر زار زار رونے لگے۔ لیکن شمر و غیرہ خبثاء نے یہ دیکھ کر حضرت امام کی تقریر سے لوگوں کے قلوب متاثر ہو رہے ہیں اور حضرت امام کی حقانیت سے اور آپ کی بے گناہی اور مظلومیت کا آفتاب طلوع ہو کر لوگوں کے دلوں میں ایک نورانی انقلاب پیدا کر دے گا تو ان لوگوں نے ایک دم شور و غل مچانا شروع کر دیا۔ کہ آپ یا تو یزید کی بیعت کیجئے یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جایئے اس کے سوا ہم کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

حضرت امام نے فرمایا کہ اے کور باطنو! مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دلوں پر باطنی شقاوت کی مہر لگ چکی ہے لیکن میرا یہ خطبہ صرف اتمام حجت کے لئے تھا تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو سکو کہ ہم نے حق اور امام بر حق کو پہچانا نہیں تھا اس لئے لاعلمی میں ہم نے اہل بیت کا خون بہایا تھا۔ الحمد للہ! کہ میں تمہارا یہ عذر ختم کر چکا اب رہا یزید کی بیعت کا سوال؟ تو یہ مجھ سے کبھی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں باطل کے سامنے سر جھکاؤں اور اپنا پاک ہاتھ یزید پلید کے ناپاک ہاتھ پر رکھ کر بیعت کروں۔ لہٰذا اب تم اپنا ارادہ پورا کر لو اور جس کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجنا چاہتے ہو اس کو میرے سامنے بھیج دو۔ ابن سعد نے سب سے پہلے تمیم لئیم کو جو ملک شام کا ایک نامور سردار تھا۔ جنگ کے لئے بھیجا اور وہ بے حیا یزید کے انعام و اکرام کے لالچ میں ابن رسول اللہ کا سر کاٹنے کے لئے نہایت غرور کے ساتھ تلوار چمکاتا ہوا آیا۔ مگر ابھی وار کے لئے اس کا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ حضرت امام نے ذوالفقار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ تمیم کا سر کٹ کر گیند

کی طرح دور جا کر گرا۔ پھر "یزید الطحی" جس کی دلاوری کی عراق و مصر، بلکہ شام و روم تک میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ نہایت متکبرانہ انداز میں شیطانی چال چلتا ہوا حملہ کے لئے بڑھا اور ایک دم اچانک حضرت امام پر تلوار چلادی۔ مگر آپ نے اس کے وار سے بچ کر اس کی کمر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ لکڑی کی طرح کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا پھر ابن سعد کا حکم پا کر ایک تیسرا سرکش پہلوان نعرہ مارتے اور شور مچاتے ہوئے آگے بڑھا اور بڑے گھمنڈ سے کہنے لگا کہ حسین بن علی اب ہوشیار ہو جاؤ۔ میں وہ جنگجو دلاور ہوں کہ پورے شام و عراق میں میری شجاعت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا اور فوج شرار کو یقین ہو گیا کہ یہ ضرور امام کا کام تمام کر دے گا۔ امام نے اس کی گستاخانہ چال دیکھی تو ڈانٹ کر فرمایا کہ اے شامی گنوار کے بیٹے تو کس کے سامنے اتنی ڈینگیں مار رہا ہے؟ کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ ہوش کی دوا کر ادھر ادھر مت دیکھ۔ سامنے نظر کر تیرے مقابل فاتح خیبر، علی حیدر کی شجاعت کا وارث شیر نر کھڑا ہے۔ شامی پہلوان یہ سن کر اور زیادہ طیش میں بھر گیا اور چیخ کر بولا کہ حسین! سنبھلنا۔ میں وہ شمشیر مارتا ہوں کہ اگر پہاڑ پر ماروں تو پہاڑ سرمہ بن جائے یہ کہا اور امام پر تلوار چلادی۔ مگر امام نے اس کا وار خالی دے کر اس کی کمر پر ذوالفقار کا ایک جچا تلا ہاتھ مارا تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک کھیرا تھا جو کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور اس ضرب حیدری کی ہیبت سے زمین کربلا کا ذرہ ذرہ دہل گیا اور قدرت پکار اٹھی ؎

شاہ مرداں، شیر یزداں ، قوت پروردگار
لَا فتٰی اِلَّا عَلی، لَا سَیْفَ اِلَّا ذوالفقار

پھر تو حضرت امام قہر الٰہی کی بجلی بن کر لشکر اشرار پر ٹوٹ پڑے اور جو سامنے آیا ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ کسی کو نیزے کی انی پر اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹکا کہ اس کی ہڈیاں بھی چکنا چور ہو گئیں کسی کو اس کا پٹکا پکڑ کر جھٹکا دیا تو اس کو گھوڑے سے زمین پر پٹکا اور اس پر گھوڑا دوڑا کہ گھوڑے کی ٹاپ سے اس کو روند کر پامال کر دیا۔ کسی کی پشت پر تلوار ماری تو وہ دو ٹکڑے ہو کر گھوڑے سے گر پڑا کسی کے سر پر ذوالفقار کا وار کیا تو خود و مغفر کے پرزے پرزے اڑا دیئے۔ کسی کی گردن پر شمشیر حیدری چلائی تو اس کا سر کٹ کر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ غرض ریتلی زمین کو دشمنوں کے خون سے رنگین بنا ڈالا اور ریگستان کربلا میں بہادروں کے

سر دں کا کھیت بو دیا اور آپ کی ہیبت و شجاعت کا دشمنوں کے دلوں پر ایسا سکہ بیٹھا کہ یزیدی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی ابن سعد نے جب اپنے لشکریوں میں ہول اور ساری فوج کو ڈانواں ڈول ہوتے دیکھا تو اس نے یہ سمجھ لیا کہ دست بدست کی جنگ میں تو ہماری فوج بھی اس حیدری شیر حق کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اس لئے اس نے محاصرہ کر کے حملہ کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ہر چہار طرف سے فوج اشرار نے یلغار کر کے حضرت امام کو گھیر لیا۔ پھر دور سے تیر اندازی کی بارش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ایک زہر میں بجھا ہوا تیر حضرت امام کی اس مقدس پیشانی پر لگا جس کو ہزاروں بار محبوب پروردگار نے محبت اور پیار سے چوما تھا تیر لگتے ہی خون کا فوارہ چہرۂ انور پر بہہ نکلا اور آپ غش کھا کر گھوڑے کی زین سے زمین پر اتر پڑے۔ پھر ظالموں نے نیزہ و شمشیر کی مار سے آپ کو اس قدر زخمی کر دیا کہ نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور آپ بہتر (72) زخم کھا کر زمین پر بیٹھ گئے اور شیطان صفت سنان نے سینہ اقدس پر نیزہ مارا اور آپ جب سجدے میں گر پڑے تو شمر مردود نے تلوار ماری اور آپ شہید ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

برادران ملت!

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ دس سوار آپ کے قتل کے لئے آگے بڑھے مگر جو سامنے آتا خوف اور شرم سے پیچھے لوٹ جاتا۔ لیکن شمر، سنان، خولی، شبل یہ چاروں خبثاء آپ کے سامنے آئے اور شمر مردود آپ کے سینہ اقدس پر سوار ہو گیا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ ستم گارو! آج جمعہ کا دن ہے اور سورج ڈھل گیا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ میرے نانا جان کی امت کے خطباء یا تو منبروں پر میرے نانا جان کا خطبہ پڑھ رہے ہوں گے یا نماز جمعہ ادا کر رہے ہوں گے افسوس اس وقت حسین بن علی ایسی بے کسی و بے بسی کے عالم میں ہے کہ نماز جمعہ نہیں ادا کر سکا۔ لیکن اے شمر! تو ذرا دیر کے لئے میرے سینے سے ہٹ جا تاکہ میں جس حال میں بھی ہوں۔ خدا کا فرض ادا کر لوں۔ چنانچہ حضرت امام نے تیمم فرما کر نماز شروع کر دی۔ قرأت بھی پڑھ لی۔ رکوع بھی کر لیا سجدہ بھی کر لیا۔ مگر برادران ملت! یہ سجدہ حضرت امام کی نماز کا تو پہلا ہی سجدہ تھا! مگر امام عالی مقام کی زندگی کا یہی آخری سجدہ تھا۔ ابھی آپ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ سنان نے نیزہ مارا اور شمر نے تلوار چلا دی اور آپ شہید ہو گئے پھر خولی نے یا شبل نے

آگے بڑھ کر سر اقدس کو تن مبارک سے جدا کر دیا۔ اور حضرت امام کا وہ مقدس خون جس کے ایک ایک قطرہ کی قیمت زمین و آسمان اور اس جہاں کا سارا سامان بھی نہیں ہو سکتا۔ یزیدی ستمگاروں نے 10/ محرم 61ھ جمعہ کے دن کربلا میں انتہائی بے دردی کے ساتھ بہادیا۔ لیکن مسلمانو! کربلا کی زمین کا ذرہ ذرہ قیامت تک یہ پکارتا اور اعلان کرتا رہے گا ۔

جو زیر خنجر قاتل ادا نماز کرے
نماز ایسے نمازی پہ کیوں نہ ناز کرے

عزیزان ملت! آج حضرت امام گو ہماری نظروں کے سامنے نہیں رہے مگر ان کے مقدس خون کا قطرہ قطرہ قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کو کربلا کی زمین سے یہ ولولہ انگیز اور رنگین پیغام دین دیتا رہے گا ۔

خون میں نہاؤ، زخم سہو، سر فدا کرو!
جب وقت آئے دین پہ یوں حق ادا کرو

برادران اسلام! مرنا تو سب کو ہے مگر جگر گوشہ رسول و فرزند بتول نے سجدہ میں سر کٹا کر اپنے نانا جان کی امت کو وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کی عملی تفسیر اور وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کا یہ درس حیات دیا کہ مسلمانو! مرو تو اس شان سے مرو۔ ـ

حلق پر تیغ چلے، سینے پہ جلاد رہے
لب پہ ہو نام تیرا، دل میں تیری یاد رہے

برادران ملت!

افسوس! تاریخ اسلام میں یہ کیسا خون رلانے والا سانحہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں ہی نے ابن رسول اللہ کے جسم اطہر پر بہتر (72) زخم لگا کر ان کا سر کاٹ لیا اور گلشن رسول کو تاخت و تاراج کر کے خاندان اہل بیت کے اس روشن چراغ کو بجھا دیا جس سے تمام دنیائے اسلام میں ہدایت کی روشنی تھی!

برادران اسلام!

آہ۔ آہ! اس صدمہ جانکاہ سے دل گھائل۔ قلب مجروح جسم لرزہ براندام اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ افسوس۔ صد ہزار افسوس ۔

یہ عنایتوں کہ جزاء ملی، یہ ہدایتوں کا صلہ ملا

جو چراغ نور نبی کا تھا اسے کربلا میں بجھا دیا

یہ حسین تیرا ہی کام تھا کہ سب اپنے لال فدا کئے

تجھے ان ستاروں نے ڈوب کر شب غم کا چاند بنا دیا

جو حسین خیمے میں جائیں گے وہاں جا کے کس کو دکھائیں گے

جسے ماں کی گود سے لائے تھے اسے زیر خاک سلا دیا

یہ سنان و تیر کی دعوتیں یہ علی کے لعل کی ہمتیں

کبھی نوجوان کا جگر دیا، کبھی بے زبان کا گلا دیا

چمن آپ اپنا لٹا گئے کہ بہار دین خدا رہے

نہ جما جو رنگ بہار ہے تو لہو بھی اپنا ملا دیا

برادران ملت!

دربار رسول اور آل رسول میں صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیجئے اور پڑھئے۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

یزیدیوں کی غنڈہ گردی:۔ حضرات! امام عالی مقام کی شہادت کے بعد یزیدوں نے خیمہ اطہر کا سارا سامان لوٹ لیا اور خیمہ کو جلا ڈالا۔ اور اپنے مقتولوں کو تو دفن کیا اور تمام شہداء کربلا اہل بیت کا سر کاٹ کر ان کی مقدس لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند کر ان کی ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا اور ان سر بریدہ لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر اور تمام شہداء کربلا کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک گشت کرایا۔ پھر عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس کو آراستہ کیا اور دربار عام منعقد کر کے حضرت امام کے سر اقدس کو اپنے تخت کے نیچے رکھا اور بے ادبی کی پھر شمر ناپاک کے ساتھ ان مقدس سروں کو یزید کے پاس دمشق بھیجا۔ یزید نے سر مبارک اور اہل بیت کو حضرت حضرت امام زین العابدین کی ہمراہی میں مدینہ منورہ روانہ کیا اور حضرت امام کا سر اقدس حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا یا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں مدفون ہوا۔

رحمت عالم کو صدمہ عظیمہ:۔ حضرات گرامی! اس حادثہ فاجعہ سے حضور رحمت عالم ﷺ

کے قلب نازک پر جو صدمہ جانکاہ گزرا وہ انداز و قیاس سے باہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک روز دو پہر کو خواب میں حضور احمد مختار ﷺ کے دیدار پر نور سے مشرف ہوا اور میں نے دیکھا کہ حضور کے گیسوئے معنبر چہرۂ انور پر بکھرے ہوئے ہیں اور دست مبارک میں ایک خون سے بھری ہوئی بوتل ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میری جان آپ پر قربان۔ یہ بوتل کیسی ہے؟ اور اس قدر رنج و ملال کی کیا بات ہے۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ میرے لخت جگر حسین اور ان کے جانثار رفیقوں کا خون ہے جس کو میں آج صبح سے اٹھا رہا ہوں۔ حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس تاریخ اور وقت کو یاد رکھا اور جب چند دنوں کے بعد خبر آئی تو معلوم ہوا کہ یہی وہ وقت تھا کہ حضرت امام شہید کیے گئے تھے۔ (بیہقی)

اندھیرا اور خون کی بارش:۔ حضرت روایت ہے کہ حضرت امام کی شہادت کے روز آپ کا مقدس خون زمین پر گرتے ہی دن میں ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور تین دن کامل بغیر بدلی کے دھوپ غائب رہی اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا رہا۔ آسمان سے خون کی بارش ہوئی اور اس دن بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا تھا اور ساری فضا پر رنج اور اداسی کے آثار نمودار نظر آتے تھے۔ (بیہقی)

جنوں کی نوحہ خوانی:۔ حضرات! انسان تو انسان حضرت امام کی شہادت کا رنج و غم جنوں نے بھی منایا۔ چنانچہ محدث ابو نعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی ہے کہ میں نے جنوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اس طرح نوحہ پڑھتے ہوئے سنا کہ ؎

مَسَحَ النَّبِیُّ جَبِیْنَہٗ فَلَہٗ بَرِیْقٌ فِی الْخُدُوْدِ
اَبَوَاہُ مِنْ عُلْیَا قُرَیْشٍ وَجَدُّہٗ خَیْرُ الْجُدُوْدِ

یعنی حسین کی مقدس پیشانی کو نبی نے مسح فرمایا تھا۔ جس کا نور ان کے چہرہ انور پر چمک رہا ہے ان کے ماں باپ قریش کے اعلیٰ ترین افراد میں سے ہیں اور ان کے نانا تمام جہان سے بہترین ہیں۔

یزید پلید کی ہلاکت:۔ حضرات گرامی! امام عالی مقام کی شہادت کے بعد یزید بالکل ہی بے لگام ہو گیا اور اس کے ظالمانہ دور حکومت میں ظلم و عدوان اور بداعمالی و عصیان سے خدا کی زمین بلبلا اٹھی۔ زنا، سود، شراب خوری و حرام کاری کی ہر طرف گرم بازاری ہو گئی۔ نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ کی پابندیاں اٹھ گئیں اور شعائر اسلام کی علی الاعلان بے حرمتی ہونے لگی اس فرعون

زمانہ کی سرکشی اور شیطنت اس حد تک بڑھی کہ 63ھ میں اس نے مسلم بن عقبہ کو بارہ یا بیس ہزار لشکر کا سپہ سالار بنا کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا حکم دیا اور اس لشکر اشرار نے رسول کے دربار اور مدینہ منورہ کے کوچہ و بازار میں وہ طوفان برپا کیا کہ جس کو دیکھ کر کفار بھی نادم و شرمسار ہو جائیں۔ ان فرعون صفت خونخواروں نے سات سو صحابہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کیا اور دوسرے عام مسلمانوں کو ملا کر دس ہزار مومنین کو ذبح کر ڈالا۔ ان شیطانی فوجداروں نے مسجد نبوی کے ستونوں میں گھوڑے باندھے اور اہل مدینہ کے ساتھ ایسی ایسی بدتمیزیاں کیں کہ ان کے تصور سے بھی جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزہ براندام اور نڈھال ہو جاتا ہے۔ پھر یہی طاغوتی لشکر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا۔ راستہ میں امیر لشکر مر گیا۔ تو دوسرا سپہ سالار مقرر ہوا اور ان شیطانوں نے کعبہ معظمہ پر سنگ باری کی اور حرم محترم میں نجاست پھینکی پھر کعبہ معظمہ میں آگ لگا دی جس سے غلاف کعبہ اور چھت جل گئی۔ اور کعبہ کے تمام تبرکات کو جلا ڈالا۔ انہیں تبرکات میں حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے فدیہ میں قربانی کیے ہوئے دنبہ کے وہ سینگ بھی جل گئے جو سینکڑوں برس سے کعبہ میں بطور تبرک رکھے ہوئے تھے کئی دنوں تک کعبہ بے غلاف رہا۔ اور باشندگان حرم سخت مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ آخر کار یزید پلید قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہوا اور تین برس سات مہینے تخت حکومت پر شیطنت کر کے 15 ربیع الاول 64ھ کو جس دن اس کے حکم سے کعبہ معظمہ میں آگ لگائی گئی۔ انتالیس برس کی عمر پا کر ملک شام کے شہر حمص میں قسم قسم کے امراض خبیثہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا۔

یزیدی فوج کو جب اپنے طاغوت کی موت کا پتہ چلا تو وہ ذلیل و خوار ہو کر مکہ مکرمہ سے فرار ہونے لگے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فوجوں اور باشندگان حرم نے ان ستمگاروں کو کتوں اور چوہوں کی طرح دوڑا دوڑا کر مار ڈالا۔

ستمگاروں کا برا انجام:۔ حضرات! یزید کی ہلاکت کے بعد اہل حجاز و یمن اور عراق و خراسان والوں نے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی اور مصر و شام والوں نے یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کو تخت پر بٹھایا۔ معاویہ بن یزید انتہائی نیک و صالح اور عبادت گزار مسلمان تھا اور اپنے باپ کی بداعمالیوں سے بھرپور بیزار رہا۔ بادل ناخواستہ یہ تخت حکومت پر بیٹھا لیکن حکومت سنبھالنے کے بعد سے تادم مرگ بیمار ہی رہا اور چالیس دن یا چند

ماہ کے بعد اکیس سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ موت کے وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین بنادو تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس حکومت میں کوئی لذت و حلاوت نہیں پائی تو میں اس تلخی میں دوسرے کو کیوں مبتلا کروں؟ میں نے تم سب لوگوں کو اپنی بیعت سے آزاد کیا۔ تم لوگ جس کو چاہو یہ سلطنت دے دو۔

برادران ملت!

مقام عبرت ہے کہ وہ سلطنت جس کو یزید نے اہل بیت نبوت کے خون پر قائم کیا اور جس سلطنت کی بقاء اور استحکام کے لئے ہزاروں بے گناہوں کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا۔ خود یزید بھی اس سے بہت ہی کم مدت تک مستفید ہو سکا اور آج اسی یزید کا بیٹا اس سلطنت کو ٹھوکر مار رہا ہے۔ معاویہ بن یزید کی موت کے بعد مصر و شام والوں نے بھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت کر لی۔ اور آپ پوری دنیائے اسلام کے "امیر المومنین" قرار پائے پھر مروان بن الحکم نے بغاوت کی اور مصر و شام پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ 65ھ میں جب مروان بن الحکم مر گیا تو اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا اور اسی طرح عبدالملک بن مروان کے عہد میں "مختار بن عبید" کو کوفہ میں غلبہ و اقتدار حاصل ہوا۔

مختار بن عبید کا کارنامہ:۔ حضرات! مختار بن عبید نے برسر اقتدار آتے ہی سب سے پہلے قاتلان حضرت امام سے انتقام لینے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اس نے کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس میں تخت پر بیٹھ کر "ابن سعد" کو طلب کیا۔ ابن سعد کا بیٹا حفص حاضر ہوا تو مختار نے ڈانٹ کر پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ حفص نے جواب دیا کہ اے امیر! وہ تو ایک مدت سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو کر عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مختار نے غصہ میں سرخ ہو کر کہا کہ "نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی" آج وہ گوشہ نشین ہو کر عبادت گزار بن گیا ہے؟ حضرت امام حسین کے قتل کے دن وہ گوشہ نشین عبادت گزار کیوں نہیں بنا؟ آج وہ ایران کی گورنری کا خواب کہاں گیا، جس کی حرص و تمنا میں اس خبیث نے ابن رسول اللہ کو قتل کرایا تھا۔ اس کے بعد مختار نے ابن سعد کو گرفتار کرایا اور طرح طرح کا عذاب دے کر ابن سعد اور اس کے بیٹے حفص اور شمر وغیرہ تمام قاتلان امام کو قتل کر دیا اور اس کے سروں کو حضرت امام کے سوتیلے بھائی محمد بن الحنفیہ کے پاس بھیج دیا۔ پھر مختار نے اپنی فوجوں کو حکم دے دیا کہ جو شخص بھی معرکہ کربلا میں یزیدی لشکر

میں شامل رہا ہو اس کا قتل عام کیا جائے۔ چنانچہ یہ حکم سنتے ہی کوفیوں میں بھگدڑ مچ گئی مگر مختار کی فوجوں نے ان سب کا تعاقب کیا اور جس کو جہاں پایا ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر ڈالا اور ان کی لاشوں کو جلا کر ان کے گھروں کو لوٹ لیا۔ خولی بن یزید جس نے امام عالی مقام کا سر کاٹا تھا وہ بھی گرفتار کر کے مختار کے دربار میں گھسیٹ کر لایا گیا۔ مختار نے پہلے تو اس کے ہاتھ پاؤں کٹوائے۔ پھر اس کو سولی پر لٹکایا پھر آگ میں جھونک دیا۔ اسی طرح ابن سعد کے تمام لشکر اشرار کو طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ قتل کیا اور چھ ہزار کوفی جو یزیدی لشکر کے ساتھ کربلا میں تھے ان میں سے ہر ایک کو مختار نے قتل کرا دیا۔

عبیداللہ بن زیاد کا ناپاک سر:۔ عبیداللہ بن زیاد جو کوفہ کا یزیدی گورنر تھا اور جس نے حضرت امام اور اہل بیت کو کربلا میں قتل کرایا۔ یہ تیس ہزار کی فوج لے کر "موصل" میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو فوج کا سپہ سالار بنا کر اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ چنانچہ موصل سے پندرہ کوس کی دوری پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں دن بھر جم کر گھمسان کی لڑائی ہوئی اور آخر کار شام تک ابراہیم کا لشکر فتح یاب ہو گیا اور عبیداللہ بن زیاد اسی میدان میں محرم کی دسویں تاریخ 67ھ کو دریائے فرات کے کنارے قتل ہوا اور اس کا سارا لشکر بھی مقتول ہو گیا۔ ابراہیم نے عبیداللہ بن زیاد کا سر کاٹ کر مختار کے دربار میں کوفہ بھیجا اور مختار نے دربار آراستہ کر کے مجمع عام میں عبیداللہ بن زیاد کے سر کو اپنے تخت کے نیچے ٹھیک اسی جگہ پر رکھوایا جس جگہ اس بد نصیب نے ابن رسول اللہ کے سر کو رکھوایا تھا۔

ناک میں سانپ:۔ حضرات! ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ جس وقت ابن زیاد بد نہاد کا ناپاک سر مختار کے دربار میں لا کر زمین پر رکھا گیا تو ناگہاں ایک سانپ غیب سے نمودار ہوا اور وہ تین دفعہ اس کی ناک میں داخل ہوا اور منہ سے نکلا۔ پھر ایک دم غائب ہو گیا اور کسی کو آج تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔

ایک لاکھ چالیس ہزار مقتول:۔ برادران ملت! حاکم محدث کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پر یہ وحی بھیجی تھی کہ قوم یہود نے حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کیا تو ان کے ایک خون کے بدلے ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار شامی و کوفی مقتول ہوں گے۔ چنانچہ حضرت حق جل مجدہ کا وعدہ یوں پورا ہوا کہ مختار کی لڑائی میں ستر ہزار شامی و کوفی

قتل ہوئے اور پھر عباسی سلطنت کے بانی عبداللہ بن سفاح کے ہاتھ سے ستر ہزار شامی و کوفی مارے گئے۔

قدرتی انتقام:۔ حضرات گرامی! قاتلان امام عالی مقام میں سے جو بدبخت قتل سے بچے وہ طرح طرح کے ذلت آمیز و عبرت خیز قدرتی عذابوں میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ وہ بدنصیب جس نے حضرت امام کا سر اقدس شکار بند سے باندھا تھا بڑا ہی خوبصورت اور حسین جوان تھا مگر اس واقعہ کے بعد اس کی صورت ایسی مسخ ہو کر بگڑ گئی کہ وہ ایک دم کالا رو سیاہ اور کریہہ المنظر ہو گیا۔ لوگوں نے اس کا حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ کربلا سے واپسی کے بعد میں روزانہ خواب میں دو خوفناک آدمیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے جلتی ہوئی آگ پر اوندھا لٹکاتے ہیں۔ اسی طرح ہر روز میرا چہرہ جلتا اور پگھلتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ میرا چاند سامنہ سیاہ اور میرا حال تباہ ہو گیا۔ یہ خبیث تادم مرگ اسی بلا میں گرفتار رہ کر مر گیا۔

اسی طرح جابر بن یزید ازدی جس نے حضرت امام کا عمامہ سر مبارک سے اتار کر اپنے سر پر باندھ کر خوشی میں رقص کیا تھا اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ فوراً ہی پاگل ہو گیا۔ گندی نالیوں کا پانی پیتا اور گوبر اور دوسری نجاستیں کھاتا پھرتا تھا مجبوراً اس کے گھر والوں نے اس کو زنجیر میں جکڑ دیا اور اسی حالت میں وہ زمین پر ناک رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

جعونہ حضرمی جس نے حضرت امام کا کرتا اتار کر پہن لیا تھا وہ مردود بھی کوڑھی ہو گیا اور اس کے جسم کی کھال اور سر اور داڑھی کے بال سڑ سڑ کر زمین پر گر پڑے۔

اسود بن حنظلہ نے حضرت امام کی تلوار پر قبضہ کر لیا تھا وہ بھی جذام میں مبتلا ہوا اور اس کے تمام بدن پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے۔ یہاں تک کہ اس کا سارا بدن مڑ گیا۔

حرملہ بن کاہل جس نے حضرت علی اصغر کے حلقوم پر تیر مارا تھا وہ اس عذاب میں گرفتار ہوا کہ اس کا اگلا رخ شکم کی جانب ہر وقت آگ کی طرح جلتا تھا اور پیٹھ کی طرف پچھلا حصہ برف سے زیادہ ٹھنڈا رہتا تھا۔ پشت کی طرف وہ ہمیشہ آگ جلائے رکھتا اور شکم کی طرف ہر وقت پانی چھڑکتا اور پنکھا جلتا رہتا تھا اور اس کو پیاس کی شدت رہا کرتی تھی کہ ہر وقت پانی پیتا رہتا تھا مگر اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ آخر اسی مصیبت میں گرفتار رہتے ہوئے سر پٹک پٹک کر ہلاک ہو گیا۔

الغرض گلشن زہرا کے لہلہاتے باغ کو اجاڑ کر رحمت عالم کے شیشہ دل کو پاش پاش کرنے

والے دشمنان امام میں سے کوئی بھی قدرت کے قاہرانہ انتقام سے نہیں بچا اور سب کے سب قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہو کر عذاب دارین سے سزاوار ہوئے۔

برادران ملت!

یاد رکھئے کہ اس دنیا میں جس طرح ہر چیز کی خاص خاص تاثیریں ہیں اسی طرح عدل اور ظلم کی بھی خاص خاص تاثیرات ہیں۔ یاد رکھئے کہ عدل کی تاثیر آبادی ہے اور ظلم کی تاثیر بربادی۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

گندم از گندم بروید جو زجو

از مکافات عمل غافل مشو

یعنی گیہوں بونے سے گیہوں اگتا ہے اور جو بونے سے جو اگتا ہے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ اس لئے اپنے عمل کی جزاء اور پاداش سے غافل نہ ہو۔ مشہور مثل ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

برادران ملت!

مقام عبرت ہے کہ صرف چند برسوں میں دشمنان امام قدرت کے قاہرانہ انتقام میں مبتلا ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے اور ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ سچ کہا کسی شاعر نے ؎

دیدی؟ کہ خون ناحق پروانہ شمع را

چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

یعنی شمع نے پروانے کا خون ناحق کیا تو تم نے اس کا انجام بھی دیکھا؟ کہ پروانے کے خون ناحق نے شمع کو اتنی دیر بھی اماں نہیں دی کہ وہ صبح تک روشن رہ سکے۔ بلکہ صبح ہونے سے پہلے ہی شمع بھی بجھا دی گئی۔

برادران ملت!

میری تقریر کافی طویل ہو گئی۔ حالانکہ بہت سے واقعات بطور اختصار بھی ذکر نہ کر سکا۔ بہر حال اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ لیکن آیئے! حضرات شہداء کرام کی خدمت میں سلام عقیدت عرض کر کے اس مبارک مجلس کو دعا پر ختم کریں۔

سلام

مرتضٰی کے دلاروں پہ لاکھوں سلام ‏ چشم زہرا کے تاروں پہ لاکھوں سلام

نور عینین مولیٰ علی پر درود ‏ ہاشمی نامداروں پہ لاکھوں سلام

بھوکے پیاسے، غریب الوطن خستہ جاں ‏ باخدا روزہ داروں پہ لاکھوں سلام

سر ہتھیلی پہ رکھ کر جو ساتھی ہوئے ‏ ان بہتر سواروں پہ لاکھوں سلام

قتل کی شب جو محو عبادت رہے ‏ ان تہجد گزاروں پہ لاکھوں سلام

قوت بیکساں دستگیر جہاں! ‏ بے بسوں کے سہاروں پہ لاکھوں سلام

جن کے ایماں سے ایماں نے پایا فروغ ‏ ایسے ایمانداروں پہ لاکھوں سلام

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ. وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

....

انیسواں وعظ

قربانی

اے مسلماں! سن یہ نکتہ درس قرآنی میں ہے
عظمت اسلام و مسلم صرف قربانی میں ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ ۔ وَاَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ ۔ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ ۔ اَنْتَ الْحَقُّ ۔ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ ۔ وَلِقَآءُكَ حَقٌّ ۔ وَّقَوْلُكَ حَقٌّ ۔ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ ۔ وَالنَّارُ حَقٌّ ۔ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ ۔ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ ۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

(الانعام)

حضرات گرامی! دربار رسالت میں باآواز بلند درود و سلام کا نذرانہ پیش کیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ،
صَلٰوةٌ وَّسَلَامٌ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

اے مسلماں! سن یہ نکتہ درس قرآنی میں ہے ۔۔۔ عظمت اسلام و مسلم صرف قربانی میں ہے
زندگی جاوداں مومن کی قربانی میں ہے ۔۔۔ لذت آب بقاء تلوار کے پانی میں ہے

حضرات گرامی!

میری آج کی تقریر کا عنوان "قربانی" ہے۔ قربانی کیا ہے؟

میرے بزرگو اور بھائیو! "قربانی" دین کی شان اور اسلام کا ایک بڑا نشان ہے قربانی رب جلیل کے مقدس خلیل حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء و مرسلین کی سنت اور پروردگار عالم کے دربار میں بندوں کی بہترین عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء اور رسولوں کی امتوں کے لئے قربانی کا حکم نازل ہوا۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْ

بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (حج)

یعنی ہر ایک امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر کر دی تا کہ وہ بے زبان جانوروں پر اللہ کا نام ذکر کریں!

برادران ملت! اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی در حقیقت خدا کی بارگاہ عظمت میں بندوں کے جذبہ عبودیت کے اظہار کا ایک مقدس طریقہ ہے اور چونکہ بندہ قربانی کے ذریعے اپنے مال کا نذرانہ پیش کر کے خداوند ذوالجلال کے تقرب اور اس کے قرب خاص کی منزل بلند پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس عبادت کو قربانی کے مقدس لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

قربانی کا مقصد:۔ برادران اسلام! قربانی بظاہر ایک جانور کو خدا کے نام پر ذبح کر دینے کا نام ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ قربانی کا مقصد محض جانوروں کو ذبح کر دینا ہی نہیں۔ بلکہ در حقیقت قربانی کی روح یہ ہے کہ بندہ ایک خاص فداکارانہ جذبہ اخلاص سے اپنے قلب و دماغ کو منور کر کے اپنے اندر ایثار و فداکاری ایمانداری و نیکوکاری تقویٰ و پرہیزگاری کا کمال پیدا کرے۔ دیکھئے قرآن کریم کتنے واضح اور صاف لفظوں میں قربانی کا مقصد بیان فرما رہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآءُ هَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ.

یعنی ہرگز خدا کے دربار میں نہ قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون لیکن ہاں البتہ تمہاری پرہیزگاری وہ انمول نیکوکاری ہے جو دربار باری میں باریاب ہو جاتی ہے۔

جانتا ہے بارگاہ حق کے آئین و اصول
دل کے ٹکڑوں کی یہاں پر نذر ہوتی ہے قبول

یہی وجہ ہے کہ ہر عمل خیر کی طرح قربانی میں بھی اخلاص کا جذبہ شرط ہے چنانچہ خطبہ کے بعد سورۂ انعام کی جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی ہے اس میں خداوند قدوس نے ہمیں اسی اخلاص عمل کی دولت بے بہا کما کر دارین کی دولت سے مالا مال ہونے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

یعنی اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور

میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

مسلمانو! دیکھ لو۔ اس آیت نے جھنجھوڑ کر بتا دیا کہ در حقیقت وہی قربانی مقبول ربانی اور قربانی کہلانے کی مستحق ہے جس میں یہ جذبہ اخلاق کار فرما ہو کہ وہ صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہو! لیکن

برادران ملت! افسوس تو یہی ہے کہ ہم مسلمان صرف خون کے چند قطرات بہا دینے ہی کو قربانی سمجھ بیٹھے ہیں اور ہم حضرت خلیل اللہ اور دوسرے جلیل القدر پیغمبروں کی اس سنت مبارکہ کے مقصد اعلیٰ کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ قربانی کے اغراض و مقاصد اور اس کے ثمرات و نتائج کیا ہیں؟ بہت کم ایسے اہل نظر ہیں جو قربانی کے پردے میں چھپے ہوئے جذبات وفاداری و فداکاری کے جلوؤں کا نظارہ کر سکیں۔ ہاں البتہ وہ بندگان خدا جن کی آنکھوں میں بصارت کی روشنی کے ساتھ ساتھ دلوں میں بصیرت کا نور بھی ہے۔ وہ جانتے پہچانتے اور مانتے ہیں۔

جب تک کہ ابراہیم کی فطرت نہ ہو پیدا
قربانی بھی آذر ہے، عبادت بھی ہے نمرود

اور در حقیقت مسلمانو! یہ بہت ہی اہم اور ضروری چیز ہے کہ مومن ہر چیز کو آنکھوں کی بصارت سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ دل کی بصیرت کے نور سے بھی مشاہدہ کرتا رہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
ارنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر — یہ حدیث کلیم و طور نہیں

قربانی کا فلسفہ:۔ برادران گرامی! ظاہر بین نگاہیں تو یہ دیکھتی ہیں کہ قربانی میں بندے کا مال خرچ ہو جاتا ہے مگر یاد رکھئے کہ قربانی کرنے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ قربانی کرنے سے مال بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ قربانی کا فلسفہ یہ ہے کہ جو چیز بھی خدا کی راہ میں قربان کی جاتی ہے وہ ہرگز کم نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ہمیشہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جو جانور خدا کے نام پر قربان کئے جاتے ہیں ان کی نسل میں بے پناہ برکت اور ان کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر قربان نہیں کئے جاتے ان کی نسل گھٹتی اور ان کی تعداد ہمیشہ

کم ہوتی چلی آتی ہے۔

حضرات گرامی! کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ گائے، بھینس، اونٹنی، سال بھر میں ایک ہی بچہ جنتی ہیں۔ بھیڑ، بکری بھی بمشکل دو تین ہی بچے دیتی ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ ان جانوروں کی پیداوار بہت ہی کم ہے اور خرچ کا یہ عالم ہے کہ روزانہ ملک میں لاکھوں بھیڑ بکریاں اور گائے بھینس ذبح ہوتی ہیں۔ اور ہزاروں بیمار ہو کر مر جاتے ہیں مگر پھر بھی ان جانوروں کی نسل میں اتنی برکت ہے کہ آج ایک ایک میدان میں ہزاروں بھیڑ بکریوں کا ریوڑ تم اسی طرح چراگاہوں میں سو سو، دو دو سو گائیوں اور بھینسوں کو تم اکٹھا ایک جگہ چرتے ہوئے دیکھ سکتے ہو مگر کتیا سال میں پانچ پانچ اور چھ چھ بچے جنتی ہے اور خنزیر کے تو دس دس اور بارہ بارہ بچے ایک مرتبہ پیدا ہوتے ہیں دیکھ لو ان جانوروں کی پیداوار کتنی زیادہ ہے اور خرچ بہت ہی کم یا بالکل ہی نہیں مگر پھر بھی کہیں سو دو سو کتے اور ہزار دو ہزار خنزیر ہر ایک جگہ نظر نہیں آئے۔ اب یہ سوال بہت ہی اہم ہے۔ کہ کیا وجہ ہے کہ گائے، بھینس اور بھیڑ بکری باوجود یہ کہ ان کی پیداوار بہت ہی کم ہے اور خرچ بہت ہی زیادہ ہے پھر بھی ان کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی ہے اور خنزیر اور کتے ان کی پیداوار بہت ہی زیادہ ہے اور خرچ بہت ہی کم پھر بھی ان کی تعداد گھٹتی ہے چلی جارہی ہے تو۔

برادران ملت! اس سوال کا حقیقی جواب یہی ہے کہ چونکہ گائے بھینس اور بھیڑ بکریاں خدا کے نام پر قربان کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی نسل میں برکت ہوتی ہے اور ان کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے اور کتے خنزیر وغیرہ حرام جانوروں کی چونکہ قربانی نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کی نسل مٹتی اور تعداد گھٹتی چلی جاتی ہے لہٰذا اس قانون فطرت سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جو چیز بھی خدا کی راہ میں قربان کی جائے گی وہ ہمیشہ بڑھتی اور ترقی کرتی رہے گی اور جو چیز خدا کی راہ میں قربان نہیں کی جائے گی وہ ہمیشہ گھٹتی اور تنزل پذیر ہوتی رہے گی۔

حسینی سادات کی مثال:۔ حضرات گرامی! کون نہیں جانتا کہ حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے صرف تنہا حضرت امام زین العابدین زندہ و سلامت واپس لوٹے اور یزیدی فوج ہزاروں کی تعداد میں زندہ و سلامت اپنے گھر میں پہنچی۔ مگر تنہا ایک امام زین العابدین کی نسل اور اولاد میں خداوند کریم نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ آج عرب و عجم، حل و

حرم، چار دانگ عالم میں حسینی سادات کرام کی اولاد لاکھوں کی تعداد میں موجود ہے مگر بائیس ہزار یزیدی لشکر کی نسل منقطع ہو گئی اور آج ان کی اولاد میں ایک بچہ بھی کہیں روئے زمین پر موجود نہیں ہے ان کا خاندان بلکہ نام و نشان تک دنیا سے مٹ گیا۔ کیوں؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ تو عزیزو اور دوستو! سچ پوچھو تو اس کا فلسفہ یہی ہے کہ چونکہ امام عالی مقام خدا کی راہ میں قربان ہو گئے اس لئے خداوند عالم نے ان کی نسل اور اولاد میں اتنی برکت عطا فرمائی اور یزیدی لشکر چونکہ اس کی قربانیاں خدا کی راہ میں نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے اس کی نسل بھی منقطع ہو گئی۔

اسی طرح جو مال خدا کی راہ میں قربان کیا جاتا ہے اس مال میں اس قدر خیر کثیر اور بے پناہ برکت و ترقی ہوتی ہے کہ روز بروز بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور جو مال خدا کی راہ میں قربان نہیں کیا جاتا رفتہ رفتہ وہ مال برباد ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔

الغرض! قربانی کا یہ بڑا گہرا فلسفہ ہے کہ جو چیز بھی خدا کی راہ میں قربان کی جائے گی وہ بڑھتی ہی جائے گی اور جو چیز خدا کی راہ میں قربان نہیں کی جائے گی وہ گھٹتی ہی چلی جائے گی۔ لہٰذا برادران ملت! قربانی کے اس فلسفے کو ہرگز مت بھولو اور خدا کی راہ میں اپنی جان اور مال کی قربانی پیش کرتے ہی رہو اور یقین و ایمان رکھو کہ قربانی سے ہرگز ہرگز جان و مال میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ جان و مال کے حق میں قربانی کا وہی اثر ہوتا ہے جو موسم بہار کا گلشن و گلزار پر اثر ہوتا ہے جس طرح خشک اور مردہ زمین موسلادھار بارش کے اثر سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اسی طرح قوموں کی جان و مال کی خشک کھیتیاں قربانیوں کے باران رحمت سے ہری بھری ہو کر لہلہانے لگتی ہیں۔

فضائل قربانی:۔ بہر حال! برادران ملت! میں اس وقت ذوالحجہ کی قربانی کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا بغور سماعت فرمائیے۔ خداوند قدوس نے اپنے حبیب ﷺ کو اس قربانی کے بارے میں یہ حکم دیا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ.

یعنی اے محبوب! آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔

حضرات! قربانی کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَّوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ

الدَّمِ وَاِنَّهُ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ عِنْدَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ عَلَى الْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا. (مشکوٰۃ ص128)

یعنی قربانی کے دنوں میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک قربانی سے زیادہ پیارا نہیں ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگ اور بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا۔ اور بے شک قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی خدا کے نزدیک مقام قبولیت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا اس کو خوشدلی کے ساتھ کرو۔

برادران ملت! اس حدیث کے الفاظ پر غور فرمایئے کہ قربانی کے دنوں میں ابن آدم کا کوئی عمل بھی خدا کے نزدیک قربانی سے زیادہ پیارا نہیں ہے۔

مسلمانو! اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص قربانی کے جانور کو زندہ ہی خیرات کر دے۔ یا قربانی کے جانور کو تول کر اس کے وزن کے برابر سونا اور چاندی بھی خیرات کر دے۔ بلکہ سونے اور چاندی کا پہاڑ اور جواہرات کا خزانہ بھی اگر خدا کی راہ میں لٹا دے تو قربانی کے ان تینوں دنوں میں اس کو وہ ثواب عظیم نہیں مل سکتا جو قربانی کے جانور کو خدا کی راہ میں ذبح کر دینے سے ملتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ قربانی کے جانور کو خدا کی راہ میں ذبح کرنے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تاریخی قربانی کی انمول یادگار کا جو ایمان افروز مظاہرہ ہوتا ہے اور مومن کے دل و دماغ میں جو ایثار و قربانی کا آفتاب و ماہتاب طلوع ہوتا ہے۔ وہ بھلا سونے اور چاندی کا پہاڑ خیرات کر دینے سے کہاں حاصل ہو سکتا ہے؟ مسلمانو! اس اصول کو یاد رکھو کہ عبادت در حقیقت وہی عبادت ہے جو اللہ و رسول کے بتائے ہوئے قانونی طریقے سے ادا کی جائے۔

دین میں عقل کا پچر:۔ حضرات! یہ حدیث ان مسلم نما ملحدوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو اپنے کو ترقی پسند مسلمان کہتے ہوئے عبادت اور شریعت کے مسائل میں اپنی ملحدانہ عقل کا پچر لگاتے رہتے ہیں اور اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ قربانی کے جانور کو ذبح کر دینے سے تو زیادہ اچھا یہی ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت کسی قومی فنڈ میں دے دی جائے۔ مسلمانو! ان عقل کے یتیموں کو جو اردو کے چند رسائل پڑھ کر اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ سے صرف جو بھر چھوٹا سمجھنے لگے

ہیں۔ کون سمجھائے؟ کہ کیا عقل کے نزدیک قانون اور طریقہ کار مقرر کیا ہے کہ اگر تم کو بیعانہ کی کوئی دستاویز لکھنی ہوئی۔ تو جتنی مالیت کی جائیداد ہے اسی حساب سے سرکاری اسٹامپ خرید کر اس پر بیعنامہ کی دستاویز لکھو۔ اب اگر کوئی شخص اسٹامپ کی قیمت سے زیادہ قیمتی نوٹوں پر کوئی دستاویز لکھ دے اور یہ کہے کہ ہم نے اسٹامپ سے زیادہ قیمتی کاغذ پر یہ دستاویز لکھی ہے تو کیا عدالت میں قانوناً یہ درست قرار دی جاسکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیوں؟ اس لئے کہ یہ دستاویز ہرگز ہرگز قانون اور طریقہ کار کے خلاف لکھی گئی ہے۔ اس لئے یہ دستاویز ہرگز ہرگز عدالت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح موٹر اور ہوائی جہاز بنانے والے نے یہ قانون اور طریقہ کار مقرر کر دیا ہے کہ یہ پٹرول ہی سے چل سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی ترقی یافتہ احمق موٹر اور ہوائی جہاز کی ٹینکی میں عطر شامتہ العنبر بھر کر اسٹارٹ کرنا چاہئے اور اپنی حماقت سے یہ کہے کہ میں نے اس کی ٹینکی میں پٹرول سے بھی زیادہ قیمتی چیز ڈال دی ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا اس کے بارے میں یہی کہے گی کہ شاید اس کے دماغ کی مشینری کا کوئی پرزہ ڈھیلا پڑ گیا ہے یا اس کی ترقی پسند طبیعت کا جانور اس کی عقل کی کھیتی چر گیا ہے۔

برادران ملت!

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس طرح بیعنامہ کی دستاویز اسٹامپ پر ہی لکھی جاسکتی ہے۔ نوٹ پر نہیں لکھی جاسکتی اور جس طرح موٹر اور ہوائی جہاز پٹرول ہی سے چل سکتے ہیں عطر سے نہیں چل سکتے۔ اسی طرح اسلام کی تمام عبادتیں بھی اسی وقت عبادت شمار کی جائیں گی جب وہ اسلامی قانون اور شرعی طریقہ کار کے مطابق ادا کی جائیں۔ چنانچہ قربانی بھی اسی وقت اسلامی قربانی شمار ہوگی اور اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ جب قربانی اسلام کے بنائے ہوئے قانون اور شرعی طریقہ کار کے مطابق کی جائے گی اور اسلام نے قربانی کو ''مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ'' کہہ کر یہ بتادیا کہ جب تک جانور کو ذبح نہیں کیا جائے گا اس وقت تک قربانی کا اجر و ثواب نہیں مل سکتا۔ اب اگر کوئی شخص قربانی کے جانور کی قیمت کو خیرات کر کے قربانی کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص بیعنامہ کی دستاویز نوٹ پر لکھ رہا ہے یا موٹر کی ٹینکی میں عطر بھر کر چلانا چاہتا ہے۔

بہر حال! میرے بزرگو اور بھائیو! اللہ و رسول کا یہی حکم ہے کہ عید الضحیٰ کی قربانی کا ثواب

عظیم اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے کہ عبادت کی نیت سے اخلاص کے ساتھ قربانی کے جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے قربانی کے جانور کی قیمت خیرات کرنے یا قومی فنڈ میں دینے سے ہر گز ہر گز قربانی کا نہ ثواب ملے گا نہ قربانی کا واجب ادا ہو گا۔

ہر بال کے بدلے ایک نیکی:۔ بہر حال برادران ملت! قربانی کی فضیلت میں ایک اور حدیث بھی سن لیجئے۔ حضرت زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن صحابہ کرام نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا:۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيْ؟

یعنی یا رسول اللہ ﷺ! ان قربانیوں کی حقیقت کیا ہے؟

تو ارشاد فرمایا:۔

سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ. (عليه السلام)

یعنی یہ تمہارے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت ہے۔

پھر صحابہ کرام نے عرض کیا:۔

فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟

یعنی اے اللہ کے رسول ان قربانیوں سے ہم کو کتنا ثواب ملے گا؟

تو سرکار دوجہاں ﷺ نے فرمایا:۔

بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ

یعنی قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے بدلے ایک ایک نیکی ملے گی!

ایک علمی نکتہ:۔ حضرات! اس حدیث میں اہل علم کے لئے ایک بڑا ہی لطیف اور لذیذ نکتہ یہ ہے کہ شعرۃ اور حسنۃ دونوں ہی نکرہ ہیں مگر شعرۃ کی تنوین تنکیر تحقیر کے لئے اور "حسنۃ" کی تنوین تنکیر تعظیم کے لئے ہے جس کا یہ مطلب ہوا کہ قربانی کے جانور کے چھوٹے سے چھوٹے اور حقیر سے حقیر بال کے بدلے اتنی بڑی سے بڑی اور عظیم سے عظیم تر نیکی ملتی ہے کہ بندے اس نیکی کی عظمت کا تصور اس کی حد بندی بھی نہیں کر سکتے۔ سبحان اللہ! وہ مالک و مولیٰ بڑا ہی جواد و کریم ہے وہ بندے کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر بڑے سے بڑا اجر عطا فرمائے تو اس کے فضل و رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے وہ خود اپنے کمال کرم سے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

برادران ملت! اس حدیث میں حضور سرکار دو جہاں، نبی آخر الزمان ﷺ نے قربانی کو سُنَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ فرمایا۔ سنت ابراہیم کا ذکر آگیا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ رب جلیل کے مقدس خلیل کی قربانی اور ان کے "ذبح عظیم" کا تذکرہ بھی مختصر لفظوں میں آپ کو سنا دوں!

اچھا اس ذکر پاک سے پہلے ذرا آواز بلند ایک بار درود شریف کا ورد فرما لیجئے!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

خلیل اللہ:۔ سامعین کرام! خدا کے مقدس پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے جلیل القدر اور عظیم المرتبت رسول ہیں۔ آپ کا لقب خلیل اللہ ہے اور حضور پرنور خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبیوں میں آپ کا رتبہ سب سے افضل ہے۔ آپ نے پرچم توحید کی سربلندی کے لئے نمرود جیسے خدائی کا دعویٰ کرنے والے طاغوت سے جہاد فرمایا اور آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں بے خطر کود پڑے۔ آپ کعبہ کے بانی اور ابوالانبیاء ہیں۔ یعنی آپ کے بعد ہونے والے تمام انبیاء علیہم السلام آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔

خدا کی شان کہ بہت دنوں تک آپ کے گھر میں کوئی فرزند نہیں تھا اور آپ فرزند صالح کی تمنا میں بار بار رب کریم کے دربار میں دعائیں مانگتے رہتے تھے اور اس طرح عرض کرتے تھے:۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

یعنی اے میرے پروردگار! مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

درد مند دل سے اخلاص کے ساتھ نکلی ہوئی آپ کی دعا بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئی۔ کیوں نہ ہو؟ سچ ہے ؎

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
درِ کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

چنانچہ بڑھاپے میں آپ کی بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے آپ کے فرزند حضرت اسماعیل پیدا ہوئے ظاہر ہے جو بچہ بڑی بڑی دعاؤں اور التجاؤں کے بعد ملا ہو گا وہ باپ کی نظر میں

کتنا عزیز اور کس قدر زیادہ پیارا ہو گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس فرزند جمیل و جلیل سے بہت زیادہ محبت فرمانے لگے۔

حضرات! روایت ہے کہ فرشتوں نے ایک مرتبہ خدا کی بارگاہ عظمت میں یہ سوال عرض کیا کہ اے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۔ لیکن حضرت ابراہیم کا تو یہ حال ہے کہ اب ان کے قلب میں ان کے فرزند کی محبت بھی پیدا ہو چکی ہے۔ اے پروردگار! تیرا خلیل اور دوست کہلانے کا تو وہی حق دار ہو سکتا ہے جس کے قلب میں تیری محبت کے سوا کسی دوسرے کی گنجائش ہی نہ ہو۔

برادران ملت! یہی وجہ ہے کہ خداوند قدوس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس طرح امتحان لیا کہ ان کے نور نظر حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم دے دیا تاکہ فرشتوں کے سوال کا پورا پورا جواب ہو جائے اور آفتاب نصف النہار کی طرح یہ حقیقت عالم آشکار ہو جائے کہ بلاشبہ حضرت ابراہیم خلیل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خدا کی راہ میں اپنے اس اکلوتے، لاڈلے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ جس کو بڑی بڑی تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ خدا سے مانگا تھا اور جس کو بڑے لاڈ اور پیار سے پالا تھا۔ چنانچہ فرشتوں کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ بے شک ''خلت'' کا تاج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر زیب دیتا ہے اور واقعی آپ خلیل اللہ اور اللہ کے دوست ہیں۔

بیٹے کی قربانی:۔ بزرگان ملت! احادیث کریمہ کا مضمون ہے کہ آٹھویں ذوالحجہ کی رات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں یہ دیکھا کہ ایک فرشتہ اللہ کا حکم سنا رہا ہے کہ اے ابراہیم! قربانی کرو۔ آپ نے صبح کو اٹھ کر ایک سو اونٹوں کی قربانی کر دی۔ مگر دوسری رات بھی یہی خواب نظر آیا تو آپ نے علی الصبح دو سو اونٹوں کی قربانی کر دی۔ مگر دوسری رات بھی یہی خواب دیکھا تو آپ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں کیا چیز تیری راہ میں قربان کروں؟ اس وقت خداوند کریم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم! تم میری راہ میں اس چیز کو قربان کرو جو دنیا میں تم کو سب سے زیادہ پیاری ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ میرے فرزند اسماعیل کی قربانی کا حکم ہے۔ پھر آپ نہ گھبرائے نہ فکر مند ہوئے بلکہ میدان تسلیم و رضا کے شہسوار بن کر بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات برس یا تیرہ

برس کی تھی اور آپ بہت ہونہار اور صاحب حسن و جمال تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت حاجرہ سے فرمایا کہ اے نیک بخت بیوی! آج تمہارے نور نظر کی ایک بہت بڑے بادشاہ کے دربار میں دعوت ہے یہ سن کر پیکر محبت ماں فرط مسرت سے جھوم اٹھی اور اپنے لخت جگر کو نہلا دھلا کر عمدہ اور نفیس پوشاک پہنا کر، آنکھوں میں سرمہ، بالوں میں کنگھی کر کے اپنے لعل کو دولہا بنا کر باپ کے ہاتھ میں بیٹے کی انگلی پکڑا دی۔ حضرت خلیل اللہ اپنی آستین میں رسی اور چھری چھپائے ہوئے ذوالحجہ کی دس تاریخ کو مکہ مکرمہ سے منیٰ کی گھاٹی کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور جب وادی منیٰ میں پہنچے تو اپنے فرزند سے فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے! مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا ہے کہ میں تم کو اس کی راہ میں ذبح کر دوں تو اے بیٹا! تمہاری کیا رائے ہے؟ مہربان باپ کی تقریر سن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے مقدس باپ! آپ ضرور خدا کے حکم پر عمل کریں۔ ابا جان آپ اطمینان رکھیں کہ میں نہ روؤں گا نہ چلاؤں گا نہ فریاد کروں گا بلکہ انشاءاللہ تعالیٰ میں صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر خدا کی راہ میں قربان ہو جاؤں گا اور خداوند سبحان کے رضوان و غفران کی سربلندیوں سے سرفراز ہو جاؤں گا۔ ابا جان! اس سے بڑھ کر بھلا میری خوش نصیبی کی اور کیا معراج ہو گی؟ کہ میرے سر کی قربانی خدا کی راہ میں قبول ہو جائے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام عرض کرنے لگے کہ ابا جان! میری تین وصیتوں پر دھیان رکھیئے گا۔ سب سے پہلی وصیت تو یہ ہے کہ آپ قربانی کے وقت میرے ہاتھ پاؤں کو خوب جکڑ کر رسی سے باندھ دیں۔ تاکہ بوقت ذبح میرا تڑپنا دیکھ کر آپ کو کہیں رحم نہ آجائے۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ آپ مجھ کو منہ کے بل لٹائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دل سینے میں دھڑ جائے اور آپ کا ہاتھ جنبش کر کے رک جائے۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ میرے ذبح ہونے کی خبر میری ماں کو نہ دیجئے گا۔ ورنہ ماتا کی ماری میری دکھیاری ماں میرے غم کو برداشت نہ کر سکے گی اور شدت غم سے اس کے سینے میں شیشہ دل پاش پاش ہو جائے گا۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں کو رسی سے باندھ کر انہیں ایک

پتھر کی چٹان پر لٹایااور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنے نور نظر کے حلقوم پر چھری چلادی۔ لیکن شان خداوندی کا جلوہ دیکھئے کہ تیز چھری حضرت اسماعیل کی گردن کو نہیں کاٹ سکی۔ اس مرحلہ پر باپ کی آنکھون میں آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑااور روتے ہوئے بارگاہ کبریا میں عرض کرنے لگے کہ الٰہی! تیرے خلیل سے کون سی ایسی تقصیر ہوئی؟ جو قربانی قبول نہیں ہو رہی ہے اور چھری کے نیچے لیٹے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی رو کر کہنے لگے کہ خداوندا! مجھ سے کونسا ایسا قصور ہو گیا؟ جو میرے سر کی قربانی بارگاہ کرم میں قبولیت سے سرفراز نہیں ہو رہی ہے۔

پھر حضرت خلیل خوف خداوندی سے لرزتے ہوئے چھری کو پتھر پر تیز کرنے لگے اور دوبارہ پوری قوت سے ذبح کرنا چاہا۔ مگر پھر بھی چھری نے کام نہیں کیا تو آپ نے جوش غضب میں چھری کو زمین پر پٹک دیا۔ اس وقت چھری زبان حال سے عرض کرنے لگی کہ اے ابراہیم! آپ مجھ پر کیوں خفا ہو رہے ہیں؟ میں کیا کروں؟ ایک مرتبہ مجھ سے خدا کا خلیل کہتا ہے کہ کاٹ اور ستر مرتبہ رب جلیل فرماتا ہے کہ مت کاٹ۔ تو اے خلیل اللہ۔ اللہ آپ ہی بتا دیجئے کہ میں خلیل کا کہنا مانو یا رب جلیل کی فرمانبرداری کروں؟ مسلمانو! یہ وہ منظر تھا کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے بھی حضرت خلیل اللہ کے جذبہ وفاداری و جوش فداکاری پر تحسین و آفرین کا نعرہ بلند کرنے لگے اور رب العالمین نے فرمایا کہ فرشتو! دیکھولو۔ بلاشبہ ابراہیم میرا خلیل ہے۔ دیکھ لو! کس طرح میرا خلیل میری راہ میں اپنے محبوب فرزند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے اعلان کر رہا ہے کہ ابراہیم کے قلب میں خدا کے سوا کسی کی محبت کی گنجائش نہیں ہے۔

بالآخر حضرت خلیل اللہ کے اس فداکارانہ جذبہ اخلاص وایثار پر رحمت پروردگار کو ایسا پیار آ گیا کہ جناب جبرئیل امین کو یہ حکم دیا کہ اے جبرئیل! جنت سے ایک مینڈھا لاکر حضرت اسماعیل کی جگہ لٹا دو اور جناب اسماعیل کو اٹھا کر ان کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کھول دو۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک بہشتی دنبہ لاکر لٹا دیا اور خداوند عالم نے حکم دیا کہ اے ابراہیم اب چھری چلاؤ۔ چنانچہ اب کی مرتبہ جو حضرت خلیل نے ذبح کیا تو چھری چل گئی اور قربانی ہو گئی۔ مگر جب آنکھ کی پٹی کھول کر دیکھا تو یہ منظر نظر آیا کہ ایک فربہ دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے۔ اور حضرت اسماعیل ایک طرف کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اس وقت حضرت جبرئیل نے

اللہ اکبر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور حضرت اسماعیل نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کا کلمہ جاری ہو گیا۔ (صادی شریف وغیرہ)

برادران ملت! باپ بیٹے کی یہ گفتگو اور قربانی خلیل کی داستان جمیل قرآن مجید کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے:۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط

یعنی جب حضرت اسماعیل علیہ السلام باپ کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کروں تو اے بیٹا اب تو دیکھ کہ تیری کیا رائے ہے؟

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

یعنی جناب اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ ابا جان! خدا نے آپ کو جس بات کا حکم دیا ہے اس کو کر ڈالئے انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ، وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ

یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں نے ہمارے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔ اس وقت کا حال نہ پوچھ ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم! بے شک تو نے خواب کو سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ عطا فرماتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ، وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ، وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ، سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

یعنی بے شک یہ بہت ہی کھلا ہوا امتحان تھا اور ہم نے ایک بہت بڑا ذبیحہ ان کے فدیہ میں دے کر انہیں بچا لیا اور ہم نے پیچھے آنے والی نسلوں میں ان کی تعریف باقی رکھی۔ ابراہیم پر ہمارا سلام ہو۔

برادران ملت! سن لیا آپ نے؟ یہ ہے قربانی خلیل، جانثاری ذبیح کا وہ ایمان افروز منظر کہ آفتاب و ماہتاب کی آنکھوں نے نہ کبھی روئے زمین پر یہ نقشہ دیکھا ہے نہ آئندہ دیکھنے کی امید ہے۔ مسلمانو! بالکل سچ فرمایا ہے کسی شاعر نے۔

یہ آسان ہے کہ انسان چھوڑ دے سب مال و زر اپنا
یہ آسان ہے کہ انسان چھوڑ دے تخت سلیمانی
یہ آسان ہے کہ انسان رنج اٹھائے سختیاں جھیلے
یہ آسان ہے کہ اپنی جان بھی دے دے بہ آسانی
یہ سب آسان سے آساں تر ہے، جان من مگر لیکن
بہت مشکل ہے اپنے ہاتھ سے بیٹے کی قربانی
کیا بیٹے کو قرباں راہ حق میں اپنے ہاتھوں سے
نہیں دنیا میں کوئی بھی، خلیل اللہ کا ثانی!

برادران اسلام! قربانی خلیل علیہ السلام کا یہ ایمان افروز اور عبرت آموز واقعہ در حقیقت قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کے لئے بہت بڑی ہدایت کا سامان ہے اور عید الضحیٰ کی قربانی اسی واقعہ کی مقدس یادگار ہے اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ نے اس قربانی کے بارے میں ارشاد فرمایا سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ۔ یعنی یہ قربانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت اور ان کے جوش وفا شعاری و جذبہ فداکاری کی ایک زندہ جاوید یادگار ہے۔ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ انتہائی خوشدلی اور جذبہ ایمانی و جوش اسلامی کے ساتھ قربانی کرے۔

مگر ہاں! یہ ضروری ہے کہ اس قربانی سے سنت ابراہیم پر عمل اور رضائے الٰہی کے سوا کوئی دوسری نیت نہ ہو اگر کسی نے ریاکاری و شہرت کے لئے یہ محض گوشت کھانے کے مقصد سے قربانی کی تو ہرگز ہرگز اس کی قربانی دربار خداوندی میں مقبول نہیں ہوگی۔ قرآن مجید میں احکم الحاکمین نے صاف صاف لفظوں میں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی صرف ان بندوں کی قربانیاں بارگاہ کبریا میں شرف قبولیت کے ساتھ باریاب ہوتی ہیں جن کے اعمال میں تقویٰ شعاری و پرہیزگاری کی روح کام کر رہی ہو۔

قربانی کا جانور:۔ حضرات! قربانی کا جانور نہایت فربہ، تندرست اور خوبصورت ہونا چاہئے۔

اس لئے کہ فرمان خداوندی ہے:۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

یعنی تم ہر گز ہر گز اس وقت تک نیکی نہیں پاسکتے جب تک کہ خدا کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیزوں کو نہ خرچ کرو۔

حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

سَمِّنُوْا ضَحَايَاكُمْ فَاِنَّهَا عَلَى الصِّرَاطِ مَطَايَاكُمْ.

یعنی تم لوگ فربہ جانوروں کی قربانیاں کرو کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

مگر بھائیو! آج کل ہم مسلمانوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں تو ایسی چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جو اس قابل ہی نہیں ہوتیں کہ انہیں مکان میں رکھا جاسکے۔ آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ ایسے تہبند، رومال، ساڑھیاں اور چادریں جو دنیا کے کسی بازار میں نہیں بک سکتیں۔ سیٹھ صاحبان انہیں اس لئے رکھ لیتے ہیں کہ رمضان شریف میں مدرسوں یا مسجدوں میں چندہ کے طور پر یا فقیروں کو خیرات دے کر حاتم کی قبر پر لات ماریں گے اور ہر طرف اپنی سخاوت کا ڈھول پیٹیں گے بھائیو اس موقعہ پر مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔

لطیفہ:۔ سنا ہے کہ ایک مرتبہ کسی رئیس نے کسی فقیر کو بہت ہی پرانی اور پھٹی ہوئی چادر خیرات میں دی۔ فقیر بڑا ہی مسخرہ تھا۔ اس نے چادر کو بوسہ دے کر کہا کہ سبحان اللہ اس میں تو کلمہ بھی لکھا ہوا ہے اور زور زور سے پڑھنے لگا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ .... لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. کسی نے کہا۔ ارے بھائی پورا کلمہ پڑھو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی پڑھو! تو فقیر کہنے لگا کہ بھائی! یہ چادر محمد رسول اللہ کی بعثت سے بہت پہلے کی ہے اس لئے اس پر صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لکھا ہوا ہے۔ اس چادر پر جتنا لکھا ہوا ہے میں اتنا ہی پڑھ رہا ہوں۔ یہ سن کر رئیس شرمندہ ہو گیا اور نئی چادر فقیر کو دے دی۔ خیر، توبہ نعوذ باللہ! آپ سب لوگ ایک مرتبہ میرے ساتھ بلند آواز سے پورا کلمہ طیبہ پڑھیے!

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اور ایک بار درود شریف بھی پڑھ لیجئے! اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

قربانی واجب ہے:۔ برادرن ملت! یاد رکھئے کہ ہر آزاد مقیم، صاحب نصاب مسلمان مرد و عورت پر ہر سال اپنی ذات کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔ اگر نہیں کرے گا تو سخت گنہگار، قہر قہار میں گرفتار اور عذاب جہنم کا سزاوار ہو گا۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

صاحب نصاب:۔ حضرات! میں نے عرض کیا کہ صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے تو صاحب نصاب کون ہوتا ہے؟ یہ بھی سن لیجئے۔ صاحب نصاب ہر وہ شخص ہے جو رہائشی مکان و اسباب خانہ داری اور پیشہ کے آلات کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا، خواہ چاندی سونا کی اینٹ ہو یا زیور اور برتن کی شکل میں ہو یا ان کی قیمت کے برابر نوٹ یا پیسے یا تجارتی سامان کا مالک ہو اور وہ اتنے روپوں کا قرضدار نہ ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد صاحب نصاب نہ رہے اور ہاں یہ بھی یاد رکھئے کہ زکوٰۃ دینے کے لئے تو نصاب پر ایک سال گزر جانا ضروری ہے۔ مگر قربانی واجب ہونے کے لیئے سال بھر گزرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص پہلے سے بالکل ہی مفلس و فقیر تھا اور اچانک قربانی کے دن ہی اس کو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نوٹ مل گئے تو اس پر بھی قربانی واجب ہو جائے گی۔

قربانی کا وقت:۔ ذوالحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں، تاریخیں قربانی کے مخصوص دن ہیں۔ مگر پہلا دن افضل ہے۔ جہاں نماز عید ہوتی ہے وہاں عید کی نماز سے پہلے قربانی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ نماز عید کے بعد قربانی کی جائے۔ ہاں البتہ وہ چھوٹے چھوٹے دیہاتی گاؤں جہاں نماز عید نہیں ہوتی وہ لوگ دسویں ذوالحجہ کو صبح صادق کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے لئے بھی افضل یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد قربانی کریں۔

قربانی کرنے کا طریقہ:۔ اپنے ہاتھ سے قربانی کے جانور کو ذبح کرنا افضل ہے۔ اگر خود اچھی طرح ذبح نہ کر سکے تو دوسرے شخص سے اپنی موجودگی میں ذبح کرائے اور ذبح سے پہلے یہ دعا پڑھے:۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یہ دعا پڑھ کر جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹا کر ذبح کرنے والا اپنا دایاں پاؤں جانور کے شانے پر رکھے اور اَللّٰهُمَّ لَکَ وَمِنْکَ ہ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ پڑھ کر تیز چھری سے جلد ذبح کر دے۔ جانور پکڑنے والا بھی تکبیر پڑھتا رہے۔ اگر قربانی اپنی طرف

سے ہو تو اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَمِنْ حَبِيْبِكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ اور اگر دوسرے کی جانب سے قربانی ہو تو "مِنِّیْ" کی جگہ "مِنْ" کے بعد اس شخص کا نام مع ولدیت ذکر کرنا چاہئے۔

قربانی کا گوشت:۔ حضرات گرامی! قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں۔ ایک حصہ فقراء و مساکین پر صدقہ کر دینا چاہئے اور ایک حصہ دوستوں اور عزیزوں کے یہاں بھیج دینا چاہئے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے رکھ لینا چاہئے اور اگر کل گوشت خود ہی کھالیں یا کل گوشت دوستوں اور رشتہ داروں کو دے دیں یا تمام گوشت فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے مگر اس کا خاص طور پر خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ اس متبرک گوشت میں سے کسی کافر کو ایک بوٹی بھی ہرگز ہرگز نہ دیں۔

قربانی کی کھال:۔ حضرات! قربانی کی کھال میں بھی لوگ اکثر بے احتیاطی کرتے ہیں اس لئے اس کے بارے میں بھی کچھ عرض کر دیتا ہوں۔ قربانی کی کھال بیچ کر اپنے اوپر خرچ کرنا یا قصاب کی اجرت میں دینا یا جانور کی قیمت میں وضع کرنا منع ہے۔ اگر اپنے کام میں لانے کی نیت سے کھال فروخت کر دی ہے تو اس قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔ ہاں بعینہ کھال اپنے مصرف میں لائیں یا اس کے بدلے میں کوئی باقی رہنے والی چیز مثلاً، مصلّٰی، ڈول، چھلنی وغیرہ لے لیں تو جائز ہے۔ اس زمانے میں سنی مدارس عربیہ کے غریب و نادار طلبہ ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں۔ کیونکہ اس میں صدقہ کا بھی ثواب ہے اور تعلیم دین کی اعانت کا اجر عظیم بھی۔

تکبیر تشریق:۔ حضرات! عشرہ ذوالحجہ و ایام تشریق میں تکبیر تشریق کی بھی بہت ہی اہمیت ہے جس سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ پر بھی خاص طور سے توجہ کی ضرورت ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ نویں ذوالحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز پنجگانہ کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ ایک بار بلند آواز سے تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے اور تین بار افضل ہے تکبیر تشریق یہ ہے:۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

تکبیر تشریق سلام پھیرنے کے بعد فوراً واجب ہے نفل و سنت اور وتر کے بعد تکبیر واجب نہیں اور جمعہ کے بعد واجب ہے اور نماز عید کے بعد بھی یہ تکبیریں پڑھ لیں۔ امام اگر تکبیر

تشریق نہ کہے جب بھی مقتدی پر کہنا واجب ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ،
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ،

....

بیسواں وعظ

غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غوثِ اعظم بمنِ بے سروساماں مددے
قبلہ دیں! مددے کعبہ ایماں مددے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ اَوْلِيَآءَ ہٗ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ شَانِهِمْ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ انْكَشَفَ عَلَيْهِ سِرُّمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ، وَبَشَّرَ بِهِ الْاَنْبِيَآءُ وَصَدَّقَ بِهِ الْمُرْسَلُوْنَ ۔ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ وَهُمْ مُّفْلِحُوْنَ ۔ وَعَلَی الْغَوْثِ الْاَعْظَمِ وَحِزْبِهِ الَّذِيْنَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۔ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

برادران ملت!

بصد ادب واحترام بارگاہ رسالت میں درود و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے اور بآواز بلند پڑھئے!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرات گرامی! میں آج حضرت محبوب سبحانی حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات اور آپ کی کرامات کے بارے میں چند کلمات عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے آپ کو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں اعلیٰ حضرت قبلہ سرہ العزیز کی ایک منقبت سنادوں۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث! ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا؟ — اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا — شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

تو حسینی، حسنی، کیوں نہ محی الدین ہو — اے خضر! مجمع بحرین ہے دریا تیرا

قسمیں دے دے کر کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے　　پیارا اللہ تیرا، چاہنے والا تیرا
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے　　افق نور پر ہے مہر ہمیشہ تیرا
مرغ سب بولتے ہیں بول کے چپ رہتے ہیں　　ہاں اصیل ایک نواسنج رہے گا تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبے کا طواف　　کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے　　نہ مٹا ہے نہ مٹے گا، کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا　　جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

ہیں! رضا یوں نہ بلک تو نہیں جید تو نہ ہو
سید جید ہر دہر ہے مولیٰ تیرا

بزرگو اور بھائیو! اولیاء کرام تو بہت ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے لیکن اس میں شک نہیں کہ کشف و کرامات اور مجاہدات و تصرفات کی بعض خصوصیات کے لحاظ سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولیاء کی جماعت میں ایک خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء متقدمین میں سے بہت سے باکمال اور بڑے بڑے صاحبان کشف و حال بزرگوں نے آپ کے ظہور کی بشارتیں دی ہیں۔ اور اولیاء متاخرین میں سے ہر ایک آپ کی مقدس دعوت کا نقیب، اور آپ کی مدح و ثنا کا خطیب رہا۔ اور علماء سلف و خلف نے آپ کے بلند درجات اور تصرفات و کرامات کے بارے میں اس قدر کتابیں تحریر فرمائیں کہ شاید ہی کسی دوسرے ولی کے بارے میں مستند تحریروں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہو۔ آپ کی بزرگی و ولایت اس قدر مشہور اور مسلم الثبوت ہے کہ آپ کے "غوث اعظم" ہونے پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ عزیز الدین بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کسی ولی کی کرامتیں اس قدر تواتر کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچی ہیں جس قدر تواتر کے ساتھ حضرت غوث کی کرامتیں ثقات سے منقول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے بڑے بڑے علماء دہر اور اولیاء مصر نے آپ کے تبحر علمی اور درجہ ولایت کی عظمت کا اعتراف کیا اور آپ کی شان میں ایسے ایسے کلمات تحسین ارشاد فرمائے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

نسبی شرافت اور خاندانی وجاہت کے علاوہ علمی جلالت، علمی عظمت، کمال ولایت کثرت کرامت کی جامعیت آپ کی یہ وہ خاص الخاص خصوصیات ہیں۔ جو بہت کم اولیاء کو حاصل

ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ اپنے اپنے دور میں چاند کی طرح چمکے اور چند دنوں ان کی شہرت و مقبولیت کا ڈنکا بجتا رہا مگر رفتہ رفتہ چودھویں کے چاند کی طرح ان کے ذکر و شہرت کی روشنی گھٹتی اور کم ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ دنیا ان کے ناموں کو بھی فراموش کر گئی۔ مگر حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو باوجود یہ کہ اس وقت تک آٹھ سو چالیس برس(1) کا طویل زمانہ گزر گیا۔ مگر آپ کی شہرت کے آفتاب کو کبھی گہن نہیں لگا۔ بلکہ ہمیشہ آپ کی ولایت و کرامت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجتا ہی رہا اور آج بھی آپ کی عظمتوں اور کرامتوں کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک چمکتا ہی رہے گا۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے۔

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا!

ولادت اور خاندان:۔ حضرات گرامی! حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکم رمضان 470ھ کو ایران کے ایک شہر گیلان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید ابو صالح جنگی دوست اور والدہ کا نام ام الخیر امتہ الجبار فاطمہ ہے۔ والد ماجد کی طرف سے آپ کا شجرۂ نسب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ خاندان حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہے۔ اس لئے آپ خاندانی شرافت اور نسبی وجاہت کے اعتبار سے حسنی سید بھی ہیں اور حسینی سید بھی۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا۔

تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے دریا تیرا

حضرات! آپ کا خاندانی وجاہت کا کیا کہنا؟ آپ کا خاندان گویا گوہر ولایت کی کان ہے۔ چنانچہ نسلاً بعد نسل ہمیشہ اس خاندان کے افق سے ولایت کے آفتاب طلوع ہوتے رہے۔ آپ کے والدین، نانا جان، پھوپھی جان، آپ کے فرزند، سب کے سب ولایت کے آسمان پر ستاروں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت ابو صالح اپنے دور کے صالحین

---

(1)1401ھ:(پیدائش:470ھ:وصال561ھ)1401ھ-561ھ= 840سال

اولیاء میں تقویٰ شعاری اور پرہیز گاری کے اعتبار سے نہایت پرہیز گار اور انتہائی عبادت گزار تھے۔ اسی طرح آپ کی والدہ ماجدہ بھی تقویٰ و پرہیز گاری میں وحیدہ دہر و فریدہ عصر تھیں۔ حضرت غوث اعظم کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ تجربات شاہد ہیں اور اطباء کا یہ فیصلہ ہے کہ اس عمر میں اولاد پیدا ہونا کسی عورت کے لئے محال عادی ہے مگر یہ بھی آپ کی ایک قابل ذکر کرامت ہے کہ اس عمر میں آپ کے نورانی شکم سے ولایت کا ایک ایسا آفتاب طلوع ہوا جس کی ہدایت کی روشنی نے سارے عالم کو منور کر دیا!

آپ کے نانا حضرت شیخ عبداللہ صومعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنے بڑے جلیل القدر زاہد و عابد اور مستجاب الدعوات و صاحب کرامات ولی تھے کہ غیب کی خبریں دیا کرتے تھے جو سو فیصدی صحیح ہوا کرتی تھیں اور ابو عبداللہ قزدینی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ سمرقند کے سنسان بیابان میں ہمارے احباب کے قافلہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ اس مصیبت کے وقت قافلہ والوں نے اپنی مدد کے لئے شیخ عبداللہ صومعی کو پکارا اور آپ فوراً قافلہ میں تشریف فرما ہو گئے اور بلند آواز سے فرمایا:۔

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا اللّٰهُ تَفَرَّقِیْ عَنَّا یَاخَیْلُ.

یعنی پاک اور مقدس ہے ہمارا رب اللہ ہے اے سوارو! ہم سے دور بھاگ جاؤ۔

یہ سنتے ہی تمام ڈاکو جو گھوڑوں پر سوار تھے ایک دم فرار ہو گئے اور پورا قافلہ ڈاکوؤں کی لوٹ مار سے محفوظ رہا اور شیخ عبداللہ صومعی بھی ایک دم وہاں سے غائب ہو گئے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر کہیں نہیں ملے۔ قافلہ والوں کا بیان ہے کہ جب ہم گیلان واپس لوٹے اور لوگوں سے شیخ عبداللہ صومعی کی اپنے قافلہ میں تشریف آوری اور ان کی امداد کا ذکر کیا تو گیلان والوں نے کہا:۔

"وَاللّٰهِ مَا غَابَ الشَّیْخُ."

یعنی خدا کی قسم شیخ عبداللہ صومعی ایک لمحہ کے لئے بھی گیلان سے غائب نہیں ہوئے۔ (قلائدالجواہر ص3)

اسی طرح آپ کی پھوپھی "سیدہ عائشہ" بھی بڑی صاحب کرامات ولیہ تھیں۔ ایک مرتبہ

گیلان میں بارش نہیں ہوئی اور خلق خدا قحط کے وبال سے بدحال ہو گئی لوگ آپ کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے صحن میں جھاڑو دے کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور یہ کہا:۔

رَبِّ اَنَا کَنَسْتُ فَرْشِ اَنْتَ

یعنی اے میرے پروردگار! میں نے جھاڑو دے دی تو چھڑکاؤ کردے۔

اتنا عرض کرنا تھا کہ ناگہاں آسمان پر بادل منڈلانے لگے اور ایسی موسلادھار بارش ہوئی کہ لوگ نہال اور خوشحال ہو گئے۔ (بہجۃ الاسرار)

آپ کا بچپن:۔ حضرات! تمام علماء اور اولیاء کا اتفاق ہے کہ آپ مادر زاد ولی ہیں۔ چنانچہ ولادت کے بعد ہی آپ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ آپ رمضان میں طلوع فجر سے غروب آفتاب تک دودھ نہیں پیتے تھے یہ کرامت اس قدر مشہور ہوئی کہ اطراف گیلان میں ہر طرف یہ چرچا تھا۔

وُلِدَ لِلْاَشْرَافِ وَلَدٌ لَا یَرْضَعُ فِیْ رَمَضَانَ

یعنی سادات کے گھرانے میں ایک بچہ ایسا پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن بھر دودھ نہیں پیتا۔ (قلائد الجواہر ص3)

حضرات! بچپن میں عام طور پر بچے کھیل کود کے شوقین ہوا کرتے ہیں مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ آسمان قطبیت کا یہ روشن ستارہ کھیل کود میں مارا مارا پھرے۔ اس لئے آپ لڑکپن ہی سے لہو ولعب سے متنفر اور دور رہے۔ آپ نے خود اپنے بچپن کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

کُلَّمَا هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَبَ مَعَ الصِّبْیَانِ اَسْمَعُ قَآئِلاً یَّقُوْلُ اِلَیَّ یَا مُبَارَكُ.

یعنی جب کبھی میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کرتا تو میں سنتا تھا کہ کوئی کہنے والا مجھ سے کہتا ہے کہ اے برکت والے میری طرف آجا۔

(بہجۃ الاسرار)

سبحان اللہ کیا خوب فرمایا جمیل قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے ؎

رہے پابند احکام شریعت ابتداء ہی سے
نہ چھوٹا شیر خواری میں بھی روزہ غوث اعظم کا
"اِلَیَّ یا مبارك" آتی تھی آواز خلوت میں
یہ دربار الٰہی میں ہے رتبہ غوث اعظم کا

حضرات! ایک مرتبہ لوگوں نے حضور غوثیت مآب سے عرض کیا کہ آپ کو اپنی ولایت کا علم کب ہوا؟ تو فرمایا کہ دس برس کی عمر میں جب میں مکتب میں پڑھنے کے لئے جاتا تھا تو ایک غیبی آواز آتی تھی، جس کو تمام اہل مکتب سنا کرتے تھے۔

"اَفْسِحُوْا لِوَلِیِّ اللّٰهِ"

یعنی اللہ کے ولی کے لئے جگہ کشادہ کر دو۔ (قلائدالجواہر ص 9)

حضرات! ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ شفقت پدری کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی ابواحمد عبداللہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام آپ کی والدہ ماجدہ ہی نے فرمایا۔ ابواحمد عبداللہ تو عالم شباب ہی میں رحلت فرماگئے مگر آپ اٹھارہ سال کی عمر تک گیلان ہی میں مختلف درس گاہوں کے اساتذہ سے علم حاصل فرماتے رہے۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر علوم عربیہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔

تعلیمی سفر:۔ اور اٹھارہ برس کی عمر میں اپنی والدۂ ماجدہ سے اجازت لے کر تحصیل علم کے لئے سفر فرمایا اور گیلان سے چار سو میل سے زائد کا سفر کر کے 488ھ میں بغداد شریف پہنچے، اسی سفر میں ڈاکوؤں کا مشہور واقعہ در پیش ہوا۔ یعنی آپ کا قافلہ ہمدان سے آگے بڑھا ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے ایک دم قافلہ پر یلغار کر کے سارے قافلہ کو لوٹ لیا۔ ایک رہزن آپ کے پاس بھی آ کر کہنے لگا کہ میاں صاحبزادے تمہارے پاس بھی کچھ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں! میرے پاس چالیس دینار ہیں جو میری گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔ ڈاکو نے بگڑ کر کہا کہ صاحبزادے! ہم سے مذاق مت کرو۔ ہم ڈاکو ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں مذاق نہیں کرتا۔ بلکہ سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے آپ کی تلاشی لی تو حیران رہ گیا کہ واقعی آپ کی گدڑی میں سے چالیس دینار نکل پڑے ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ میاں صاحبزادے! سب لوگ تو ہم ڈاکوؤں سے اپنی دولت کو چھپاتے ہیں اور تم نے بلا کسی سختی کے اپنی دولت کو

ظاہر کر دیا آخر اس کا راز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا راز یہ ہے کہ گھر چلتے وقت میری مقدس ماں نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی اور عہد لیا تھا کہ بیٹا! تم کبھی کسی حال میں بھی جھوٹ مت بولنا۔ اس لئے میں ہر گز ہر گز کبھی بھی اپنی والدۂ ماجدہ کی وصیت اور ان کے عہد کو فراموش نہیں کر سکتا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے جب یہ سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ ایک آہ کھینچ کر بولا۔ آہ۔ افسوس! میاں صاحبزادے! تم اپنی ماں کے فرمان پر عمل پیرا ہو اور میں خدا کے عہد و پیمان کو توڑ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر روتے ہوئے وہ آپ کے قدموں پر گر پڑا اور صدق دل سے تائب ہو گیا۔ ڈاکوؤں نے اپنے سردار کو توبہ کرتے دیکھا تو کہنے لگے جب تم رہزنی میں ہمارے سردار تھے تو اب توبہ میں بھی تم ہمارے سردار ہو۔ چنانچہ تمام ڈاکوؤں نے بھی توبہ کر کے قافلہ والوں کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اور سب کے سب عبادت و ریاضت میں مشغول ہو کر اپنے دور کے بہترین صالحین بن گئے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

"هُمْ اَوَّلُ مَنْ تَابَ عَلٰى يَدِىْ."

یعنی یہ سب سے پہلا گروہ تھا جو میرے ہاتھ پر تائب ہوا۔

(قلائد الجواہر ص 9)

ورود بغداد:۔ بغداد شریف پہنچ کر وہاں کی مشہور درس گاہ "جامعہ نظامیہ" میں بحیثیت ایک طالب علم کے داخل ہوئے اور بڑے بڑے مشہور علماء کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علوم کی تکمیل فرمائی۔ علامہ ابو زکریا یحییٰ بن علی سے علم ادب پڑھا اور ابو الوفاء علی بن عقیل اور محمد بن قاضی ابو یعلی اور قاضی ابو سعید مخزومی وغیرہ باکمالوں سے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابو غالب محمد بن الحسن باقلانی وغیرہ تقریباً سترہ (17) محدثین کرام کی درس گاہوں میں علم حدیث پڑھ کر مہارت تامہ حاصل فرمائی اور تمام مروجہ علوم عربیہ میں پورا پورا تجربہ علمی حاصل کر لیا۔ چنانچہ خود قصیدۂ غوثیہ میں آپ نے فرمایا۔

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰى صِرْتُ قُطْبًا

وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَى الْمَوَالِىْ

یعنی میں علم پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ "قطب" ہو گیا اور تمام مولاؤں کے مولیٰ اللہ عزوجل کی طرف سے مجھے سعادت کے خزانے مل گئے۔

آپ کا صبر و استقلال:۔ حضرات! آپ بہت ہی صابر اور مستقل مزاج تھے چنانچہ آپ کو زمانہ طالب علمی میں اپنی تنگدستی کے سبب بڑی بڑی شدید ترین تکلیفیں اٹھانی پڑتی تھیں۔ والدۂ ماجدہ کبھی کبھار کچھ مختصر درہم ودینار بھیج دیا کرتی تھیں۔ اسی سے خورد ونوش کا کام چلتا تھا۔ ایک مرتبہ بغداد میں بڑا ہی خوفناک قحط پڑا۔ اس وقت آپ کو بڑے ہی سخت مصائب و آفات کا سامنا کرنا پڑا۔ فاقوں پر فاقے ہوتے تھے یہاں تک کہ فاقوں سے نڈھال اور بھوک سے بیتاب ہو کر ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے گئے تا کہ درختوں کے پتے یا کوئی جنگلی پھل ہی کھا کر کچھ سکون حاصل کریں۔ مگر جس طرف جاتے ہر جگہ مساکین کا ہجوم پاتے اور کہیں بھی کھانے کے لائق کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ پھر شہر کی طرف واپس لوٹے اور جب بھوک سے آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور چند قدم چلنا بھی محال ہو گیا تو ایک مسجد میں جا کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں کیا دیکھا؟ کہ ایک عجمی شخص مسجد میں آیا اور بھنا ہوا گوشت اور روٹی تھیلے سے نکال کر کھانے لگا۔ اتفاقاً اس کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے کہا کہ آؤ بھائی! تم بھی کھانا کھالو۔ آپ نے پہلے تو انکار فرمادیا۔ مگر اس کے اصرار سے مجبور ہو کر دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ اس نے آپ کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں گیلان کا رہنے والا ہوں اور تحصیل علم کے لئے بغداد آیا ہوں۔ یہ سن کر وہ چونکا اور کہا کہ میں بھی گیلان ہی کا باشندہ ہوں۔ اچھا تم یہ بتاؤ؟ کہ تم گیلان کے رہنے والے اس طالب علم کو جانتے ہو جس کا نام "عبدالقادر" ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تو میں ہی ہوں۔ یہ سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رورو کر کہنے لگا کہ میاں سید زادے! خدا کی قسم! میں نے تم کو بہت تلاش کیا مگر تم نہیں ملے اور بغداد میں میری ساری رقم خرچ ہو گئی۔ تمہاری والدہ نے چند درہم تمہارے لئے بھیجے تھے جو میرے پاس امانت تھے۔ لیکن آج جب کہ تین دن کے مسلسل فاقوں سے میں جاں بلب ہو گیا تو میں نے تمہاری امانت میں سے یہ کھانا خریدا ہے۔ خدا کی قسم! یہ کھانا تمہارا ہے اور میں تمہارا مہمان ہوں۔ میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہاری امانت میں خیانت کا جرم کیا ہے۔ للہ! میرا یہ قصور معاف کر دو آپ نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس کو معاف فرمادیا اور اس کے پاس سے باقی درہموں کو لے کر اس کی دلجوئی کے لئے اس میں سے کچھ درہم اس کو عطا فرما کر رخصت کیا۔ (قلائد الجواہر)

سوال نہ کرنے کا عہد:۔ حضرات! روایت ہے کہ اسی قحط بغداد کے وقت بہت سے طالب علم غلہ وصول کر لینے کے لئے دیہاتوں میں جانے لگے تو آپ بھی ان کے ساتھ چلے گئے اور ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک بزرگ رہتے تھے۔ ان کی نظر جمال غوثیت پر پڑی تو وہ اپنی فراست باطنی سے تاڑ گئے کہ یہ ذرہ کبھی آفتاب بن کر چمکنے والا ہے۔ چنانچہ ان بزرگ نے آپ کو سامنے بلا کر فرمایا کہ بیٹا عبدالقادر! طالبان حق کبھی کسی کے سامنے سوال کے لئے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ پھر انہوں نے آپ سے عہد لیا کہ کبھی سوال نہیں کریں گے چنانچہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام عمر اپنے اس عہد کے پابند رہے اور بڑی سے بڑی مشکلات میں بھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا۔

برادران ملت!

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ عہد اور عمل ان پیر زادوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو دن رات مریدوں کی جیبوں پر نظر رکھتے ہیں اور ہر وقت کسی نہ کسی فرمائش اور سوال سے اہل دنیا کے سامنے اپنی خاندانی وجاہت کو پامال کرتے رہتے ہیں۔ اور سوائے لینے کے کسی کو کچھ دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

لطیفہ:۔ حضرات! مجھے اس وقت ایک پیر زادہ صاحب کا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ سنا ہے کہ کوئی پیر زادہ صاحب دریا میں گر پڑے اور ڈوبنے لگے فوراً ہی کوئی شریف آدمی دوڑ پڑا اور بولا کہ حضور! دیجئے ہاتھ! تو پیر زادہ صاحب پیچھے ہٹ گئے اور ڈبکی لگانے لگے۔ اتنے میں ان کا مرید جو ان کا مزاج داں تھا آ گیا اور کہا کہ حضور "لیجئے ہاتھ" تو فوراً پیر زادہ صاحب نے ہاتھ بڑھا دیا اور دریا میں سے نکل آئے۔ شریف آدمی نے پوچھا کہ حضور یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ میں نے جب کہا کہ حضور "دیجئے ہاتھ" تو آپ پیچھے ہٹ گئے اور ڈوبنے لگے اور جب مرید نے کہا کہ حضور "لیجئے ہاتھ" تو آپ نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر نکل آئے۔ تو پیر زادہ صاحب نے فرمایا کہ "کچھ نہیں" بس دیجئے اور لیجئے کا فرق ہو گیا۔ آپ نے "دیجئے ہاتھ" کہا تھا اور ہم پیر زادے لوگ کبھی "دیجئے" کا لفظ سننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔ خواہ ہم ڈوب ہی کیوں نہ جائیں۔ ہم تو بس "دیجئے" سننے کے خوگر ہیں اس لئے جب مرید نے لیجئے ہاتھ کہا تو حسب عادت ہمارا ہاتھ بڑھ گیا اور ہماری جان بچ گئی۔

برادران ملت!

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور پرانے بزرگوں میں "پیری مریدی" کا شغل اللہ کی رضا کے لئے تھا۔ اور اب نااہلوں نے اس کو روٹی کا دھندا بنالیا ہے اب تو یہ حال ہے کسی مسخرے شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

باندھے کوئی رومال تو روٹی کے واسطے | کپڑے جو پہنے لال تو روٹی کے واسطے
سر پر بڑھائے بال تو روٹی کے واسطے | ہیں سارے کشف وحال تو روٹی کے واسطے
آیا اگر جلال تو روٹی کے واسطے | دکھلایا گر جمال تو روٹی کے واسطے
تسبیح ذوالجلال تو روٹی کے واسطے | قوالی اور حال تو روٹی کے واسطے
گدی کا ہے جدال تو روٹی کے واسطے | قبروں پہ ہے دھمال تو روٹی کے واسطے
آٹے کا ہے سوال تو روٹی کے واسطے | لائے کہیں سے دال تو روٹی کے واسطے

برادران ملت! ان ہی حالات کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال نے بڑی ہی حسرت کے ساتھ یہ کہا ہے

قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ جو کہتے تھے سب رخصت ہوئے

خانقاہوں میں "مجاور" رہ گئے یا "گورکن"

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طالب علمی کا زمانہ بڑا عسرت اور تنگدستی کی حالت میں گزرا مگر صبر واستقلال اور عزم واستقامت کے ساتھ برابر تحصیل علم میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ علمی تبحر اور کمال میں اپنے دور کے عالم بے مثال بن گئے اور ہر طرف آپ کی علمی جلالت کا سکہ بیٹھ گیا۔

علمی تبحر:۔ حضرات! آپ کے علمی کمال کا یہ حال تھا کہ جب بغداد میں آپ کی مجالس وعظ میں ساٹھ ساٹھ اور ستر ستر ہزار سامعین کا مجمع ہونے لگا تو بعض عالموں کو حسد ہونے لگا کہ ایک عجمی شخص کو بغداد میں اس قدر مقبولیت کیوں کر حاصل ہو گئی؟ چنانچہ حافظ ابوالعباس احمد بن احمد بغدادی اور علامہ حافظ عبدالرحمن بن الجوزی جو دونوں اپنے وقت میں علم کے سمندر اور حدیثوں کے پہاڑ شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کی مجلس وعظ میں بغرض امتحان حاضر ہوئے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ جب حضور غوثیت مآب نے وعظ شروع فرمایا تو ایک آیت کی تفسیر بیان فرمانے لگے۔ پہلی تفسیر سنائی تو ان دونوں عالموں نے ایک دوسرے

کی طرف دیکھا اور دونوں نے تصدیق کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔ اسی طرح گیارہ تفسیروں تک تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ دیکھ کر سر ہلاتے اور تصدیق کرتے رہے مگر جب حضرت غوث اعظم نے بارہویں تفسیر فرمائی تو اس تفسیر سے دونوں ہی لاعلم تھے۔ اس لئے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں آپ کا منہ تکنے لگے اسی طرح چالیس تفسیریں اس آیت کی آپ بیان فرماتے چلے گئے اور یہ دونوں محو حیرت بنے سنتے اور سر دھنتے رہے۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ "وَجَعْنَا مِنَ الْقَالِ اِلَى الْحَالِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" یعنی اب قال سے ہم حال کی طرف پلٹے یہ فرمایا اور ایک مرتبہ جو بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا نعرہ بلند فرمایا تو ساری مجلس میں ایک جوش کیفیت اور اضطراب پیدا ہو گیا۔ اور علامہ ابن جوزی نے جوش حال میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ (بہجۃ الاسرار)

ایک سو علماء غوث کے قدموں پر:۔ حضرات! اسی طرح مفرج بن نبہان کا بیان ہے کہ بغداد کے ایک سو بلند پایہ علماء آپ کی مجلس وعظ میں امتحان کے لئے گئے۔ ہر ایک نے ایک ایک مشکل سے مشکل مسئلہ سوال کے لئے اپنے ذہن میں رکھا۔ لیکن جس وقت آپ وعظ کی کرسی پر رونق افروز ہوئے تو قبل اس کے کہ کوئی سوال کرے آپ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر مراقبہ فرمایا۔ پھر یکایک آپ کے سینہ اقدس سے ایک نورانی تجلی نمودار ہوئی اور بجلی کی طرح کوند کر تمام علماء کے سینوں میں پیوست ہو گئی اور سب کے سب چیخ مار کر اپنے کپڑوں کو پھاڑنے لگے اور اپنی اپنی پگڑیاں پھینک کر برہنہ سر کرسی کی طرف دوڑ پڑے اور اپنا اپنا سر غوث اعظم کے قدموں میں ڈالنے لگے پھر حضرت غوث اعظم نے ہر ایک کو اپنے سینے سے لگا لگا کر ان کے مشکل مسائل کا جواب دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہر ایک کے سوالوں کا جواب پورا ہو گیا اور سب سکون کے ساتھ بیٹھ کر وعظ سننے لگے مفرج بن نبہان کہتے ہیں کہ وعظ ختم ہونے کے بعد میں ان علماء سے ملا اور دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہو گیا تھا؟ تو ان لوگوں نے بتایا کہ جیسے ہی ہم سوال کی نیت سے مجلس میں حاضر ہوئے اچانک ایک دم ہمارا سارا علم ہی سلب ہو گیا اور ہم اپنے علمی کمال کے زوال پر بے قرار ہو کر بلبلا اٹھے۔ لیکن جب غوث اعظم نے ہم کو اپنے سینے سے لگا لیا تو ہمارا سارا علم واپس آ گیا۔ بلکہ اس قدر زیادہ شرح صدر حاصل ہو گیا کہ حضرت غوث اعظم کے جوابوں سے ہمارے دلوں کے بند دروازے کھل گئے اور ہم علوم سے مالا مال ہو گئے۔ (قلائد الجواہر)

بہر حال آپ کا علمی کمال اس قدر بلند پایہ ہے کہ اصاغر و معاصرین تو کجا؟ آپ کے اساتذہ نے آپ کے علمی تجر اور فضل و کمال کا اعتراف فرماتے ہوئے آپ کو بڑی بڑی بشارتیں دیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابو سعید مخرومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے استاد فقہ اور شیخ خرقہ ہیں بارہا یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے عبدالقادر! وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہاری ذات مرجع خلائق ہو گی اور تم سے رشد و ہدایت کا ایسا دریا جاری ہوگا جس سے فیض حاصل کر کے ہزاروں بندگان خدا سیراب ہوں گے۔

تصوف و سلوک:۔ حضرات گرامی! علوم عربیہ اور فقہ و حدیث میں کامل مہارت اور تکمیل کے بعد آپ "علوم تصوف" کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس رضی اللہ عنہ کی خانقاہ میں حاضر ہو کر علم تصوف کا درس حاصل کرنے لگے!

حضرات! حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس بغداد کے تمام صوفیہ اور مشائخ سے مسلم الثبوت استاذ الکل ہیں۔ ان کا اصلی وطن "رحبہ" ہے مگر یہ بغداد کے محلّہ مظفریہ میں رہا کرتے تھے۔ انتہائی مستجاب الدعوات اور صاحب کرامت صوفی باصفا تھے۔ عربی زبان میں انگور کا شیرہ بیچنے والوں کو "دباس" کہتے ہیں۔ آپ چونکہ رزق حلال طلب کرنے کے لئے "شیرۂ انگور" فروخت کیا کرتے تھے اس لئے "دباس" کہلاتے ہیں۔ آپ کی ایک بڑی ہی خاص اور ظاہر کرامت یہ تھی کہ آپ کے شیرہ پر بھڑ یا مکھی کبھی نہیں بیٹھتی تھی۔

برادران ملت!

حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس کی خانقاہ میں حاضری دینے کے بارے میں خود حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ علم ظاہر سے فارغ ہونے کے بعد میرے قلب میں کچھ وسوسے اور خطرات کی کیفیت محسوس ہوئی تو میں نے حضرت حق جل مجدہٗ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگی کہ الٰہی! تو مجھے اپنے کسی ایسے بندے کی صحبت نصیب فرما جو میرے خطرات نفس اور قلبی وسوسوں کو دور کر دے۔ چنانچہ دوسرے دن جب میں محلّہ مظفریہ سے گزر رہا تھا تو ایک باوقار بزرگ نے اپنا دروازہ کھول کر مجھے میرا نام لے کر پکارا اور فرمایا کہ تم نے رات میں کیا دعا مانگی تھی؟ میں ان کی ہیبت سے اس قدر مرعوب اور پراگندہ دماغ ہو گیا کہ مجھے اپنی دعا کا خیال نہیں آیا اور میں کچھ نہ بول سکا تو انہوں نے میری خاموشی پر غضب ناک ہو کر اتنے زور

سے اپنا دروازہ بند کر لیا کہ دروازہ کی خاک اور دھول اڑ کر میرے اوپر پڑ گئی۔ پھر میں جب کچھ دور چلا تو مجھے اپنی دعا کا خیال آ گیا اور میں فوراً ہی واپس لوٹ کر ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنے شبہات اور وسوسوں کو ان کے سامنے عرض کیا۔ تو انہوں نے مجھ پر کچھ ایسا تصرف فرمایا کہ میرے شبہات ایک دم دور ہو گئے اور مجھے ان سے ایسی والہانہ عقیدت پیدا ہو گئی کہ ایک مدت دراز تک ان کی خدمت میں حاضر رہ کر علم طریقت اور تصوف کا درس لیتا رہا۔ اور راہ سلوک کی منزلیں طے کرتا رہا۔ پھر فرمایا یہ بزرگ حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس تھے۔

(قلائد الجواہر ص 12)

ریاضت و مجاہدہ:۔ علم ظاہر و باطن کی تکمیل کے بعد آپ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے اور بڑے بڑے مجاہدے کئے برسوں مدائن اور ایوان کسریٰ کے کھنڈرات میں چلے اور مراقبے کرتے رہے کئی کئی ماہ کے بعد صرف گری پڑی مباح چیزیں کھا لیتے اور پانی نہیں پیتے کبھی کبھی صرف پانی پی لیا کرتے اور مہینوں تک کچھ نہیں کھاتے۔ ویرانوں اور جنگلوں میں بھوکے پیاسے گشت کرتے رہتے اور کبھی کبھی چالیس چالیس دنوں تک بے آب و دانہ مسلسل عبادت و ریاضت میں مشغول رہ کر خواہشات نفسانیہ سے جہاد فرماتے رہے۔ احمد بن یحییٰ ناقل ہیں کہ میں نے خود حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ پچیس برس تک عراق کے جنگلوں میں پھرتا رہا اس وقت نہ میں لوگوں کو پہچانتا تھا نہ لوگ مجھے پہچانتے تھے اور میں برابر چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا رہا اور پندرہ سال تک مسلسل نماز عشاء کے بعد سے صبح تک روزانہ بلاناغہ ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہا۔

برادران ملت! ان ہی ریاضت و مجاہدات کے دوران کچھ دنوں کے لئے آپ پر جذب و سکر کی کیفیت بھی طاری ہو گئی تھی۔ چنانچہ بعض وقت آپ جنگلوں اور ویرانوں میں دوڑتے پھرتے اور آپ کو یہ خبر نہیں ہوتی تھی کہ کہاں جا رہے ہیں؟ جب صحو اور ہوشیاری کی کیفیت نمودار ہوتی تو آپ اپنے کو کسی دور دراز مقام پر پاتے اور کبھی کبھی آپ پر ایسی کیفیت بھی وارد ہو جاتی تھی کہ بیابانوں اور ویرانوں میں زور زور سے چلا چلا کر ذکر بالجہر کرتے اور نعرہ مارتے پھرتے تھے یہاں تک کہ لوگ آپ کو دیوانہ سمجھنے لگتے تھے۔

شیطان کا حملہ:۔ حضرات! مجاہدہ کے ان ایام میں شیطان نے بارہا آپ پر حملہ کیا اور طرح

طرح سے آپ کو لغزش میں ڈالنا چاہا مگر جب کبھی بھی شیطان آپ پر حملہ کرتا تو آپ ہاتف غیبی کی یہ آواز سنتے تھے:۔

قُمْ اِلَیْهِمْ قَدْ ثَبَّتْنَاكَ تَثْبِیْتًا وَّاَیَّدْ نَاكَ تَاْیِیْدًا۔

یعنی اے عبدالقادر! تم ان شیطانوں کے مقابلہ کے لئے اٹھو۔ کیونکہ ہم نے تمہیں ثابت قدم رکھا ہے اور ہماری تائید تمہارے ساتھ ہے۔

حضرات! حضرت غوث اعظم کے فرزند شیخ سید موسیٰ کا بیان ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سیاحت کے دوران کسی ایسے میدان میں پہنچ گئے جہاں پانی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ جب آپ پر انتہائی شدید پیاس کا غلبہ ہوا تو کیا دیکھا؟ کہ ناگہاں ایک بادل کا ٹکڑا آ گیا اور بارش ہونے لگی۔ جس سے آپ سیراب ہو گئے پھر یکایک ایک روشنی ظاہر ہوئی اور ایک صورت نظر آئی۔ اور اس نے پکار کر کہا کہ اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور میں نے تمام حرام چیزوں کو تیرے لئے حلال کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا اور یہ فرمایا کہ اے ملعون! دور ہو جا۔ یہ فرماتے ہی ایک دم وہ روشنی غائب ہو گئی اور وہ صورت دھواں بن کر پھیل گئی اور اس میں سے یہ آواز آئی کہ جا! اے عبدالقادر! آج تجھ کو تیرے علم نے بچا لیا۔ ورنہ یہ وہ جگہ ہے کہ اس سے پہلے ستر اولیاء طریقت کو میں نے یہاں گمراہ کر کے ان کی ولایت کو غارت و برباد کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے شیطان! میرا علم بھلا کیا بچا سکتا ہے؟ جب تیرا علم تجھ کو نہیں بچا سکا۔ میں اپنے علم سے نہیں بلکہ اپنے رب کے فضل و کرم کی بدولت تیرے شر سے محفوظ رہا۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ حضور! آپ نے یہ کس طرح پہچان لیا؟ کہ یہ شیطان ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کے گمراہ کن قول سے کہ تمام حرام چیزوں کو تیرے لئے حلال کر دیا۔ فوراً میں نے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہی ہے کیونکہ خداوند قدوس کبھی بھی فحش اور حرام چیزوں کو کسی کے لئے حلال نہیں فرماتا۔ (قلائدالجواہر ص20)

بیعت و خلافت:۔ برادران ملت! حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ برسہا برس کے مجاہدہ کے بعد میں نے ایک مرتبہ خدا سے یہ عہد کر لیا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا۔ جب تک خدا مجھے نہ کھلائے اور کچھ نہ پیوں گا جب تک خدا نہ پلائے۔ پھر چالیس دنوں تک بغیر کچھ

کھائے پڑے رہ گیا۔ یہاں تک کہ خواجہ ابوسعید مخزومی رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے پھر اپنے گھر مجھے بلایا اور اپنے ہاتھ سے مجھے کھلایا اور پلایا اور فرمایا کہ عبدالقادر! تم نہیں کھا پی رہے ہو۔ بلکہ میں خدا کے حکم سے تمہیں کھلا پلا رہا ہوں۔ تمہارا عہد پورا ہو گیا۔ پھر آپ نے مجھے خرقہ پہنا کر اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرات گرامی! خواجہ ابوسعید مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

لَبِسَ عَبْدُالْقَادِرِ الْجِیْلِیُّ مِنِّیْ خِرْقَةً وَّلَبِسْتُ مِنْهُ خِرْقَةً یَّتَبَرَّكُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَّا بِالْاٰخِرِ. (قلائد الجواہر ص5)

یعنی عبدالقادر جیلانی نے میرے ہاتھ سے ایک خرقہ پہنا اور میں نے عبدالقادر جیلانی کے ہاتھ سے ایک خرقہ پہنا تاکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے برکت حاصل کریں۔

مسند ارشاد پر:۔ حضرات گرامی! آپ کے شیخ طریقت حضرت خواجہ ابوسعید مخزومی رضی اللہ عنہ کو آپ سے ایسی والہانہ محبت ہو گئی کہ انتہائی شفقت فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ اپنا مدرسہ جو باب الازج میں تھا آپ نے حضرت غوث اعظم کے سپرد فرما دیا۔ چنانچہ جب آپ اپنے مرشد کے مدرسہ میں مسند درس پر بیٹھے تو اس قدر طلبہ کا ہجوم ہو گیا کہ مدرسہ کی عمارت تنگ ہو گئی پھر آپ نے توسیع عمارت کے لئے اہل بغداد کو متوجہ فرمایا۔ تو امراء نے اپنی دولت اور فقراء نے اپنی محنت سے ایک بہت ہی وسیع اور شاندار عمارت تیار کر دی اور یہ مدرسہ آپ کے اسم گرامی سے منسوب ہو کر جامعہ قادریہ کے نام سے مشہور ہو گیا اور اس مدرسہ میں صرف اہل بغداد ہی نہیں بلکہ دور دراز ممالک اسلامیہ کے طلبہ بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے لئے اس مدرسہ میں آنے لگے۔ چنانچہ سینکڑوں طلبہ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر سند تکمیل لینے کے بعد مختلف ممالک میں جاتے اور اصلاح خلق و اعلاء کلمۃ الحق کی سعادت دارین سے سرفراز ہوتے اس طرح تھوڑی سی مدت میں آپ کے علمی فیوض و برکات سے علماء و مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت تیار ہو گئی جو دور دور کے بلاد و امصار میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے لگی جس سے لاکھوں بندگان خدا کو ہدایت نصیب ہوئی۔

درس کے ساتھ ساتھ آپ نے عوام کے لئے وعظ کی مجلس بھی قائم فرما دی تاکہ عوام بھی

آپ کے فیض عام سے محروم نہ رہیں اور رشد و ہدایت کا سلسلہ دراز سے دراز تک ہوتا چلا جائے۔

نبی و علی کی زیارت:۔ برادران ملت! حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میرے وعظ میں بہت کم سامعین ہوتے تھے۔ مگر ناگہاں ایک دم حضور رحمت عالم ﷺ نے مجھے اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرمایا۔ اور کمال شفقت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میرے پیارے فرزند! تم وعظ کیوں نہیں کہتے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایک عجمی شخص ہوں۔ میں فصحاء عراق کے سامنے بھلا بولنے کی جرأت کس طرح کر سکتا ہوں؟ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنا منہ کھولو۔ جب میں نے منہ کھولا تو سات مرتبہ آقائے کائنات نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا:۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ.

یعنی تم حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ لوگوں کو خدا کے راستہ کی طرف دعوت دو۔

پھر اس کے بعد میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت سے سرفراز ہوا تو انہوں نے چھ مرتبہ میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ میں نے عرض کیا کہ چھ ہی مرتبہ کیوں؟ آپ نے بھی سات مرتبہ کیوں نہیں اپنا لعاب دہن عطا فرمایا؟ تو ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے ادب کے لئے چھ ہی مرتبہ اپنا لعاب دہن تمہیں بخشا ہے تاکہ حضور ﷺ کے ساتھ برابری کا شبہہ نہ پیدا ہو سکے اس کے بعد میری گویائی اور وعظ کی تاثیر کا یہ عالم ہو گیا کہ ستر ستر ہزار سامعین دور دور سے اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں پر سوار ہو کر میرے وعظ کی مجلس میں آنے لگے اور بڑے بڑے علماء و مشائخ کے علاوہ رجال الغیب اور جنوں کی جماعت بھی وعظ میں آنے لگی اور ہر وعظ میں سینکڑوں فساق اپنے گناہوں سے توبہ کرتے اور یہود و نصاریٰ اور دوسرے کفار اسلام قبول کرتے۔ (قلائد الجواہر ص 13)

اعلاء کلمتہ الحق:۔ حضرات گرامی! حق گوئی اور اعلاء کلمتہ الحق ایک مرد مومن کا بہت ہی اعلیٰ ایمانی جوہر ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مومن خصوصاً علماء حق کے لئے بہت اہم لازم الایمان اور واجب العمل فریضہ ہے۔ کیوں نہ ہو؟

عظمت انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے
حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی میں ہے

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

اَفۡضَلُ الۡجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنۡدَ السُّلۡطَانِ الۡجَابِرِ.

یعنی افضل ترین جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے روبرو حق بات کہہ دی جائے

چنانچہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ حق گوئی اور اعلان کلمۃ الحق میں نہایت ہی جری اور نڈر تھے۔ بڑے بڑے سلاطین اور امراء کو حق کے معاملہ میں آپ جھنجھوڑ کر رکھ دیتے خلیفہ بغداد "المقتضی لامر اللہ" نے جب ابوالوفاء یحیٰی جیسے ظالم کو قاضی کا عہدہ سپرد کر دیا۔ تو آپ نے برسر منبر خلیفہ وقت کو اپنے وعظ میں للکارا اور صاف صاف کہہ دیا کہ اے خلیفہ! تو نے ایک جابر و ظالم کو خدا کے بندوں پر حاکم بنا دیا ہے تو ہوش رکھ کہ کل خداوند جبار و قہار کے دربار میں تجھ کو نادم و شرمسار ہو کر اس کا جواب دینا پڑے گا۔ آپ کے قہر و جلال کی ہیبت سے خلیفہ کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزہ براندام ہو گیا اور اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے ابوالوفاء یحیٰی کو فوراً ہی عہدۂ قضا سے معزول کر دیا۔

آپ کی ہیبت:۔ برادران ملت! حضور غوثیت مآب کی خداداد ہیبت بھی آپ کی مستقل کرامت ہے۔ شیخ ابوالحسن بغدادی فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم بڑی ہیبت والے تھے۔ اگر کسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتے تو وہ آپ کے رعب اور دبدبہ سے سہم جاتا بلکہ بسا اوقات لرزہ براندام ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ جامع مسجد میں آپ کو چھینک آئی۔ آپ نے الحمد للہ کہا۔ تو حاضرین مسجد نے آپ کی چھینک کا جواب دیتے ہوئے جب یرحمک اللہ کہا تو لوگوں کی آواز سے مسجد گونج گئی۔ خلیفہ وقت "مستنجد باللہ" نے جب شور سنا تو اس نے دریافت کیا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضور غوث اعظم کو چھینک آئی ہے اور حاضرین مجلس نے آپ کو چھینک کا جواب دیا ہے۔ یہ سن کر خلیفہ وقت آپ کی ہیبت سے سہم گیا۔ (بہجۃ الاسرار)

آپ کا قدم اولیاء کی گردن پر:۔ حضرات گرامی! روایت ہے کہ ایک دن آپ نے اپنے

وعظ میں بر سر منبر یہ فرمایا:۔

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقْبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ.

یعنی میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

چنانچہ آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان سن کر اس وقت تین سو تیرہ صاحبان حال اولیاء اللہ جو مجلس وعظ میں حاضر تھے سب نے اپنا اپنا سر جھکا دیا اور عرض کیا:۔

بَلْ عَلَی الرَّاسِ وَالْعَیْنِ

یعنی اے غوث اعظم آپ کا قدم ہماری گردنوں ہی پر نہیں بلکہ آپ کا قدم تو ہمارے سروں اور ہماری آنکھوں پر ہے۔

اور ان بزرگوں نے اپنے کشف سے یہ بھی دیکھا کہ تمام روئے زمین کے اولیاء آپ کے فرمان پر اپنی اپنی گردنیں جھکائے کھڑے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ آپ کے قلب مبارک پر تجلیات ربانیہ کا نزول ہو رہا تھا اور بارگاہ رسالت سے عطا کیا ہوا خلعت کرامت اور اولیاء کرام کے ازدحام میں فرشتے آپ کو پہنا رہے تھے۔ شیخ مکارم علیہ الرحمتہ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت اولیاء کرام نے یہ مشاہدہ فرمایا کہ قطبیت کا جھنڈا آپ کے سامنے گاڑا گیا اور غوثیت کا تاج آپ کے سر اقدس پر رکھا گیا۔ جس کو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح ارشاد فرمایا:

كَسَانِیْ خِلْعَةً بِطَرَازِ عَزْمٍ وَتَوَّجَنِیْ بِتِیْجَانِ الْكَمَالِ

یعنی میرے رب نے مجھے اولوالعزمی اور بلند ہمتی کی خلعت پہنائی اور فضل و کمال کا تاج میرے سر پر رکھ دیا ہے۔

طُبُوْلِیْ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ وَشَآءَ سُ السَّعَادَةِ قَدْ بَدَالِیْ

یعنی زمین و آسمان میں میری شان کے نقارے بجتے ہیں اور نیک بختی کے نقیب میرے روبرو حاضر رہتے ہیں۔

اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحِیِ الدِّیْنِ اِسْمِیْ وَاَعْلَامِیْ عَلٰی رَاْسِ الْجِبَالِ

میں جیلان کا رہنے والا ہوں اور محی الدین میرا نام ہے اور میرے اقبال کے جھنڈے پہاڑوں کی چوٹیوں پر لہرا رہے ہیں۔

حضرات! روایت ہے کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان خدا کے فرمان سے تھا۔

چنانچہ حضرت عدی بن مسافر جن کے ہاتھ لگا دینے سے اندھے اور کوڑھی شفا پاتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت غوث اعظم کے اس اعلان سے "مقام فردیت" کی طرف اشارہ ہے۔
اگرچہ بعض دوسرے اولیاء بھی مقام فردیت سے سرفراز ہوئے مگر اس اعلان کا بجز حضرت غوث اعظم کے کسی دوسرے کو خدا نے حکم نہیں دیا۔ چنانچہ اس مقام فردیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور غوث اعظم نے اپنے قصیدہ میں ارشاد فرمایا۔

اَنَا فِیْ حَضْرَۃِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ
یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ

یعنی قرب الٰہی کی منزل میں مجھے وہ مقام حاصل ہے جس میں تنہا اور اکیلا میں ہی ہوں اور میرا رب مجھے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتا رہتا ہے اور وہ عظمت و جلال والا مولیٰ میرے لئے کافی ہے!
حضرات گرامی! ایک طرف عدی بن مسافر رضی اللہ عنہ کی ہی شہادت نہیں ہے بلکہ دوسرے بڑے بڑے اولیاء کرام نے بھی آپ کے کمالات ولایت کی شہادت اور بشارت دی ہے۔
ابو بکر بن ہوارا:۔ چنانچہ مشہور بزرگ ابو بکر بن ہوار ابطائحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی مشہور کرامت یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خواب میں اپنا خرقہ پہنایا اور جب یہ خواب سے بیدار ہوئے تو خرقہ موجود پایا۔ اور جن کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس بدھ کو مسلسل میری قبر کی زیارت کرے گا وہ جہنم سے آزاد ہو گا۔ اور جو میرے روضہ میں داخل ہو گیا اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔ چنانچہ اب بھی آپ کی یہ کرامت ہے کہ آپ کی قبر کے پاس گوشت اور مچھلی نہ پک سکتی ہے نہ بھن سکتی ہے۔ آپ نے برسوں پہلے یہ غیب کی خبر دی تھی کہ عراق میں آٹھ اولیاء ولایت کے درجے او تاد پر فائز ہوں گے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ معروف کرخی، احمد بن حنبل، بشر حافی، منصور بن عمار، جنید بغدادی، سری سقطی، سہیل بن عبد اللہ تستری، عبد القادر جیلانی، جب لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور! یہ عبد القادر جیلانی کون ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ ایک عجمی سید ہیں۔ یہ گیلان میں پیدا ہوں گے اور بغداد ان کا مسکن ہو گا اور پانچویں صدی میں ان کا ظہور ہو گا اور وہ ولایت کے مقام فردیت کی ایسی منزل بلند پر فائز ہوں گے کہ ایک دن وہ بر سر منبر یہ اعلان فرمائیں گے:۔

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ

یعنی میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

تو تمام اولیاء زمانہ ادب سے اپنی اپنی گردنیں جھکا کر عرض کریں گے:۔

بَلْ عَلَی الرَّاْسِ وَالْعَیْنِ

یعنی اے غوث اعظم! تمہارا قدم ہماری گردنوں ہی پر نہیں بلکہ تمہارا قدم ہمارے سروں اور آنکھوں پر ہے۔ (قلائد الجواہر ص78 وغیرہ)

جو فرمایا کہ دوش اولیاء پر ہے قدم میرا
لیا سر کو جھکا کر سب نے تلوا غوث اعظم کا

تاج العارفین محمد کاکیس:۔ حضرات! اسی طرح تاج العارفین ابو الوفاء محمد کاکیس رحمتہ اللہ علیہ جو عراق کے سید المشائخ اور امیر الاوتاد ہیں۔ جن کے مریدوں میں سترہ بادشاہ بھی تھے جو آپ کے جھنڈے کے نیچے مودبانہ چلا کرتے تھے اور جن کا قول تھا کہ کوئی انسان اس وقت تک سجادہ مشیخیت پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو تا جب تک کہ ان کو کاف سے قاف تک کا علم نہ حاصل ہو جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! کاف سے قاف تک کے علم کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ کاف سے مراد "كُنْ فیکون" اور قاف سے مراد "وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ" ہے یعنی قیامت کا دن۔ مطلب یہ ہے کہ ازل سے قیامت تک کا علم جب تک کسی کو منجانب اللہ کشف سے نہ حاصل ہو جائے اس کو شیخ بن کر سجادہ نشین نہیں ہونا چاہیے۔ شیخ عزاز رحمتہ اللہ علیہ خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تاج العارفین ابو الوفاء محمد کاکیس کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو فرمایا کہ مَا اَقُوْلُ فِیْمَنْ اُبَاهِیْ بِهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی اس شخص کے بارے میں میرا قول کیا پوچھتے ہو؟ وہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے سبب سے میں قیامت کے دن فخر کروں گا کہ ایسے ایسے باکمال میری امت میں ہیں۔ یہ 12/رجب 417ھ میں پیدا ہوئے اور 20/ربیع الاول 501ھ کو بغداد کے قریبی شہر "قلمینیا" میں وفات پائی۔ (قلائد الجواہر ص81)

غرض تاج العارفین محمد کاکیس علیہ الرحمہ جو ان کمالات کے جامع بزرگ تھے۔ ان کا واقعہ ہے کہ یہ بغداد شریف میں وعظ فرمایا کرتے تھے اور ان کے وعظ میں ہزاروں بندگان خدا

سامعین بن کر حاضر ہوا کرتے تھے یہ وہ دور تھا کہ ابھی حضرت غوث اعظم مدرسہ نظامیہ میں ایک طالب علم تھے اور نوجوانی کا عالم تھا ایک دن آپ بھی وعظ سننے کے لئے گئے اور جیسے ہی مجلس میں بیٹھے حضرت تاج العارفین محمد کاکیس رحمتہ اللہ کی نظر آپ پر پڑی۔ آپ نے حاضرین کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو مجلس سے باہر نکال دو۔ چنانچہ حکم پاتے ہی لوگوں نے حضرت غوث اعظم کا ہاتھ پکڑ کر مجلس سے باہر کر دیا۔ مگر حضرت غوث اعظم اس سے بالکل ہی رنجیدہ نہیں ہوئے۔ بلکہ پھر مجلس میں لوٹ کر آ گئے۔ اور حضرت تاج العارفین محمد کاکیس نے پھر حکم دیا کہ اس لڑکے کو مجلس سے باہر نکال دو۔ چنانچہ لوگوں نے پھر آپ کو مجلس سے نکالا اور تمام حاضرین حیرت سے دیکھنے لگے کہ یہ عجیب لڑکا ہے کہ بار بار مجلس سے نکالا جاتا ہے مگر پھر چلا آتا ہے۔ حضرت غوث اعظم اب بھی کبیدہ خاطر نہیں ہوئے اور تیسری بار پھر مجلس میں داخل ہو گئے۔ اب کی مرتبہ حضرت تاج العارفین محمد کاکیس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگو! اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ چنانچہ لوگ آپ کو پکڑ کر کرسی کے پاس لے گئے تو حضرت تاج العارفین محمد کاکیس علیہ الرحمتہ نے کھڑے ہو کر حضرت غوث اعظم کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں نے اس لڑکے کو دو مرتبہ اپنی مجلس سے اس لئے نکالا تھا تاکہ تم لوگ اچھی طرح اس کو دیکھ لو اور جان پہچان لو کہ یہ کون ہے؟ اے اہل بغداد! تم لوگ اس ولی کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس لئے کہ یہی وہ ہیں جو میرے بعد "قطب الاقطاب" ہونے والے ہیں۔ پھر اپنا عصا، تسبیح، مصلّیٰ، سجادہ وغیرہ عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ بیٹا عبد القادر! ابھی تمہارا لڑکپن ہے اور ہمارا بڑھاپا ہے۔ بیٹا! میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ تم ایک دن قطبیت کی منزل بلند پر سرفراز ہونے والے ہو اور ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ تم ایک دن وعظ میں بر سر منبر کہہ دو گے کہ "میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے" تو تمام روئے زمین کے اولیاء ادب سے اپنا اپنا سر خم کر کے عرض کریں گے کہ اے غوث اعظم! آپ کا قدم تو ہمارے سروں اور ہماری آنکھوں پر ہے۔ پھر آپ نے اپنی داڑھی پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ بیٹا! عبد القادر! جب تمہارا یہ وقت آئے تو تم میری اس سفید داڑھی کو یاد رکھنا۔ (بہجتہ الاسرار) اور بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت تاج العارفین محمد کاکیس رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا:-

كُلُّ دِيْكٍ يَصِيْحُ وَيَسْكُتُ اِلَّا دِيْكَكَ فَاِنَّهٗ يَصِيْحُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

یعنی اے بیٹا! عبدالقادر! ہر مرغ بولے گا اور چپ ہو جائے گا مگر تمہارا مرغ قیامت تک بولتا رہے گا، یعنی تمہارا سلسلہ اور تمہاری ولایت کا چرچا قیامت تک جاری رہے گا۔

اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا ۔

مرغ سب بولتے ہیں بول کے چپ رہتے ہیں
ہاں اصیل ایک نواسنج رہے گا تیرا!

شہاب الدین سہروردی:۔ اسی طرح حضرات خواجہ شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمتہ جو سلسلہ سہروردیہ کے امام اور مشائخ عراق کے مقتدر و مسلم الثبوت پیشوا ہیں۔ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سید المساکین، حجتہ العارفین امام الصدیقین صدر المقربین ہیں۔

علی ہیتی:۔ حضرات گرامی! حضرت شیخ علی بن ابی نصر ہیتی رحمتہ اللہ علیہ بغداد کے ان چار بزرگوں میں سے ایک ہیں جو خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ فرمادیتے تھے۔ یہ ایک دن حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وعظ میں حاضر تھے ناگہاں ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ تو ایک دم غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ اپنے منبر سے اتر کر مؤدبانہ ان کے پاس کھڑے ہو گئے جب حضرت علی ہیتی رحمتہ اللہ علیہ بیدار ہوئے تو عرض کیا کہ اے غوث اعظم! مجھے ابھی ابھی خواب میں حضور اقدس ﷺ کا دیدار حاصل ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اسی لئے تو میں ادب کے ساتھ منبر سے اتر کر مؤدبانہ ان کے پاس کھڑے ہو گیا تھا۔ تمہیں خواب میں دیدار نصیب ہوا اور میں بیداری میں دیدار پرانوار سے سرفراز ہوا۔ (بہجتہ الاسرار)

حضرات! یہی وجہ ہے کہ شیخ علی ہیتی جب حضور غوث اعظم نے یہ فرمایا تھا کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے تو سب سے پہلے آپ ہی نے آگے بڑھ کر آپ کا قدم اٹھا کر اپنی گردن پر رکھ لیا تھا۔ اللہ اللہ! سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ نے ۔

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

غرض برادران ملت! بڑے بڑے جلیل القدر اولیاء اللہ نے آپ کی مدح و ثناء کا خطبہ

پڑھا اور آپ کے حضور مطیع و فرمانبردار ہو کر حاضر ہوئے اور آپ کی عظمت کا اعتراف کر کے آپ کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوئے۔ چنانچہ اس فضل ربانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے لاثانی قصیدہ میں ارشاد فرمایا ؎

فَقُلْتُ لِسَآئِرِ الْاَقْطَابِ لَمُّوا　　بِحَالِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

یعنی میں نے تمام قطبوں سے یہ کہہ دیا کہ تم لوگ میرے مقام عظمت کو تسلیم کر کے سب کے سب میرے رنگ میں رنگ جاؤ اور میرے اکھاڑے کے مرد میدان بن جاؤ۔

وَهُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ　　فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَا فِیْ مَلَالِیْ

تم لوگ ہمت کرو اور خوب پیو کہ تم میرے لشکر ہو کیونکہ ساقی نے مجھے خوب بھر بھر کر جام پر جام پلایا ہے۔

شَرِبْتُمْ فُضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ　　وَلَا اَنْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِیْ

تم لوگوں نے میرے مست ہو جانے کے بعد میرا بچا ہوا جھوٹا پیا ہے اس لئے تم لوگ میرے بلند و بالا مقام اور قرب کو نہیں پا سکتے۔

مَقَامُکُمُ الْعُلٰی جَمْعًا وَّلٰکِنْ　　مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالِیْ

تم لوگوں کے مقامات ولایت بھی اگرچہ بہت ہی بلند و بالا ہیں لیکن قرب الٰہی میں میرا مقام تم لوگوں سے بہت اونچا ہے اور ہمیشہ اونچا ہی رہے گا۔

چند کرامتیں:۔ حضرات گرامی! اب میں چاہتا ہوں کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے شمار کرامتوں میں سے چند کرامات بھی آپ کو سنا دوں جس سے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے دلوں کی دنیا میں غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عقیدت کا چراغ روشن ہو جائے گا۔

حضرات محترم! قلائد الجواہر کے مصنف حضرت علامہ شیخ محمد بن یحییٰ حنبلی کا ارشاد ہے کہ تمام فقہاء اور فقراء کا اجماع ہے کہ بغداد شریف میں چار ایسے اولیاء گزرے ہیں جو اپنی زندگی میں بھی قسم قسم کے محیّر العقول تصرفات فرماتے رہے اور وفات کے بعد اپنی قبروں میں بھی زندوں کی طرح تصرفات فرماتے رہتے ہیں اور وہ چاروں اولیاء یہ ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانی! شیخ معروف کرخی، شیخ عقیل منجی، شیخ حیاۃ بن قیس حرانی۔ اسی طرح بغداد میں چار ایسے اولیاء ہوئے جو خدا کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتے اور مردوں کو زندہ فرما دیا کرتے تھے

اور ان چاروں کے نام یہ ہیں شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ احمد رفاعی، شیخ علی بن ابی نصر ہیتی، شیخ بقا بن بطور۔ (قلائد الجواہر ص 37)

پکی ہوئی مرغی زندہ ہو گئی:۔ حضرات! ایک بڑھیا نے اپنے لڑکے کو بارگاہ غوثیت میں پیش کر کے عرض کیا کہ حضور اس کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیں اور اس کو تصوف و سلوک کی تعلیم فرمائیں۔ چنانچہ یہ لڑکا عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ ایک دن بڑھیا لڑکے کو دیکھنے کے لئے آئی تو یہ دیکھا کہ اس کا لڑکا جو کی روٹی بغیر سالن کے کھا رہا ہے۔ اور ریاضت و مجاہدہ کے اثر سے بہت دبلا اور لاغر بھی ہو گیا ہے۔ پھر جب بڑھیا بارگاہ غوث اعظم میں حاضر ہوئی تو یہ دیکھا کہ آپ مرغی کا گوشت تناول فرما چکے ہیں اور اس کی ہڈیاں برتن میں پڑی ہوئی ہیں۔ بڑھیا نے عرض کیا کہ حضور! آپ نے میرے بچے پر کوئی شفقت نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا کیسے؟ تو بڑھیا جھلا کر بولی کہ واہ! آپ تو اڑائیں مرغیاں اور میرا بچہ جو کی روٹیاں؟ یہ کہاں کی شفقت ہے یہ سن کر حضرت غوث اعظم نے مرغی کی ہڈیوں کو جمع فرما کر اپنا دست مبارک ان پر رکھ دیا اور فرمایا:۔

قُوْمِیْ بِاِذْنِ اللّٰهِ الَّذِیْ یُحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ

یعنی اے مرغی! تو اس خدا کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جا جو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ فرمائے گا۔

حضرت کا یہ فرمان سنتے ہی مرغی زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور بزبان فصیح یہ پڑھا:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الشَّیْخ عَبْدُالْقَادِرْ وَلِیُّ اللّٰهِ (قلائد الجواہر ص 37)

چیل کو مار کر زندہ فرما دیا:۔ ایک مرتبہ آپ کی مجلس وعظ میں ایک چیل چلاتی ہوئی اوپر سے گزر گئی جس سے سامعین کی توجہ پراگندہ ہو گئی تو آپ پر ایک دم غوثیت کا جلال طاری ہو گیا اور آپ نے فرمایا:۔

یَا رِیْحُ خُذِیْ رَأسَ هٰذِهِ الْحِدَاءَ ةِ

یعنی اے ہوا! اس چیل کا سر اڑا دے۔

حاضرین مجلس کا بیان ہے کہ غوث اعظم کا فرمان ہوتے ہی چیل کا سر ایک طرف کٹ کر گر پڑا اور اس کا دھڑ دوسری طرف جا کر گرا۔ پھر وعظ سے فارغ ہو کر آپ کرسی سے نیچے اترے

اور چیل کے سر اور دھڑ کو ملا کر بسم اللہ پڑھا اور ہاتھ پھیر دیا تو وہ زندہ ہو کر اڑ گئی۔ (خلاصۃ المفاخر) برادران ملت! یہی وہ آپ کے خداداد تصرفات ہیں جن کو قصیدہ غوثیہ میں فرمایا

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فَوْقَ مَیْتٍ
لَقَامَ بِقُدْرَۃِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

یعنی میں اگر اپنا راز کسی مری ہوئی لاش پر ڈال دوں۔ تو وہ یقیناً مولیٰ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جائے گی۔

وہ کہہ کر قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ جلا دیتے ہیں مردوں کو بہت مشہور ہے احیاء موتی غوث اعظم کا

طوفان سے کشتی نکال دی:۔ برادران ملت! حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مدرسہ میں پڑھنے والے طلبہ کا بیان ہے کہ ایک دن دوران درس میں حضرت کا چہرۂ مبارک ایک دم سرخ ہو گیا اور اپنی چادر کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکالا تو ہاتھ سے پانی ٹپکنے لگا۔ آپ کے جلال و ہیبت کی وجہ سے کسی کو کچھ دریافت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ مگر طالب علموں نے دن، تاریخ اور مہینہ نوٹ کر لیا۔ دو ماہ کے بعد کچھ سوداگر حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ حضور! ہم سمندر میں اپنی کشتی پر تجارت کا مال لاد کر آرہے تھے کہ یکایک سمندر میں طوفان آ گیا اور طوفان کے تلاطم اور موجوں کے تھپیڑوں میں ہماری کشتی ڈگمگانے لگی اور قریب تھا کہ ہمارا بیڑہ غرق ہو جائے مگر جب ہم نے اس مصیبت کے وقت میں آپ کو پکارا اور "یا غوث المدد" کا نعرہ لگایا تو ہم نے یہ دیکھا کہ پانی کی سطح پر ایک قدرتی ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے ہماری کشتی کو طوفان کی موجوں سے نکال کر سلامتی کے ساتھ ساحل نجات پر پہنچا دیا۔ (برکات قادریت)

جہاز تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا
وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا یا غوث اعظم کا

فرزند کی بشارت:۔ حضرات! آپ کے عقیدت مندوں میں خضر حسینی موصلی تھے۔ آپ نے ان کو یہ بشارت دی کہ تیری پشت سے ایک لڑکا محمد نامی پیدا ہو گا۔ جو ایک نابینا حافظ سے قرآن مجید حفظ کرے گا اور تو طویل عمر پا کر بحالت ہوش و حواس مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ 601ھ میں ان کے فرزند محمد پیدا ہوئے اور ایک نابینا حافظ سے قرآن مجید پڑھ کر سات ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور خضر حسینی نوے سال ایک ماہ اور سات دن کی عمر پا کر مقام اربل میں

داعی اجل کو لبیک کہا اور آخر عمر تک ان کے ہوش و حواس قائم رہے۔ (بہجتہ الاسرار) سبحان اللہ! سبحان اللہ! سچ فرمایا۔ مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمتہ نے ؎

لوح محفوظ است پیش اولیاء

از چہ محفوظ است؟ محفوظ از خطا

یعنی خداوند قدوس اپنے اولیاء کی آنکھوں میں وہ قدرت و طاقت بخش دیتا ہے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر لوح محفوظ کی تحریروں کو پڑھ لیتے ہیں اور لوگوں کی تقدیروں پر مطلع ہو جاتے ہیں خود غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

عَیْنِیْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ.

یعنی میری آنکھ لوح محفوظ کو دیکھتی رہتی ہے۔

برادران ملت! امام شعرانی نے طبقات کبریٰ میں فرمایا ہے کہ عارف باللہ وہ ہے جس کے دل میں خداوند عالم نے ایک ایسی تختی رکھ دی ہے کہ ملک و ملکوت کے تمام اسرار موجودات اس میں منقوش ہو جاتے ہیں اور وہ سب کو اپنے علم و کشف سے جانتا اور چشم بصیرت سے دیکھتا رہتا ہے۔ حضرت جامی قدس سرہ السامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ خواجگان بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمتہ اللہ علیہ کا تو یہ قول ہے کہ تمام روئے زمین اللہ والوں کی نظر کے سامنے ناخن کی طرح سے ہے کہ روئے زمین کی کوئی شے ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے ؎

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا

کَخَرْدَلَۃِ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھا جس طرح کوئی رائی کے دانے کو دیکھتا ہے اور وہ بھی منٹ دو منٹ کے لئے نہیں بلکہ "علی احکم اتصال" یعنی مسلسل لگاتار، ہمیشہ یوں ہی دیکھتا رہتا ہوں اور علی الاتصال ہر دم اور ہر حال میں سارا جہاں میرے پیش نظر رہتا ہے۔

احمد جام کا شیر:۔ حضرات! مشہور بزرگ شیخ احمد جام جو زندہ فیل کہلاتے ہیں شیر کی سواری فرماتے تھے اور ان کا دستور تھا کہ جس خانقاہ میں تشریف لے جاتے اپنے شیر کی خوارک کے لئے

ایک گائے طلب فرماتے اور تمام بزرگوں پر ان کی ہیبت کا اس قدر سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ شیخ بلا چون وچرا ایک گائے کا نذرانہ پیش کر دیتا۔

چنانچہ بغداد شریف آئے تو یہاں بھی حسب عادت خادم کو خانقاہ غوث میں بھیج کر ایک گائے کا مطالبہ کیا۔ حضور غوث اعظم نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ فرمایا کہ احمد جام ہمارے مہمان ہیں اس لئے ضرور ان کا مطالبہ پورا کیا جائے گا اور آپ نے ایک گائے بھیج دینے کا حکم فرمادیا۔ شیخ احمد جام کو جب خادم نے خبر دی کہ گائے آ رہی ہے تو وہ اکڑ کر بولے کہ دیکھ لیا تم نے ہمارا دبدبہ؟ بہر حال حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا خادم گائے لے کر چلا۔ تو ایک دبلا پتلا کتا جو خانقاہ غوثیہ کے لنگر خانہ کی ہڈیوں پر گزر بسر کرتا تھا اور دروازے پر پڑا رہتا تھا وہ بھی گائے کے ساتھ چلا اور جیسے ہی شیخ احمد جام کا شیر گائے پر جھپٹا۔ کتے نے ایک دم لپک کر شیر کا گلا پکڑ لیا اور اپنے پنجوں سے شیر کا پیٹ پھاڑ ڈالا اور کتا گائے کو ہانک کر خانقاہ غوثیہ میں لے آیا۔ حضرت شیخ احمد جام اپنے شیر کا حال زار دیکھ کر اور ایک لاغر کتے کی جرأت کا مشاہدہ کر کے سمجھ گئے کہ حضرت غوث اعظم کا تصرف ہے اور یقیناً یہ میرے غرور کا جواب ہے۔ چنانچہ آپ شرمندہ ہو کر حاضر دربار ہوئے اور سرکار غوثیت میں معافی کے خواستگار اور نظر کرم کے طلب گار ہوئے۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے۔

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

مفت کے ڈھائی لاکھ:۔ حضرات! شیخ زین الدین ابوالحسن تریل مصر جب بغداد شریف آئے تو ان کے ساتھیوں کے پاس ایک چھری کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ یہی چھری فروخت کر کے ان لوگوں نے چاول خرید کر کھائے مگر پھر بھی بھوکے رہے۔ جب یہ لوگ دربار غوثیت میں پہنچے تو حضور غوث اعظم نے فرمایا کہ اے لوگو! جلدی ان بھوکوں کے لئے کھانا لاؤ۔ ان لوگوں نے چھری بیچ کر چاول کھایا ہے مگر پھر بھی بھوکے ہیں۔ روٹی اور کشک لاؤ اور روٹی اور شہد لاؤ۔ شیخ ابوالحسن کے دل میں شہد کی خواہش تھی۔ خادم نے ان کے آگے کشک رکھ دیا تو آپ نے فرمایا کہ ابوالحسن کے سامنے شہد رکھو۔ ان کو شہد کی خواہش ہے۔ شیخ ابوالحسن جناب غوثیت مآب کے اس کشف سے حیران رہ گئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ دوڑ کر حضور کے

قدموں میں گر پڑے اس وقت حضرت غوث اعظم نے فرمایا۔ "مَرْحباً بِوَاعِظِ مَصْرَ" یعنی واعظ مصر! خوش آمدید شیخ ابوالحسن نے عرض کیا کہ حضور! میں تو اتنا بڑا جاہل ہوں کہ مجھے ٹھیک سے سورۃ فاتحہ بھی پڑھنا نہیں آتا۔ بھلا میں مصر کا واعظ کیسے ہو سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ لیکن امر رب یہی ہے جو میں کہتا ہوں۔ چنانچہ ابوالحسن ایک ہی سال میں اعلیٰ درجے کے واعظ ہو گئے۔ بوقت رخصت حضور غوث اعظم نے فرمایا کہ ابوالحسن دیکھو۔ دمشق کے قریب تم کو ایک فوج ملے گی جو مصر پر حملہ کرنا چاہتی ہے تم ان لوگوں سے کہہ دینا کہ یہ حملہ اس وقت تک ناکام رہے گا۔ آئندہ سال حملہ کامیاب رہے گا۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن نے ان لوگوں سے کہہ دیا۔ پھر جب مصر پہنچے تو بادشاہ مصر حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ آپ نے شاہ مصر کو بشارت دی کہ تم اطمینان رکھو کہ حملہ آور کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حملہ آور فوج فرار ہو گئی تو مصر کے بادشاہ نے شیخ ابوالحسن کو سوالاکھ دینار انعام دیا۔ اس طرح شیخ ابوالحسن ڈھائی لاکھ دینار پا کر مالامال ہو گئے اور یہ سب کچھ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت کا طفیل تھا۔ (بہجۃ الاسرار)

مفلوج اور اندھا شفایاب ہو گیا:۔ حضرات! مہلک اور لاعلاج مریضوں کو بھی آپ کی کرامتوں سے اکثر شفا مل جاتی تھی۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ بغداد کے مشہور تاجر ابوغالب نے آپ کی دعوت کی۔ جب آپ اس کے مکان پر پہنچے تو عراق کے بڑے بڑے علماء و مشائخ پہلے ہی سے وہاں موجود تھے انواع واقسام کے کھانے دستر خوان پر چنے گئے۔ پھر لوگوں نے ایک بند ٹوکرا لاکر مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ تمام علماء آپ کی ہیبت و جلالت سے خاموش بیٹھے رہے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ ٹوکرا میرے سامنے لاکر کھولو۔ جب ٹوکرا کھولا گیا تو اس میں ابوغالب تاجر کا اندھا اور فالج زدہ لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ حضور غوثیت مآب نے سمجھ لیا کہ اس دعوت کا مقصد یہی ہے کہ اس بچے کو علماء مشائخ کے سامنے دعا کے لئے پیش کیا جائے۔ چنانچہ حضور غوث اعظم نے اس بچے کو دیکھ کر فرمایا کہ "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُعَافِیً" یعنی اے لڑکے! تو خدا کے حکم سے شفایاب ہو کر کھڑا ہو جا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ لڑکا بینا اور تندرست ہو کر زمین پر دوڑنے لگا۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر مجلس میں ایک شور برپا ہو گیا اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموشی کے ساتھ اٹھ کر بغیر کھانا کھائے اپنی خانقاہ میں آ گئے۔

شفا پاتے ہی صدہا جاں بلب امراض مہلک سے
عجب دارالشفاء ہے آستانہ غوث اعظم کا

گم شدہ اونٹ:۔ بشر قرظی کے چار اونٹ خطرناک جنگل میں رات کو گم ہو گئے۔ انہوں نے اپنی حیرانی و پریشانی کے عالم میں "المدد یا غوث" کا نعرہ لگا کر بارگاہ غوثیت میں فریاد کی تو یکایک انہوں نے دیکھا کہ ایک نورانی چہرے والے سفید ریش بزرگ ایک ٹیلہ پر کھڑے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے مجھ کو بلا رہے ہیں۔ لیکن جب ٹیلہ پر جا کر میں نے دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر جب ٹیلے سے نیچے کی طرف نظر گئی تو میں نے یہ دیکھا کہ میرے چاروں اونٹ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں انہیں پکڑ لایا اور قافلہ میں شامل ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری راہنمائی فرمانے والے وہ بزرگ یقیناً حضور غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(بہجۃ الاسرار)

دریائے دجلہ کا سیلاب:۔ برادرانِ ملت! بغداد کے مسلم الثبوت باکرامت بزرگ حضرت عدی بن مسافر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دریائے دجلہ میں اتنا خطرناک سیلاب آ گیا کہ شہر بغداد کے غرق ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اہل بغداد فریاد کے لئے بارگاہ غوثیت میں حاضر ہوئے تو آپ اپنا عصا لے کر اٹھے اور دریا کے کنارے جا کر اپنا عصا دریا کی پرانی حد پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ اے دجلہ! خبردار اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا۔ اس کے بعد فوراً ہی دجلہ کی طغیانی ختم ہونے لگی اور آہستہ آہستہ پانی اصلی حد پر پہنچ کر ٹھہر گیا۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرات گرامی! کیوں نہ ہو؟ کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:۔

فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ
لَصَارَ الْکُلِّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ!

یعنی اگر میں اپنا راز دریا پر ڈال دوں تو اس کا پانی زمین میں جذب ہو کر خشک ہو جائے۔

بارش روک دی:۔ حضرات! یہی حضرت عدی بن مسافر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مدرسہ کے صحن میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک دم بارش ہونے لگی اور سامعین میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی تو آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ "میں لوگوں کو جمع کرتا ہوں اور تو منتشر کرتا ہے؟" آپ کی زبان مبارک سے ان

الفاظ کا نکلنا تھا کہ مدرسہ کے صحن میں بارش بند ہو گئی اور مدرسہ کے باہر بدستور پانی برستا رہا۔

(بہجۃ الاسرار)

ہوا موقوف فوراً ہی برسنا اہل مجلس پر

جو پایا ابر باراں نے اشارہ غوث اعظم کا

اشرفیوں سے خون ٹپکا:۔ حضرات! خلیفہ بغداد مستنجد باللہ عباسی ایک مرتبہ اشرفیوں کی دس تھیلیاں لے کر بارگاہ غوثیت میں نذرانہ پیش کرنے کے لئے لایا آپ نے اس کا نذرانہ قبول کرنے سے انکار فرمادیا۔ تو وہ اپنی بادشاہی کا رعب جما کر اصرار کرنے لگا۔ خلیفہ کا تیور اور اصرار دیکھ کر آپ کو جلال آ گیا اور آپ نے دو تھیلیوں کو دونوں ہاتھوں میں لے کر نچوڑا تو ان تھیلیوں سے خون ٹپکنے لگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے خلیفہ! تجھے شرم نہیں آتی کہ تو مجھے ایسا مال دیتا ہے جس میں مسلمانوں کا خون بھرا ہوا ہے خلیفہ یہ منظر دیکھ کر مارے ڈر کے بے ہوش ہو گیا اور آپ نے تڑپ کر فرمایا:۔

وَعِزَّةِ الْمَعْبُوْدِ لَوْلَا حُرْمَةُ اِتِّصَالِهٖ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَرَكْتُ الدَّمَ يَجْرِىْ اِلٰى مَنْزِلِهٖ.

یعنی مجھے عزت معبود کی قسم ہے اگر اس کو خاندان نبوت سے نسبت نہ ہوتی تو اس خون کو اس کے محل تک بہادیتا۔ (بہجۃ الاسرار)

کرامتی سیب:۔ حضرات! اسی طرح ایک مرتبہ خلیفہ بغداد بارگاہ غوثیت میں سلام کے لئے حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ حضور! آج آپ کی کوئی کرامت دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بولو! کیا چاہتے ہو؟ خلیفہ نے عرض کیا کہ حضور! کہ اس وقت سیب کو جی چاہتا ہے یہ سیب کا موسم نہیں تھا۔ مگر حضرت نے ہوا میں اپنا ہاتھ اٹھایا تو دست مبارک میں دو سیب آ گئے آپ نے ایک سیب خلیفہ کے ہاتھ پر رکھ دیا اور دوسرا اپنے ہاتھ میں رکھا۔ پھر جب آپ نے سیب کو کاٹا تو بالکل سفید اور نہایت ہی شیریں نکلا۔ اور خلیفہ نے سیب کو کاٹا تو سڑا اور بدبودار نکلا۔ خلیفہ حیران ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ سیب تو دونوں ہی یکساں تھے مگر ایک پر ظالم کا ہاتھ پڑا تو وہ خراب ہو گیا۔ خلیفہ انتہائی شرمندہ ہوا۔ اور آپ نے اس کرامت سے اس کو ہدایت فرمائی کہ وہ ظلم سے باز رہے۔ (بہجۃ الاسرار)

برادران ملت! میں کہاں تک آپ کی کرامتیں بیان کروں، جمادات، نباتات، حیوانات، پر آپ کے قسم قسم کے تصرفات کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کیوں نہ ہو کہ حضور غوث اعظم خود اپنے خدادادا اختیارات و تصرفات کا بیان اپنی زبان سے فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ۔

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْكِيْ تَحْتَ حُكْمِيْ
وَوَقْتِيْ قَبْلَ قَلْبِيْ قَدْ صَفَالِيْ

یعنی اللہ کے تمام بلاد و امصار میرے زیر اقتدار اور فرمانبردار ہیں اور میری یہ حکومت میرے تصفیہ قلب کے پہلے ہی سے ہے۔ یعنی میں پیدائش ولی اور صاحب تصرف ہیں۔

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ تَمُرُّ وَتَنْقَضِيْ اِلَّا اَتٰى لِيْ
وَتَخْبِرُ نِيْ بِمَا يَاْتِيْ وَيَجْرِيْ وَتُعْلِمُنِيْ فَاَقْصِرْعَنْ جِدَالِيْ

یعنی جو مہینہ اور سال گزرتا ہے وہ میرے پاس حاضر ہوتا ہے اور مجھے ان تمام باتوں کی خبریں دیتا ہے جو اس مہینے اور سال میں ہونے والی ہوتی ہیں تو تم میرے اس بیان میں شک کر کے جھگڑا نہ کرو۔

اتباع شریعت:۔ برادران ملت! آپ تمام عمر بندگان خدا کو علم دین حاصل کرنے اور اتباع شریعت کرنے کی تعلیم و تلقین فرماتے رہے۔ آپ نے اپنی زبان اور قلم کو تبلیغ دین کے لئے وقف فرمادیا اور صرف غرباء اور فقراء ہی کو نصیحت نہیں فرمائی امراء و سلاطین کو بھی عدل و انصاف اور اتباع شریعت کا حکم دیتے رہے اور مشائخ اور سجادہ نشینوں کو بھی ہمیشہ اس مسند کا اہل بننے کی تاکید فرماتے رہے۔

مسند مشیخت کی شرائط:۔ چنانچہ آپ کا یہ مشہور ارشاد ہے کہ جب تک کسی شخص میں یہ بارہ خصلتیں نہ پیدا ہو جائیں اس کو شیخ بن کر سجادہ مشائخ پر بیٹھنا جائز نہیں ہے اور وہ بارہ خصائل کون کون ہیں۔

ذرا غور سے سن لیجئے!

1۔ عیب پوشی
2۔ رحم دلی
3۔ شفقت
7۔ نیک باتوں کا حکم دینا۔
8۔ بری باتوں سے منع کرنا۔
9۔ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

4۔ مہربانی
5۔ سچائی
6۔ حق گوئی

10۔ عبادت کے لئے راتوں کو جاگنا۔
11۔ ضروریات دین کا علم حاصل کرنا۔
12۔ سخاوت وجواں مردی اختیار کرنا۔
(قلائد الجواہر ص13)

وفات مبارک:۔ آپ نے اپنی وفات سے چند دنوں پہلے ہی اپنے عزیز واقرباء کو بتادیا تھا کہ اب میری وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اس کے بعد ہی آپ علیل ہوگئے اور دو ماہ تک علالت کا سلسلہ جاری رہا۔ آخری وقت میں آپ نے کچھ دعاؤں کا ورد شروع فرمایا اور دعا کے آخر میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط پڑھا اور اکیانوے برس کی عمر میں 11/ربیع الثانی 561ھ کو رات میں آپ نے وصال فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ عبدالوہاب قادری نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور آپ مدرسہ قادریہ کے ایک سائبان کے نیچے مدفون ہوئے بغداد جدید میں آج بھی آپ کا مزار پرانوار عوام وخواص کے لئے فیض بخش ہے۔ کیوں نہ ہو کہ حضور غوثیت مآب کا یہ جہانگیری اعلان موجود ہے کہ

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

یعنی اگلوں کے سورج غروب ہوگئے لیکن ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے افق پر روشن رہے گا اور کبھی غروب نہیں ہوگا۔

آپ کی مقدس بیویاں:۔ حضرات! حضور غوث رضی اللہ عنہ نے چار عورتوں کو اپنے نکاح سے نوازا۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

1۔ بی بی مدنیہ　　2۔ بی بی صادقہ
3۔ بی بی مومنہ　　4۔ بی بی محبوبہ

یہ چاروں بیویاں صالحات اور آپ کے فیوض وبرکات سے اہل کرامات تھیں چنانچہ آپ کے صاحب زادے سید شاہ عبدالجبار کا بیان ہے کہ میری والدہ کی یہ کرامت تھی کہ جب وہ کسی

اندھیرے گھر میں داخل ہوتی تھیں تو خود بخود گھر روشن ہو جاتا تھا۔

آپ کی اولاد:۔ حضرات! مختلف تاریخوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے یہاں انچاس (49) بچے پیدا ہوئے جن میں بیس صاحبزادے اور باقی صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کے مشہور فرزندوں کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

1۔ سید عبدالوہاب	6۔ سید عبدالجبار
2۔ سید عبدالرزاق	7۔ سید محمد عیسیٰ
3۔ سید عبدالعزیز	8۔ سید ابراہیم
4۔ سید محمد یحییٰ	9۔ سید محمد موسیٰ
5۔ سید عبداللہ	10۔ سید محمد

یہ تمام شہزادگان علم و عمل کے آفتاب بن کر چمکے اور ان میں سب سے زیادہ مشہور سید عبدالرزاق ہوئے!

تاریخ وفات:۔ کسی عربی شاعر نے آپ کی تاریخ وصال میں یہ کمال کیا ہے کہ ایک ہی مصرع میں تاریخ ولادت اور مقدار عمر اور تاریخ وفات تینوں کو بیان کر دیا ہے

اِنَّ بَازَ اللّٰهِ سُلْطَانُ الرِّجَالِ

جَآءَ فِیْ عِشْقٍ \470 وَّمَاتَ فِیْ کَمَالٍ \91 =651ھ وصال

"عشق" کے عدد چار سو ستر تاریخ ولادت ہے اور "کمال" کے عدد اکیانوے مقدار عمر ہے اور اکیانوے کو چار سو ستر میں ملادیں تو پانچ سو اکسٹھ ہوتے ہیں۔ جو تاریخ وفات ہے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ

....